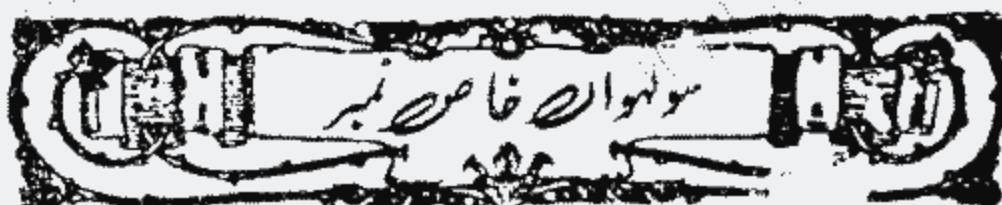




مُحَمَّد ، فَارُوق ، فَنْرَزَان ، اِنْبَكْرِ جَمِيلَه  
آفَاتَاب ، آصَف ، فَرْحَت ، اِنْبَكْرِ كَاهْرَان مَرْزا  
اوْر شوکی برادرز کی مشترکہ محمم :



# کھوڑ کھو و اپے

اشتیاق احمد

## دو باتیں

السلام علیکم!

باقہ تو آپ کو معلوم ہو گھ کی یہ دو باتیں سولویں خاص نمبر کے یہ ہے عظیم اثار کیا منظر ہے، مذکور یہ کہیں دعہ کر چکا ہو گھ کے اپنے خاص نمبر کو اپنے منزے عظیم اشان نہیں کوہا ۔ اب وہ سمجھ یہ باقہ کہ وہ کیا باقہ ہے جو آپ کو معلوم نہیں، تو وہ آپ دو باتیں پڑھ کر جا رہ یہ گے، فکر کھ کوڑ کھ باقہ ہے۔ ہر لکھ کوئی اطلاق کے طور پر یہ سمجھ کر سکتا ہو گھ کا خامسہ کے لحاظ سے، خاص نمبر سابقہ تمام خاص نمبر کے باز ہوئے گیا۔ آپ کہیں گے۔ خاص نمبر باز ہوئے گیا یا نہ۔ تو دوستو! باقہ ایک اٹھبے۔ اصل باقہ تو ہے باز ہوئے جانا

اور آپ کو بھی غرضِ آم کھانے سے بوجھ پریز  
گھنے سے نہیں۔ یوں آپ دھ را قہ پریز گھیں  
جسے کافی اعتراض نہیں ہوا، لہ! اعتراض  
اکھ صورت ہے خرد ہو سکتا ہے جسے آپ پریز  
گھنے کے چکر میں ناولہ پڑھنا، بھوٹ بھوٹ جائیں۔  
نہیں اور یہ سستہ نکل گیا۔ جسے تو دو باتیں  
کرنا تھا۔ یعنی خاص نمبر کے دو باتیں۔ آپ  
جانشی ہیں، خاص نمبر کے دو باتیں بھی سول باتیں  
کے برادر ہوتے ہیں۔ اب اخڑ سول باتیں ہیں  
سے ابتداء باتیں شفیع ہیں۔ بچھے دوسرے  
وھ سمجھ آدھ کے زوال پر ایکھ ناولہ لکھا تو پکھ  
یاد لو گھ۔ خدا پا ہو گئے۔ بچھے پا کا مطلب آپ  
مجھے بھوٹ ہوئے گے، اگر نہیں تو پڑا خدا پا سے  
کام چلا لیں ۔ اگر یہ لفظ بھی مطلب کا نہیں  
تو یوں سمجھ لیں گے کہ لا اس پیسے ہو گئے۔ کہ جناب  
وھ سمجھ آدھ تو بڑھ اصلاح چھ بجز ہے۔ اس  
کے ذریعے اصلاح چھ پروگرام اور اسلامیہ تعلیمات  
کے پروگرام بھی تو دیکھے جاسکتے ہیں۔ اخڑ کے  
اکھ باقہ پر یہ مرد منے کے سوا کہ ہی کیا

لکھ - اس کو اسرار آقا کو معطلہ بھجو کر دیا  
 گیا ہے۔ یکض اخباراتھ میں ایک چیز آنے  
 سے رہ گئے اور وہ کہ خرد بُرد کرنے والے  
 پُر اسرار آقا دراصل جا باق تھے۔ اپھ سمجھو، اس  
 کے ہو اس کے کہیں کیا کہنا چاہتا ہو۔  
 اگر نہیں سمجھے تو پھر کلھ کہ شخصیہ کے مزادانہ  
 تھے اور نیشنل شپنگ کار پوریٹھ کے افس  
 دھاندیلوں کے بارے میں بندھ روزہ رسالہ  
 فتحم نورتھ کا اچھے چھڑیخڑ کے اعلان کرتا رہا  
 ہے، یکض مشکل ہے کہ ہم لوگوں کے  
 چھڑیخڑ پُکار پر کام ہو کر کبھی دھرے جاتے  
 ہیں۔

یہیے ایک اور خبر سنادو۔ اپھ کہیں  
 گے - یہ دو باتیں ہیں یا اشتیاق پبلیکیشن  
 سے شاکھ ہونے والا اخبار۔ اپھ اسے اخبار کہ  
 لیں یا دو باتیں۔ میں خبر تو سنائے کہ رہوں گا  
 ہاڑ تو خیر ہے کہ جنگ میں میرے ہاڑ  
 فرض لکھ گیا ہے۔ فرض پر باقہ چیز  
 کرنے کے خواہش مند عشاکھ نماز کے کھو دیر

لکھا تھا۔ اپھ کو بھی اجازت ہے۔ شوق  
 سے مر دھنپتے ہیں، یکض پہنچ کر دالوں  
 کا یا ارد گرد کے لوگوں کا خالص کر لیجے گا۔  
 کہیں وہ اپھ کے سر کھے یا دھنے کھ پیٹھ  
 میں نہ آجائیں۔ کہ پیٹھ میں آنا کچھ خوش گول  
 نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آج کلھ ہمارا ملکہ فدا اس تھے  
 کہ پیٹھ میں آیا ہوا ہے۔ یہ بُنگا میں توڑ  
 پھوڑ محروم الحرام سے شروع ہو لئے تھے۔ ابھ  
 تکھ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنارحم فرمائے۔  
 اپھ بھی دعا کریں۔

لگے ہاتھوں ایک دوسری باتھ بھجو کرنا  
 چلو۔ کچھ دوڑ پہنچ کے ایک ناول کھا تھا  
 جس میں بڑی جہاز کے ذریعے غلط مالہ دوسرے  
 ملکوں کو پلانے کے ملک کو بنانم کیا جا رہا  
 تھا۔ اور خرد بُرد بھج کے جاری تھے۔ اپھ  
 کو یاد ہو گا۔ شاید اس کا نام پُر اسرار آقا تھا،  
 تو خابھ اپھ نے چند دفعہ پہنچ نیشنل شپنگ  
 کار پوریٹھ میں دیکھ دیا تھا۔ پر دھاندیلوں کا  
 انکشافت کے عنوان اس سے خبر پڑا، بھج لئے ہو

نیز منگو اپنے جائیں ۔ یکوہ کے ہمارے  
اسرائیل سے سفارتی تعلقات نہیں ہیں ۔  
یکھ اخراجات میں ایکھ بھر پڑھ کے ملکہ  
میں اسرائیل کھنچ ہوئے مصنوعات کو دش  
کردی ہیں ۔ سوال ہے کہ کیا مصنوعات  
ہمارے لئے ہیں کہ طریقہ آئیں ۔ یہ رے نادلوں  
پر خود کریں ۔ اپنے بارض جائیں گے ۔ یکوہ  
ٹھیک ہے نا ۔ اگر ابھی بھی نہیں جارض ہے  
تو پھر خدا لکھ کر معلوم کر لیں ۔

خاص نمبر کے بارے میں کوئی بات  
نہیں کروں گا ۔ اسے پڑھ کر اپنے اپنے  
راہے دیں ۔ یہ اخض آراء کو پڑھ کر  
اپنے کو اطلاع دوں گا کہ نامنہ نہیں ہے  
موض کوہ دالیجھ کرنے پانی ہیں رہا ۔ مرض  
انا سرفیں کے ایکھ خاص موضع پر لکھا  
لیا ہے ۔ جو کے بارے میں اپنے پتے سے  
کوئی اندازہ نہیں لگا سکیں گے ۔  
ایکھ اور تکلیف دہ بات ہے ۔ جو کہ تھی نہیں  
پکارتے ہے ۔ یکھ پوچھ کر باد بار سامنے

بعد ۲۲۹۵ نمبر پر فوڑ کر لے ہیں ۔ دیے اگر  
اپنے اپنے خبر کو خبر دے مانیں تو بھی بھے کوئی  
اعتراف نہ ہو گا اور میں یہ خبر والپڑیں کے  
لیے بھی تیار ہوں ۔

ایکھ اور جرحت ایکھ خبر اخبار میں پڑھنے  
کو ملے ۔ یہ کہ امریکہ ایران پڑ کو فوجھ امداد دیتا  
رہا ہے ۔ یعنی جنگ کے سبے میں جو  
اس کو عراق سے جاری ہے ۔ اپنے ملاحظ  
فرمایا ۔ نہیں بار بار نادلوں میں لکھ پکا ہوں  
یہ بڑی طاقتیں اندر سے ایکھ ہیں ۔ یعنی الشادیم  
اور ونساہر ۔ اور چھوٹی طاقتور کو آنجلیوں پر  
پھانا چاہتے ہیں ۔ اور ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ  
ہم ناچھتے رہتے ہیں ۔ ہونے پر سہاگا یہ کہ ناچھتے  
یہ ہے عار بھی خوب نہیں کرتے ۔ بلکہ اسے  
بھی دو ماہہ آگے یہ کہ اس پر فخر کرتے ہیں ۔  
کاش ہم مرض اللہ تعالیٰ سے امید یہ قائم کر  
لیں ۔ اس پر فخر محسوس کریں ۔ کاش ।  
خبر نامے کہ الگھو خبر جریان کھجھ ہے ۔

پاکستان میں اسرائیل کھنچ ہوئے چیزوں  
پکارتے ہیں اسرائیل کھنچ ہوئے چیزوں پکارتے ہیں

یہ اسلام کے خلاض ساز شکھ ہے ۔ ایسے بحث  
نہ پڑھیں، پرچے ملکہ نہ کریں ۔ الخ کو  
ڈکا سا جواب دے دیں کہ ہمارے لیے ہمارا  
قرآن خداوند ہے، قرآن نے اپنے سے پہلے  
آسمان خداوند کو منسوخ کر دیا ہے ۔ اسلام  
اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے ۔  
اور اللہ کے رسول ﷺ کو مُنَّاَتُ الْعِلْمِ اور دین کو  
ملکہ مُنورۃِ بصر، ہم تکھے پہنچ کے ۔ الخ  
حالات میں بھی کسی انجیل کو ضرورت  
نہیں ۔ صرف یہ آیا خداوند لانا ضروری ہے  
ہے کہ انجیل بھی آسمان خداوند ہے ۔  
یعنی ابھ اسے بدھ دیا گیا ہے ۔ اصل  
حالات میں ابھ انجیل کمیں موجود نہیں  
اللہ سلسلے میں خاص نمبر کے آخر میں ایک  
ہدایت نام شائعہ کیا جا رہا ہے ۔ اسے خود  
سے بڑھنا اپھ کا مدعا بھی فریض ہے ۔  
خاص نمبر کے ساتھ اپھ کو آفتاب احمد  
کا ناول "گھری ساز شکھ" اور خطوط کو "حدائقہ"

آنھ ہے، اسکے لیے کہنا پڑتا ہے ۔ میرخ یا  
سید نادر کو فلسطین سے بعض اوقات خطوط کے  
پیچے کسی بھی کاپتا شائعہ ہو جاتا ہے ۔ تو پہنچ  
بدینہ لوگ فوراً خط لکھنے بیٹھ جاتے ہیں ۔  
اور یہ حد سے زیادہ بڑھ ہو جکھ رکھتے ہے ۔ میرخ  
نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ایسے لوگوں کے نام  
اور پستے ناول کے آخر میں بے شرم، بے غیرہ  
کے عنوان خداوند سے شائعہ کیے جائیں گے ۔ کم از کم وہ  
اپنے محلے میں تو بنام ہوا، حصہ کریں گے ۔ ایسے  
ہے، یہ تجویز اپھ سبھ کو پسند آئے گے ۔ فاصلہ  
طور پر پچھوڑ کو ۔

ایک خبر پہنچتے چلتے اور سڑھ لیں ۔ آج کل  
ہمارے ملکہ میں دیانتیت کو تبلیغ، سبق، بڑھ  
پیمانے پر کھے جا رہا ہے ۔ انجیل کے  
بہت پچھوڑ اور بڑوں کو بذریعہ ڈاک تیکیم کیے  
جا رہے ہیں ۔ الخ سے سوالوں کے جواب  
پرچے جاتے ہیں اور اول، دوم اور سوم وغیرہ  
کا چکر بھی چلا یا گیا ہے ۔ خبردار ہو جائیے ۔

مجھ پڑھا ہیں۔ اس لیے مجھے آپ کے جانش  
چھوڑ دینے چاہیے۔ اگر آپ دو باتیں ہیں  
پڑھتے رہے تو ناول کے طرح پڑھ سکیں  
لے۔ شکریہ!

امیر میانی



# ترکیبوں کا دن

وہ مارا۔ میں نے ترکیب سوچ لی۔ فاروق نے چلا  
کر کہا، ساتھ میں اچلا بھی۔

یعنی ہم کوئی ترکیب کب سوچ رہے ہیں؟ فراز  
نے اسے گھورا۔

میں نے ہم کا لفظ نہیں کہا۔ تمہارے کان تو بیزیت  
ہیں۔ فاروق نے بھی جواب میں اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

”الحمد لله۔ تو تم کوئی ترکیب سوچ رہے تھے۔ ہم سے  
تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ فراز کے لجھے میں چرت تھی۔

کوئی ترکیب سوچنے کے لیے تم سے ذکر کرنا لازمی شرط  
تو ہے نہیں۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”ہوں بات ٹھیک ہے۔ خیر دڑا ہم بھی تو نہیں۔ تم  
نے کیا ترکیب سوچی ہے۔ اور کس سلسلے میں؟“ محمود بنجیدہ  
لجھے میں گویا ہوا۔



ترکیبوں کا دن  
تین مرے

بہت بڑی شکت

بہتر یہی ہے

اب کیا کریں

پستول کا کمال

ذور دار جھٹکا



”بھی - بھی - یہ آپ کیا کہ رہی ہیں اُمیٰ جان۔ میں نے کیا جھوٹ بولا ہے۔ فاروق یحیت زدہ رہ گیا۔

”میں نے بتایا نہیں تھا کہ آج ہمارے ہاں کچھ مہان آنے والے ہیں۔“

”اوہ ہاں۔ آپ نے یہ ضرور کہا تھا، لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ انگلز آنے والے ہیں۔“

”یہ بات میں نے اب بتا دی ہے۔ اس کے باوجود تم نے یہ کہا تھا کہ آپ نے تو ہمیں بتایا ہی نہیں۔ حالانکہ میرے منہ سے سُن کر ہی تم نے یہ جملہ بولا ہے۔“

”اوہ ہو۔ آپ تو دیکھوں کی طرح جو ج کرنے لگی ہیں۔ کمال ہے۔“

”ہاں! میں آج کل کچھ وقت لا بُریریٰ میں گزارنے لگی ہوں۔ اور وہاں سے عام طور پر قانون کی کتابیں نکال کر پڑھتی رہتی ہوں۔“

”اوہ۔ یہ بات ہمیں ابھی معلوم ہوتی ہے۔“ مجھے بڑھ رہا۔

”اس لیے کہ تم اس وقت سکول میں ہوتے ہو۔“

”خیر۔ یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔“

”اوے ہاں۔ وہ بات تو رہ ہی گئی۔ تم کیا شروع کر رہے تھے؟“

”ہم جب بھی کسی تفریضی پروگرام کا پروگرام بناتے ہیں۔۔۔“

”پروگرام کا پروگرام؟ محمود کے منہ سے نکلا۔“

”در میان میں نہ ٹوکا کرو۔ میں نے تمیں اس بات پر لکھنی بارٹوکا ہے۔“ فاروق بلند گیا۔

”پتا نہیں۔ میں گنتا نہیں رہا ہوں۔ کہتے ہو تو آج سے شروع کر دیتا ہوں۔“ محمود مسکرا یا۔

”یہ کیا شروع ہو رہا ہے جسی۔۔۔ بیگم، جمیشہ باورچی غافلے سے نکلتے ہوئے بولیں۔ ان کے ہاتھ میں کھیر کھونٹنے والا چچھہ تھا۔“

”اوہ ہو۔ تو آپ آج کھیر پکا رہی ہیں۔۔۔ فرزاد چونکہ اُٹھی۔“

”ہاں۔ آج ہمارے ہاں تھا رے انگل خان رحمان اور پروفیسر صاحب کی دعوت ہے۔“

”اوے۔ کیا۔۔۔ وہ چلا اُٹھے۔“

”کمال ہے اُمیٰ جان۔ آپ نے تو ہمیں بتایا، ہی نہیں۔“ فاروق چمک اُٹھا۔

”جسی جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹ بولنا بُری بات ہے۔“

”قرآن حکیم میں جھوٹوں پر لعنت آتی ہے۔“ انھوں نے فکر مندا لمحے میں کہا۔

"بھی گنا - فاروق کا کہنا ہے کہ میں اسے درمیان میں ٹوک دیتا ہوں - اور یہ حرکت میں نہ جانے کتنی بار کر چکلا ہوں - اس کتنی بار کے جواب میں میں کر دھا تھا کہ میں نہیں جانتا کتنی بار ٹوک چکلا ہوں - کہتے ہو تو گنا شروع کر دوں" ۔ محمود نے وضاحت کی۔

"اوہ - تو تم ٹوکتے ہی کیوں ہو - یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے"۔

"اب اگر فاروق کوئی بات ہی ایسی کہ دے تو کیا کیا جائے - جیسا کہ اس وقت اس نے کہا تھا کہ ہم جب بھی کسی تفریحی پروگرام کا پروگرام"۔

"پروگرام کا پروگرام" ۔ بیگم جمیش کے منہ سے نکلا۔

"لیجیے - اب آپ نے بھی تو ٹوک دیا"۔

"تو - تم نے فاروق کو اس بات پر ٹوکا تھا" ۔ بیگم جمیش کے منہ سے مارے جرت کے نکلا۔

"بھی ہاں - باہل اس بات پر"۔

"تب تو کچھ غلط نہیں ٹوکا تھا" ۔ وہ مکرائیں۔

"لیجیے - آپ بھی اس کی طرف ہو گئیں"۔

"نہیں" ۔ میں تو تم تینوں کی ہی طرف ہوں" ۔ انہوں نے کہا۔

"تنت - تو - تو کیا" ۔ فرزاد بوکھلا لٹھی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" بیگم جمیش نے اسے گھورا۔

"تنت - تو کیا - آپ آیا جان کی طرف نہیں ہیں"۔

"ان کی طرف بھی ہوں" ۔ وہ ہنس پڑیں۔

"اچھا فاروق - تم کیا کہ رہے تھے"۔

"یہ کہ - ہم جب بھی تفریح کا کوئی پروگرام بناتے ہیں - پروگرام میں کوئی نہ کوئی رخنڈ پڑ جاتا ہے ، یعنی اس بار میں نے ایک ایسی ترکیب سوچی ہے - کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔

"لو - ضرب المثل بھی گھیٹ لائے - جملے میں - حالانکہ اس کی قطعاً ضرورت نہیں تھی یہاں" ۔ فرزاد نے منہ بنایا۔

"بھی - پہلے اسے وضاحت تو کرنے دو" ۔ بیگم جمیش مکرائیں۔

"ٹنکریہ - اتمی جان - ہاں - تو - ترکیب سنو"۔

"ایک منٹ - اگر یہ زبردستی کی بات یہاں نہ کہا جائے"۔

ہے" ۔ محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"زبردستی کی بات - کیا مطلب" ۔ فاروق والا پچھہ ہے - بھی

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق دستِ خوان پر موجود

کسی تفریحی پروگرام کا پروگرام نہیں ہے" ۔ بڑھانے کو بھی ، ہی

"بھی پروگرام بناتے کیا دیر لگتی ہے۔ اور پھر اتفاق سے"



دروازہ کھلتے ہی السلام علیکم کی آواز گونجی۔ ابھی وہ فان رحمان سے ہاتھ ملا ہی رہے تھے کہ پیچے سے آواز سنائی دی:

"بھی اس السلام علیکم میں مجھے بھی شامل کر لینا۔ وہ یک دم پڑھنے اور ایک بار پھر وہ علیکم اسلام کا نعرو گونجا، پھر بہ روگ صحن میں چلنے آئے۔

"سلام علیکم جاہی۔ فان رحمان اور پروفیسر داؤد ایک ساتھ بولے۔

"علیکم السلام۔ تشریف رکھیے۔" اخون نے کہا۔

"یہ ہماری دعوت کس خوشی میں کی گئی ہے؟"

"بھی بس۔ بہت دنوں سے آپ بوگ آئے نہیں تھے۔ میں نے سوچا۔ دعوت کے بھانے، ہی آپ کو بلایا جائے۔"

"خوب۔ ترکیب اچھی ہے، لیکن جاہی۔ کھلا کیا رہی ہیں، اور یہ آپ کے ہاتھ میں تو کھیر پکانے والا چچھے ہے۔" بھی

"وادھ مزا آگیا۔ آپ کے ہاتھ کی کھیر دسترنخوان پر موجود ہو تو تو پھر کسی اور چیز کی طرف تو ہاتھ بڑھانے کو بھی ہی نے کہا۔

"پلو مان یا۔ پروگرام بناتے کیا دیر لگتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ترکیب سوچنے والے تم کون ہوتے ہو، ہمارے گھر میں تو ترکیب سوچنا فرزاد کی ذمہ داری ہے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ۔ کوئی ترکیب کسی اور کے ذمہ کا رُخ کرہی نہیں سکتی۔" فاروق نے جل بھس کر کہا۔

"یہ بات تو فاروق نے مٹیک کی۔ ارے ہاں۔" فاروق تم اور پھر اتفاق سے سے آگے کیا کہنے جا رہے تھے۔

"یہ کہ اتفاق سے آج تو ہمارے ہاں انگلز بھی آ کے رہیں۔ خوب نظر رہے گا۔ اس دوران ہی تفریغ کا "چی ٹرکیب دے لیا جائے گا۔ یہ ترکیب میں نے "سب تو پکھ کر۔"

"لیجیے۔ آپ فتح دروازے کی گھنٹی بھی۔ انداز خان نہیں۔ میں تیزی سے دروازے کی طرف چلنے۔" بیگم راتی دہ گیکیں۔

نہیں چاہتا۔ خان رحمان جلدی جلدی بولے۔

” تو میں کھیر دستر خوان پر شروع سے رکھوں گی، ہی نہیں۔“ بیگم جمیشہ مسکرائیں۔

” لامیں۔ اچھا! خان رحمان کے منزے سے نکلا۔

” لیکن بجا بی۔ یہ تو ہمارے ساتھ نا انصافی ہو گی۔“ پرو فیر داؤد بولے۔

” اور آپ جو دوسرا چیزوں سے نا انصافی کریں گے اس طرح۔“ انہوں نے کہا۔

” یہ کس سے نا انصافی ہو رہی ہے؟“ دروازے کی طرف سے انپکٹر جمیشہ کی اواز سنائی دی۔ ڈُہ دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔

” السلام علیکم۔“ ایک بار پھر سب نے کہا۔

” علیکم السلام۔ میرے گھر میں اور کسی سے نا انصافی ہو رکھ سکتا ہے؟“ انہوں نے صحن کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

” لیکن آبا جان۔ یہ نا انصافی ذرا دوسرا قسم کی ہے۔“ محمود مسکرا یا۔

” غلط۔ باکل غلط۔ نا انصافی دوسرا قسم کی ہو رہی نہیں ملتی۔ خبر وضاحت کرو۔“

” جمیشہ۔ میں وضاحت کرتا ہوں۔“ خان رحمان بولے۔

” پلو تم کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ انہوں نے کہا۔

” آج یہاں ہماری دعوت ہے۔ دعوت بجا بی نے دی

ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کھیر بھی تیار کی ہے۔ ان

کے ہاتھ کی کھیر کے ہوتے ہوتے ہم کسی اور چیز کو ہاتھ لگانا

پسند نہیں کرتے۔ لیکن یہ چاہتی ہیں کہ ہم دوسرا چیزوں کو

بھی ہاتھ لگائیں۔ اور اس کی ترکیب انہوں نے یہ سوچی ہے

کہ کھیر کو دستر خوان پر رکھا، ہی بعد میں جائے۔“

” اوه۔ تو یہ بات ہے۔ یہ تو واقعی نا انصافی ہے۔“

” بھی۔ ڈُہ کیسے؟“ بیگم جمیشہ نے منزہ بنایا۔

” ڈُہ ایسے کہ دستر خوان پر سب چیزیں رکھ دی جائیں۔

اگر دوسرا چیزوں میں کوئی بات ہوگی تو ڈُہ خود بخود اپنی

طرف متوجہ کر لیں گی۔“

” ہوں۔ یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن چکنا تو شرط ہے نا۔“

بیگم جمیشہ بولیں۔

” ہاں بالکل۔ چکھی ہر چیز جائے گی۔ بلکہ درست طریقة

یہ ہے کہ پھٹے ہر چیز کو چکھ لیا جائے۔“

” پھٹے ٹھیک ہے۔ انصاف ہو بھی اسی طرح ملتا ہے۔“

بیگم جمیشہ خوش ہو گئیں۔

" یکن میں بہت مصروف ہوں۔ اور کسی پروگرام میں شامل نہیں ہو سکوں گا؛ انپکٹر جمیڈ نے اُل لمحے میں کہا۔ " غدر نہ کرد۔ ہم تمہیں شامل کر لیں گے۔" پروفیر داؤڈ بولے۔

" جی۔ آپ شامل کر لیں گے۔" " ہاں۔ آئی جی صاحب کو فون کر دوں گا اور چھر دیکھو گا کہ تم کس طرح ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔" " نہ۔ نہیں۔ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

اور وہ ہنس پڑے۔ " خیر۔ پہلے فاروق کی ترکیب سن لو۔" پروفیر داؤڈ بولے۔ " کیوں۔ فزاد کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" فاروق نے مجھے اور محمود کو اس سوچ سے بالکل الگ رکھا ہے۔ اس نے منہ بنایا۔

" اوہ۔ خیر۔ ہاں فاروق۔ ترکیب بتاؤ۔" ترکیب یہ ہے کہ ہم اس مرتبہ سب لوگ بہترین قسم کے یہک آپ میں جائیں گے اور کوئی کیس۔ یا کوئی چکر ہماری طرف لاکہ۔ بڑھنے کی کوشش کرے۔ ہماری توجہ اپنی طرف کیسخانے کی چاہے جتنی کوشش کرے۔ ہم ٹس سے میں

" یکن ابھی کھانے میں بہت دیر ہے۔ کیوں نہ اس دوران میری ہی ترکیب سن لی جاتے۔" فاروق نے دلبی اواز میں کہا۔

" آج کہیں ترکیب کا دن تو نہیں ہے۔" " دن توغیر آج پروگرام کے پروگرام کا بھی ہے۔" بیگم جمیڈ مسکرائیں۔

" یہ کیا بات ہوئی۔" " فاروق، ہی وضاحت کرے گا۔ خان رحمان بولے۔

" جی ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔ میں نے سوچا ہے۔" کسی تفریحی مقام کی طرف چلا جائے۔ اور کسی چکر کو نزدیک نہ آنے دیا جائے۔ اس نے فوراً کہا۔

" کسی چکر کو نزدیک نہ آنے دیا جائے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" انپکٹر جمیڈ بولے۔

" جی ہاں۔ ہم جب بھی کسی پروگرام کے سلسلے میں بکھت ہیں۔ کسی نہ کسی چکر میں اُبجد جاتے ہیں، یکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

" بہت خوب۔ جلدی ترکیب بتاؤ۔" خان رحمان نے پڑھنے انداز میں کہا۔

" ہاں بالکل۔ میں بھی ان دونوں فرصت میں ہوں۔"

نہیں ہوں گے۔ ہمارے کافوں پر بھوک نہیں رینگے گی، ہم اس طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے۔ آبیل مجھے بار والے محاورے کو قطعاً ذہن سے نکال دیں گے۔ فاروق کہتا چلا گیا۔

"کوئی ضرب المثل یا محاورہ رہ تو نہیں گیا۔ فرزاد نے جلد کئے انداز میں کہا۔

"پتا نہیں کتنا رہ گئے ہوں گے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ترکب بہت مناسب ہے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ کیس ہماری طرف نہیں۔ ہم کیس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔" محمود بولا۔

"تو ہم نہیں ہوں گے تا۔"

"آخر کسی تفریحی پروگرام کی صورت ہی کیا ہے۔" انپکٹر جمیش نے بھٹا کر کہا۔

"جمیش۔ تم اس بات کو رہنے دو۔ موسم بہت دل کش ہے۔ پروگرام بننے دو۔" پروفیسر داؤن نے منہ بنایا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ سب نے مل کر میرے خلاف محاڑ قائم کر دیا ہے۔"

"کم از کم اس محاڑ میں میں شامل نہیں ہوں۔" بیگم جمیش جلدی سے بولیں۔

"اگر تم اس کو محاڑ نیاں کر رہے ہو تو محاڑ ہی سی۔"  
خان رحمان نے کہا۔

"محفوظ، فاروق، فرزاد۔ میں تم سے سمجھ لوں گا۔" انپکٹر جمیش نے انھیں مکا دکھایا۔

"جی۔ جی۔ میرا اور فرزاد کا کیا قصور۔ پروگرام کا خیال تو فاروق نے دلایا ہے۔" محمود گھبرا گیا۔

"مم۔ میں۔ میری توبہ۔ جو آئندہ بھی ایسا کوئی پروگرام بنایا۔ واقعی میں نے ایک بالکل غضول بات سوچی تھی۔ اور ہمیں کہیں نہیں بانا چاہیے۔" فاروق سہم گیا۔

"ہمیں یہ کیا۔ تم تو بالکل خوف زدہ ہو گئے۔ بھی ہمارے ہوتے ہوئے۔ یہ تمیں کچھ نہیں کر سکتے۔" خان رحمان نے کہا۔

"تل۔ لیکن۔ ہم ان کی مرضی کے بغیر کہیں جانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔" وہ بولا۔

"یہ۔ کیا بات ہوئی۔" پروفیسر داؤن نے گھبرا کر انپکٹر جمیش کی طرف دیکھا۔

"یہ بہت اپنے بچے ہیں۔ پیلے۔ ان کی اس بات پر پروگرام منظور۔" انپکٹر جمیش نے گویا اعلان کیا۔

"اپا جان۔" فاروق نے نعروں لگانے کے انداز میں کہا۔

” زندہ باد ” وہ ایک ساعت چلائے۔  
 ” لیکن سوال یہ ہے کہ جائیں کہاں ؟ انپکٹر جمیش بولے۔  
 وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ اپنک دروازے کی گھنٹی  
 بھی وہ پہونک اٹھے۔ انداز جانا پوچھانا تھا۔ محمود نے ہلدی  
 سے جا کر دروازہ کھول دیا۔ وہاں بیگم شیرازی کھڑی تھیں،  
 ” آپ کے ہاں کوئی جلسہ ہو رہا ہے یا آپ دوگ کسی  
 جسے کی کسٹ نہ رہے ہیں ؟ انہوں نے گہرا کر پوچھا۔  
 اور وہ کہی کہی کرنے لگے۔ ایسے میں بیگم جمیش بولیں :

” آپ بھی شریک ہو جائیں ۔  
 بیگم شیرازی اندر آگئیں۔ محوں ہی انہیں ساری  
 بات کا پتا چلا۔ وہ بول اٹھیں :  
 ” ایک تفریحی مقام سے میں بھی واقف ہوں۔ اور  
 شاید آپ دوگ آج تک وہاں نہیں گئے ہوں گے : ”  
 ” بہت خوب۔ اس مقام کا نام ؟ انپکٹر جمیش بولے۔  
 ” اس مقام کا نام ہے۔ ”

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت فون  
 کی گھنٹی بھی شئی۔ انپکٹر جمیش کے قدم فون کی طرف آٹھ  
 گئے۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے رسیور آٹھا کر کہا:  
 ” انپکٹر جمیش بول رہا ہوں ”

” جمیش یہ میں ہوں۔ افتخار احمد ” دوسری طرف سے  
 ڈی آئی جی صاحب کی آواز سنائی دی۔  
 ” السلام علیکم سر۔ فرمائیے۔ نیز تو ہے ؟ ”  
 ” وہ۔ وہ۔ جمیش وہ ”  
 ان کی آواز بھٹ کر رہ گئی۔ انپکٹر جمیش کی آنکھوں  
 میں خوف دوڑ گیا۔ پھر وہ بے تحاشا دروازے کی طرف  
 دوڑ پڑھے۔

## تین کمرے

ایسے میں بخلافہ کبڑکے رہ سکتے تھے۔ انہوں نے بھی دوڑ لگا دی۔ لیکن جب تک وہ باہر نکلے۔ اسپکٹر جمیش بیچ پ شارٹ کر چکے تھے اور دوسرا، ہی لمحے یہ جا دوہ جا۔

افرالفری کے عالم میں وہ خان رحمان کی کار میں لد گئے۔ خان رحمان نے ڈرائیورگ سیٹ سنپھال لی، لیکن سڑک پر پہنچے تو بیچ پ غائب تھی۔ نہ جانے اسپکٹر جمیش کس رفاقت سے رواز ہوتے تھے۔

اب کیا کریں؟

انہوں نے سر کا لفظ استعمال کیا تھا۔ نہ جانے فون آئی بھی صاحب کا تھا یا ڈی آئی بھی صاحب کا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وزیر یا پھر صدر مملکت کا ہو۔ ان حالات میں بخلافہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ سوائے جبر کے۔ ایک ترکیب

ٹھہر ہے۔ فزان نے جلدی جلدی کہا۔

”جلدی بتاؤ۔“ خان رحمان بولے۔

”ہم ان سب جگہوں پر فون کر دیکھتے ہیں۔ جہاں گڈا بڑھے۔ وہاں سے خیریت کی اطلاع نہیں ملے گی۔“  
”ٹھیک ہے۔“

محمود نے کار میں گئے فون کے ذریعے سب سے پہلے صدر مملکت کو فون کیا۔ صدر صاحب کے بارے میں بتایا گیا۔ اپنے مخصوص کرے میں ہیں اور اس وقت کوئی بات نہیں کر سکتا۔ اب محمود نے آئی بھی صاحب کے قبیر ملا تے۔  
”ماں محمود۔ کیا بات ہے؟“

”آپ خیریت سے تو ہیں سر؟“

”ماں بالکل۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟“

اہم ایسی آبا جان کو ایک فون موصول ہوا تھا۔ فون سُختہ ہی وہ خوف زدہ انداز میں دوڑ پڑے۔ ہم ان کی تیزی کا ساتھ نہ دے سکے۔ اور اب اس جگہ پہنچنا چاہتے ہیں۔“

”میں سمجھ گی۔ ادھر ادھر فون کر کے دیکھو۔“ انہوں نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

اب محمود نے ڈی آئی بھی صاحب کو فون کیا، لیکن

سلد نہ مل سکا۔ اس نے ایک بار پھر ڈی آئی جی صاحب کے نمبر ملائے، لیکن سلد پھر بھی نہ مل سکا:

”گڑ بڑا دھر، ہی نہ ہے۔ اور شاید رسیور کریڈل پر رکھا ہوا نہیں ہے؛“

”ادہ باللہ کے مذہ سے ایک ساقط نکلا۔“

”ابھی تھوڑی دیر پہنچے، ہم کیا کر رہے تھے۔ کہ کسی چکر کی طرف آنکھ آٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے، لیکن معصوم ہو گیا۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اللہ کے آگے بھروسہ اور لاچار ہیں۔ بے بس ہیں۔ لاکھ پروگرام بنائیں۔ اگر کوئی کیس سامنے آگیا تو اس میں کوشش نہ ہونے کے باوجود ہم اُبھر جائیں گے۔ اس وقت کی مثال اس بات کا ثبوت ہے۔ پروفیسر داؤڈ کہتے چلتے گئے۔“

”ہاں پروفیسر صاحب۔ آپ شعیک کہتے ہیں۔ انسان بالکل بے بس ہے۔ اس کے اختیار میں کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم اب کیا کریں؟“

”ڈی آئی جی صاحب کی کوئی نظر کی طرف جانے کے سوا ہم کرہی کیا سکتے ہیں۔ آباؤ جان سے وہاں ملاقات ہو جائے گی۔ فرزاد نے کہا۔ اور انہوں نے سر ہلا دیے۔ آخر وہ ڈی آئی جی صاحب کی کوئی نظر کے سامنے

”پہنچ گئے۔ لیکن یہ دیکھ کر ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے کہ کوئی کوئی کے باہر یا اندر ان کی جیپ کیسی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اب ڈی آئی جی صاحب کی جیپ ضرور کھڑی تھی۔ اس کے سامنے ہی ڈرائیور فرش پر بیٹے ہوش پڑا تھا۔“

وہ بوكھلا کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اسے ہلا جلا کر دیکھا، لیکن وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ اگرچہ اس کے جسم پر کوئی زخم نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ ہی خون کسی جگہ سے نکلا نظر آیا۔

اب وہ کوئی کے اندر کی طرف دوڑ پڑے۔ پہنچے ہی براہمے میں انیں ڈی آئی جی صاحب کی بیگم صاحبہ بے ہوش پڑی نظر آئیں۔ اب تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اب ایک کمرے کا دروازہ کھلانظر آیا۔ اس کمرے میں فرش پر تین بچتے بے ہوش پڑے تھے۔

جوتے کمرے میں شدید گڑ بڑ کے آثار تھے۔ ہر چیز الٹ پٹٹ پڑی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کمرے میں کوئی زبردست زلزلہ آیا ہو۔ اور اس زلزلے نے ہر چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ چھینکا ہو۔ فون کار رسیور بھی کریڈل پر نہیں تھا۔ کریں اور میز آئی ہوتی تھیں۔

ٹیبل یہ پ کا بلب ٹوٹ چکا تھا اور یہ پ بھی اونڈھا پڑا  
تھا۔

وہ گھرا گئے۔ جلدی جلدی باقی کوٹھی کو بھی دیکھ  
ڈالا۔ انہیں ملازم کہیں نظر نہ آیا تو وہ سروٹ کوارٹر کی  
طرف دوڑ پڑے۔ اپنے کوارٹر میں ملازم بھی بے ہوش  
پڑا تھا۔

محمود نے فوراً ڈاکٹر انصاری کو فون کیا۔ اور پھر واردات  
کے کمرے کو بغور دیکھنے لگے۔

” یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ڈی آئی جی صاحب کو  
دن دھارے اخوا کیا گیا ہے۔“

” اس کے علاوہ ہم کیا خیال قائم کر سکتے ہیں۔ اب آجان  
ضرور ہیں اسی وقت یہاں پہنچے ہوں گے، جب وہ لوگ  
ڈی آئی جی صاحب کو کسی کار یا جیپ میں سوار کر کے  
یہاں سے نکل رہے ہوں گے۔ بس انہوں نے آؤ دیکھا  
ہو گا نہ تاوا۔ ان کے تعاقب میں نکل گئے ہوں گے۔  
گویا کوٹھی کے اندر تک آنے کا انہیں موقع نہیں ملا۔  
اس یہے۔“ محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

” اس یہے کیا ہے؟“

” اس یہے ہمیں اس کمرے کا بغور جائزہ لینا چاہیے، نشانات اٹھائیں۔ تاکہ ہم اس کو کھول کر دیکھ سکیں، یہ

ہو سکتا ہے۔ ہم کوئی سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔“

وہ پیزروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اچانک فرزانہ کی  
نظریں ایک پھوٹے ہوئے بٹوے پر پڑیں۔

” ڈی آئی جی صاحب کا بٹوہ۔“ اس کے منہ سے نکلا اور  
پھر وہ بٹوے کی طرف جھکی، ہی تھی کہ محمود چلا اٹھا۔

” خبردار۔ بٹوے کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے  
کہ یہ اخوا کرنے والوں میں سے کسی کا ہو۔ فاروق، انہل  
اکرام کو فون کرو۔ جلدی۔“

فاروق فون کی طرف پہنچا اور اکرام کو واردات کی  
اطلاع دی۔ ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف نمڑا۔

” کاش یہ بٹوہ۔ اخوا کنڈگان میں سے کسی کا ہو؟“  
” نہ ہو گا تب بھی کوئی بات نہیں۔ اب آجان ان کے  
تعاقب میں ہیں اور آسانی سے انہیں چھوڑ دیں گے۔“

” یہکہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کچھ نہ کریں۔ ہم  
بذریعہ تفتیش ان تک پہنچیں گے۔ ان شار اللہ۔“

آخر اکرام اپنے ماتحتوں سمیت پہنچ گیا۔

سب سے پہلے تو انہل اس بٹوے پر سے انگلیوں کے  
نشانات اٹھائیں۔ تاکہ ہم اس کو کھول کر دیکھ سکیں، یہ

"یکوں۔ کیا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔" محمود بولا۔

"ہاں! میری رائے یہی ہے۔ آخر اسک وقت سلطان جنگ کی طرف نکل کھڑے ہونے میں کیا حرج ہے۔ یکوں انکل؟" "میں بھی یہی کہتا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اسی وقت پھلے پہلتے ہیں۔" وہ کار میں بیٹھ گئے۔ اور خان رحمان نے کار پوری رفتار پر چھوڑ دی۔ پانچ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد آفر وہ ہوٹل یہاب تک پہنچ گئے۔ اس وقت رات کے گیارہ نجح رہے تھے، لیکن ہوٹل کی روشنی دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا میسے ابھی رات کے صرف نو بجے ہوں۔ انہوں نے کار پارک میں کھڑی کی اور کاؤنٹر پر پہنچے:

"ابھی تھوڑی دیر پہنچے ایک صاحب نے جمshed احمد کے نام سے تو پکھڑ کرے کرائے پر نہیں یہے۔"

"اوہ۔ جی ہاں۔ ابھی ابھی تو وہ آتے ہیں۔ اور گئے ہیں اپنے گروں میں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ان کے گروں کے نمبر بتا دیں۔"

"وہ تیز تیز قدم آٹھاتے اور پہنچے۔ اور کہہ نمبر ۱۲۹ کے سوازے پڑا ک گئے۔ اسی وقت اندر سے ایک کھردی آواز کے عالم میں کہا۔"

یہ شخص کا ہے؟

"ہوں ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور ماتحتوں کو اشارہ کیا۔ نشانات یہے جانے کے بعد وہ بٹوے کی طرف چھپت پڑے۔ بے قراری کے عالم میں اس کو کھولا گیا۔ بٹوہ نقدی سے بھرا ہوا تھا۔ نقدی کے ملاوہ اس میں ایک کنگھا، ایک نیل کنڑ، ایک بال پوائنٹ قلم۔ اور ایک ملاقاتی کارڈ بھی نظر آئے۔ ان کی نظر میں ملاقاتی کارڈ پر جم گیئیں۔ اس پر لکھا تھا۔ پرویز گانجی۔ ہوٹل یہاب۔ سلطان جنگ۔

سلطان جنگ۔ گویا، ہمیں ایک لمبا سفر کرنا ہو گا۔ خان رحمان بڑا تھا۔

"لیکن انکل؟ یہ ضروری نہیں کہ پرویز گانجی اور اس کے ساتھی ڈی آئی جی صاحب کو اخوا کر کے سلطان جنگ، ہی لے گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ وہ دارالحکومت میں، ہی موجود ہوں۔ مطلب یہ کہ، ہمیں آتا جان کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر وہ ایک دو گھنٹے تک واپس نہ آئے تو پھر ہمارے یہے سلطان جنگ کا رُخ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہو گا۔" "گویا دو گھنٹے انتظار کرنا ہو گا۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

ستائی دی :

"ہاتھ اور آٹھا دو دوست"

"ضرور۔ یکوں نہیں" انپکٹر جمیش کی پر سکون آواز منائی دی۔

وہ دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اور چہرکی کے دھرام سے گرنے کی آواز منائی دی۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ محمود نے دروازے پر دنک دینے کے ارادے سے ہاتھ آٹھایا، ہی تھا کہ فرزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں کے اشارے سے کہا:

"تجددار۔ کیا کر رہے ہو۔ تیل دیکھو۔ تیل کی دھار دیکھو۔"

محمود ڈک گیا۔ آخر تھوڑی دیر بعد انھوں نے اپنے والد کی آواز سنی:

"چلو۔ چھٹی ہوئی۔"

"ابا جان۔ کس کی چھٹی ہو گئی" باہر سے محمود پکار آٹھا۔

"ہمیں۔ تو تم وگ بھی آپنچے۔ جیرت ہے"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ کھل گی۔

وہ جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ انپکٹر جمیش نے فردا دروازہ بند کر دیا۔

اندر کمرے کے فرش پر بچھے قالین پر ایک آدمی

بے سعد پڑا تھا۔

"کیا یہ بے ہوش ہو گیا ہے؟"

"بے ہوش نہیں۔ مر چکا ہے۔"

"اے! ان کے مزے ایک ساتھ نکلا۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھے۔ جلک کر اسے دیکھا۔ اس میں واقعی زندگی کے آثار نہیں تھے۔"

"کیا آپ اسی کا تعاقب کرتے ہوتے یہاں تک پہنچتے تھے؟" "نہیں۔ تو۔" وہ بولے۔

"تب پھر یہ کون ہے؟"

"فون ڈی آئی جی صاحب کا تھا۔ جوں بھی میں ان کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچا۔ ایک کار بلڈ کی رفتار سے ان کی کوٹھی سے بلکتی نظر آئی۔ بس میں نے تعاقب شروع کر دیا۔ کار چلانے والا بلاشبہ بہت ہی ماہر آدمی تھا۔ میں نے پوری مہارت سے اس کا تعاقب کیا، لیکن پھر بھی میں۔۔۔ وہ کہتے کہتے ڈک گئے۔"

"جلدی سے کہ دیجیے۔ ہمارا مارے بے چینی کے بڑا مال ہے۔" محمود نے کہا۔

"پھر بھی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کار میری نظر میں اوجعل ہو گئی۔ لیکن میں ایک بات یقین سے گز

مکن ہوں۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ وہ لوگ آئے سلطان جنگ میں ہی ہیں، کیونکہ جس جنگ اگلی کار میری نظروں سے او جعل ہوتی۔ اس جنگ سے لے کر سلطان جنگ سک کہیں کوئی سڑک پا پک ڈنڈی سک کسی سہمت میں نہیں مُڑی۔ اس لیے میں یقین سے کہ ملکت ہوں کہ وہ یہیں آئے ہیں۔ خیر۔

میں یہاں پہنچ گیا۔ اب بھرے شہر میں اس کار کا تراوغ کس طرح لگا سکتا تھا۔ اس کے لیے کوشش کی جا سکتی تھی۔ اس لیے میں نے سوچا۔ پہنچ کسی ہوٹل میں کمرہ کرائے پڑلے ریالا جاتے۔ میں نے ایک شہری سے اپھے سے ہوٹل کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا کہ شہر کا سب سے مشہور ہوٹل ہوٹل یہاں ہے۔ میں یہاں ادھر آگیا۔ جیپ کار پارک میں کھڑی کی اور تین کمرے کرائے پردے کر اوپر آگیا۔ ابھی مجھے اس کمرے میں آئے پہنڈ منٹ ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوتی۔

میں چونک آٹھا۔ خیر۔ دروازہ کھوبل دیا تو یہ فوراً اندر آگی۔ اور پستول نکال لیا۔ اس نے مجھے سہمت دیے بغیر فائز کرنا چاہا۔ میں اس کا ارادہ تباہ گیا۔

لہذا اس سے پہنچے کر یہ فائز کرتا۔ میں چھٹ پڑا۔ اور پستول والا ہاتھ پکڑتے ہوتے دوسرا ہاتھ اس کی گردن کی ہڈی پر دیا۔ ہاتھ پوری قوت سے لگا اور ہجر گیا۔ لیکن افسوس۔ یہ جان سے مارا گیا۔ میرا سے جان سے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسی وقت تم نے دستک دے ڈالی۔ میں یہاں ہوں۔ تم یہاں تک کے پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ کر دہ خاموش ہو گئے۔

"اور اس سے زیادہ یہر تھیں ہے۔ آخر آپ نے تین کمرے کیوں کرائے پر لیے؟"

"ادھر ہاں۔ یہ بات بھی ہے۔ جب میں کار پر ہبھا۔ اور ایک کمرہ کرائے پر لیئے کہ ارادہ کیا تو نہ جانے کہاں ہے یہ احساس ہوا کہ آپ لوگ بھی کسی نہ کسی طریقے یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس لیے میں نے تین کمرے لے لیے۔ اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا، لیکن یہر تھے بہت ہے کہ یہ کیسے ہوا۔"

"یہ بھی کارڈ۔ انہوں کرنے والوں میں سے ایک کا ہے۔"

مودو نے مسکرا کر کارڈ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"ادھر۔ تو یہ بات ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ

اغوا کرنے والوں کا تعلق ہو ٹھیلی سیکاب سے ہی ہے اور ہم بھی اتفاق سے یہیں جمع ہو گئے ہیں۔ بہت خوب ۔

”لیکن اب ۔ ہم اس لاش کا کیا کریں؟“  
”فی الحال ہم لاش کو ذہن سے نکال دیتے ہیں۔

ہاں اس کی تلاشی ضرور لے لینی چاہیے۔ شاید کوئی کام کی چیز مل جائے۔ انپکٹر جمیش بولے اور اس کی بیسوں کی تلاشی لینے لگے۔ اس کی جیب سے ایک شناختی کارڈ اور پکھ کرنی تو نکلے۔ شناختی کارڈ پر شوفا جانی لکھا تھا۔ اس کا پتا دیغیرہ بھی درج تھا:

”کیوں نہ پہنچے، ہم اس پتے پر چل کر دیکھ لیں۔“  
”ہاں ایسے ٹھیک رہے گا۔“  
”تو پھر آؤ۔ پہنچے یہی کام کر لیں۔ لاش کے بارے میں پولیس کو پھر اطلاع دیں گے۔ انپکٹر جمیش بولے۔  
”وہ کمرے سے نکل کر نیچے کی طرف چلے۔

”آپ نے اس کار کے نمبر تو نوٹ کر، ہی لیے ہوں گے۔“ فرزاد نے بفت کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔  
”ہاں۔ لیکن میرا خیال ہے۔ کہ وہ نمبر جمل تھے۔“  
ویسے وہ ترخ دنگ کی ٹیوٹا کرولا کار تھی۔  
”ہوں۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”لیکن جمیش۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان لوگوں کو فان صاحب کو اخوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی دن دھڑکے۔ اس قدر دیدہ دلیری سے۔ پھر یہ کہ انہوں نے گھر کے سب افراد، ملازم اور ڈولیور کو اس قدر آسانی سے بے ہوش کیے کر دیا۔“

”اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اخوا کرنے والے بہت ماہر ہیں، دوسرے یہ کہ انہوں نے پہنچ سے منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ حالات کا جائزہ لے رکھا تھا۔ کسی متری و مرتبی کی صورت میں کوئی کا اندر سے جائزہ بھی لے رکھا ہو گا۔“  
وہ بفت سے اُتر کر مال کی طرف بڑھے اور پھر صد دو دوازے کا رُخ کیا، ہی تھا کہ انپکٹر جمیش کے آٹھتھے قدم اُٹک گئے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔ انہوں نے مال کو اداز میں کہا:

”ضھردہ بھئی۔ ہمیں واپس اپنے کمرے میں جانا ہے۔“  
”غیر تو ہے۔ اب کیا بات ہو گئی؟“ فرزاد نے بے ہیسی کے عالم میں مال میں بیٹھے لوگوں پر ایک نظر ڈالی۔  
”بس، ادھر ادھر نہ دیکھو اور چلنے آؤ۔“

یہ کہ کہ انپکٹر جمیش پھر بفت کی طرف مڑ گئے۔  
کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے چیختنی لکا دی۔ لاش بجوں کی

توں پڑی تھی ۔

”اب بتائیے ۔ ہال میں آپ کو کیا نظر آیا ہے ؟“  
”ایک عجیب بات ۔ بہت ہی عجیب ۔ ہمیں بھی کچھ دیر  
کے لیے ہوش کے ہال میں ٹھہرنا ہو گا ۔ پھر ہم اس  
پتے پر چلیں گے ۔“

”پتا نہیں کیا ہو رہا ہے ۔ فاروق بڑھا یا۔“

”یعنی آپ یہاں کیوں آئے ہیں ؟“

”ہمیں اپنے چہروں پر ریڈی میڈ قسم کا میک آپ  
کرنا ہے ۔“

”اوہ میک آپ ۔ فاروق مسکرا یا۔“

”ہاں ! یعنی کیس سے ڈور رہنے کے لیے نہیں ۔ قریب  
ہونے کے لیے ۔ انپکٹر جمیش مسکارے اور فاروق منہ بنانکر  
رو گیا ۔“

انپکٹر جمیش نے نہایت تیزی سے میک آپ شروع کیا،  
ان کی جیپ میں ایک چھوٹے سے بریف کیس میں اس قسم  
کی پھریں، ہمیشہ رہتی تھیں ۔ اور اس وقت وہی بریف کیس  
کام آیا تھا ۔

ادھر گھنٹے میں ہی انہوں نے سب کی شکلیں بدل کر رکھے  
دیں ۔

”ماہر ادمی بھی اس بات کو محسوس نہیں کر سکتا ۔“

”چلو گزارا ہو جائے گا۔“ انہوں نے سب پر نظر ڈالتے  
ہوتے کہا ۔

”گزارا تو میک آپ کے بغیر بھی ہو سکتا تھا؟ نان رحمان  
بولے ۔“

”ہاں ! یہ شیک ہے، لیکن اب ذرا لطف رہے گا۔“  
ایک ہار پھر انہوں نے نیچے کا رُخ کیا ۔ اس مرتبہ  
دو اذان کی طرف جانے کی بجائے وہ ہال کی ایک میز کی  
طرف رہتے اور اس کے گرد بیٹھ گئے ۔ اسی وقت ایک  
بیرا آمد کا ۔

”اس وقت ہم صرف پاٹے ہیں گے ۔ انپکٹر جمیش نے  
کہا اور بیرا سر ہلا کر چلا گیا ۔“

”آہا جاں ۔ یہاں آپ کو کیا چیز نظر آئی ہے ۔“ فرزانہ نے  
تااد انداز میں سرگوشی کی ۔ اور ساتھ ہی نظریں اٹھائیں.  
”لیں فرزانہ ۔ کوئی ادھر ادھر نہیں دیکھے گا۔“ انپکٹر  
جمیش نے سرد آواز میں کہا ۔

”اوہ آپ ۔ آپ جو دیکھ رہے ہیں ۔“ محمود نے اعتراض کیا  
”نہیں ۔ میں ادھر ادھر نہیں دیکھ رہا ۔“ صرف ایک سمت  
میں دیکھ رہا ہوں، وہ بھی ایسے انداز میں کہ کوئی ماہر  
۔“ ماہر ادمی بھی اس بات کو محسوس نہیں کر سکتا۔“

"پہلے پھر آپ بتا دیں۔ آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟"  
 "خیر سنو۔ ابھی ابھی۔ ایک صاحب آٹھے ہیں۔ اب وہ  
 ایک دوسری میز کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے بڑھنے  
 کا انداز ایسا ہے کہ کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ وہ کس  
 خاص مقصد کے تحت بڑھ رہے ہیں، لیکن میں یہ بات  
 صاف محسوس کر سکتا ہوں۔ وہ اس میز تک پہنچ  
 گئے ہیں۔ اچانک وہ رٹکھڑا گئے۔ اور عجیب انداز سے  
 اس شخص پر گر پڑے ہیں۔ جو اس میز پر موجود تھا۔  
 اب پھوں کر دوسرے لوگ بھی ادھر متوجہ ہو گئے ہیں۔  
 اس لیے تم لوگ بھی ادھر دیکھ سکتے ہو۔ انھوں نے دبی آواز  
 میں کہا۔

ان کے سرگھوم گئے۔ نیچے گرنے والا اور اوپر گرنے  
 والا۔ دونوں آٹھنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن وہ آپس  
 میں کچھ اس بے بنگم ۱۱۱۱ میں آجھے تھے کہ آٹھ نہیں پا  
 رہے تھے۔ آخر دو بیرے ان کی طرف پکھے۔ اور دونوں کو  
 الگ الگ کر دیا۔

"لگ کیا۔ آپ نئے میں ہیں جناب؟"  
 "نہ نہیں۔" دیکھیے۔ فرش پر۔ کسی نے یکے کا  
 پھٹکا گرا دیا ہے۔ ہے نا بد تیزی۔ آپ ہی فرمائیے۔

اس میں میرا کیا قصور؟"

"اوہ۔ واقعی۔ یہ تو اس آدمی کا قصور ہے جس نے یہاں  
 کے کا چھٹکا گرا یا ہے؟" میز والے نے کہا۔

"ملکریہ جناب۔ پھر بھی میں معافی چاہتا ہوں۔"  
 "لگ۔ کوئی بات نہیں۔" میز والا بولا۔

ہمسنے والا آدمی مٹرا اور صدر دروازے کی طرف چل  
 ۹۰۔ میں اس وقت جب وہ دروازے پر پہنچا۔ میز والا  
 باری قوت سے چلا یا:

"پکڑو۔ اسے پکڑو۔ وہ میرا بٹوہ کے اڑا ہے۔"

”شہاش - اسے پکڑ لیں - جانے نہ پائے“  
 انھوں نے کوئی جواب نہ دیا - دوڑ بدمستور جاری رہی ،  
 لیکن اسی وقت تیچے سے ایک جیپ آئی اور بیرونی تک  
 پہنچ گئی - جیپ کے ڈرایور نے چلا کر کہا :  
 ”یوں تو تمہارے فرشتے بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے۔  
 وہ بہت تیز رفتار ہے - جیپ میں سوار ہو جاؤ - ہم ابھی

## بُہت بڑی مشکل

اس بھلے نے ہال میں موجود تمام لوگوں کے سر پر چھپا  
 دیے - ساتھ ہی پانچ بیرے بلا کی رفتار سے اس شخص کے  
 تیچے دوڑے - یہ دیکھ کر انپکٹر جہشید بیٹھے نہ رہے :  
 ”بہت خوب - یہ ہوتی نا بات“ - ایک بیرے نے بلند  
 آن کی آن میں وہ جیپ میں سوار ہو گئے - اور  
 ”تم تینوں میرے ساتھ آؤ - خان رحمان - تم اور پروفی  
 صاحب یہیں ٹھہریں“ :  
 ”اچھا !“ خان رحمان نے گھبرا کر کہا -

اور انھوں نے بھی باہر کی طرف دوڑ لگا دی - سڑک  
 گور ڈور تک منسان پڑی تھی - ٹریفک بالکل ختم ہو چکا  
 تھا - سب سے آگے بدل گئی - اور کچھ فاصلے پر رک گئی -  
 بٹوہ اڑانے کا الزام تھا - اس کے تیچے پانچ بیرے  
 سر پٹ دوڑ رہے تھے - اور ان کے بعد وہ چاروں تھے  
 دوگل سکیں - ادھر بٹوہ اڑانے والا ٹھنک کر رکا ، پھر  
 لودا ہی مڑا اور واپس دوڑنے لگا - گویا اب وہ ان  
 بیرا بولا :

کی طرف آ رہا تھا۔

"خبردار - محمود ، فاروق اور فرزانہ - تم اس کا رات نہیں روکو گے :

"بھی کیا فرمایا - اس کا راستا نہیں روکیں گے - تو پھر کس کا راستا روکیں گے - یہ دوڑ آخر ہم نے اسی کو پکڑنے کے لیے لگائی ہے : محمود نے چرت زدہ انداز میں کہا -

"نہیں - جو کہا ہے - بس صرف وہ کرو" انپکٹر جمیش نے سرد آواز میں کہا۔

اور وہ کانپ آئی - سڑک سے ایک طرف ہو گئے - بٹوہ اڑانے والا بلا کی رفتار سے دوڑتا آ رہا تھا، اس نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پر ان کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سُنانی دی - وہ جلدی سے اس طرف متوجہ ہو گئے - اسی وقت انپکٹر جمیش چلا آئی :

"ارے ارے - یہ کیا - تم لوگ بوکھلا کیوں گئے تھے - جلدی کرو - پھر نکلا جا رہا ہے ؟ یہ کہ کر وہ بھی بٹوہ چور کے تیچے دوڑ پڑے - محمود ، فاروق اور فرزانہ

بڑی طرح بوکھلا گئے ، لیکن ان کا ساتھ دینے کے علاوہ کہ ہی کیا سکتے تھے - جلد ہی انہوں نے محسوس کر دیا۔ کہ ان کے والد کی رفتار نیادہ نہیں ہے - اب وہ بھی ان کے ساتھ دوڑ رہے تھے :

" یہ - یہ کیا بات ہوئی آباجان ؟ فرزانہ نے چران ہو کر کہا -

"بس یہ نہ پوچھو کیا بات ہوئی - کام سے کام رکھو" وہ دلے -

اسی وقت تک بیرے اور ڈرائیور ان کے قریب پہنچا چکے تھے ، لیکن سڑک کی پودی پھوڑائی تو انہوں نے گھر رکھی تھی :

"ایک طرف ہٹ جاؤ" ڈرائیور نے پلٹا کر کہا۔ "آئیے - آئیے جاہب" - انپکٹر جمیش گمرا کر ایک طرف ہٹ گئے - اور محمود سے ٹمکرا گئے - محمود دھڑام سے گرا، لیکن اکیلا نہیں گرا - اس کی پیٹ میں فاروق بھی آ چکا -

"سبھل کر - بے دقوف" انپکٹر جمیش چلا گئے اور انہیں اٹھانے کے لیے انداز دھستہ انداز میں ان کی طرف رہئے - اسی وقت ان کے راستے میں ڈرائیور آ گیا -

دونوں پوری وقت سے ملکرائے۔ ڈرائیور پھوں کر بہت زور میں تھا۔ لہذا اسی حباب سے پیچے کی طرف الٹ گیا۔ اور ساتھ میں دو بیرونی لوگ بھی لے بیٹھا۔ انپرٹر جمیش نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا :

”سبھل کر جناب۔ آپ تو اپنے دو ساتھیوں کو بھی گرا بیٹھے۔“

یہ کہ کر وہ ان کی طرف بڑھے اور باقی تین بیرونی سے ملکرائے۔ چاروں آپس میں گٹھ ٹھہ ہو گئے۔ اور دھڑام سے گرے۔

محمود، فاروق اور فرزاد نے یہ منظر جیت زدہ انداز میں دیکھا، پھر وہ جلدی سے بڑھ پور کی طرف مڑے، لیکن اتنی دیر میں وہ غائب ہو چکا تھا۔

اب جو وہ لوگ اُٹھے۔ اور سامنے کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے سُرخ ہو گئے۔

”اوہ۔ وہ غائب ہو گی۔ اور یہ ان لوگوں کی وجہ سے ہوا۔“ ڈرائیور نے چیخ کر کہا۔

”بھی۔ کیا کہا۔ ہماری وجہ سے ہوا۔ اسے کہتے ہیں، نیکی بر باد گناہ لازم۔“ انپرٹر جمیش نے جزا سامنہ بنایا۔

”آپ لوگوں کو ہمارے راستے میں آنے کی آخر ضرورت

## کیا تھی؟“

” یہ بھی ایک ہی رہی۔ آپ لوگ ہمارے راستے میں آئے یا ہم آپ کے راستے میں۔ پوچھیے ان بیڑا حضرات سے۔ ہم اسے پکڑنے کے سلسلے میں۔ ان لوگوں سے آگئے نکل گئے تھے یا نہیں اور ہم کسی آن بھی اسے پکڑ پیتے۔ اگر آپ درمیان میں نہ آ جاتے۔ تو جناب۔ یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا۔“

”فلط۔ بالکل غلط۔ یہ آپ لوگ ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔“ ڈرائیور نے کہا۔

”حد ہو گئی۔ آج کے بعد ہم ایسی کوئی نیکی کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔“

”آپ کو ہمارے ساتھ ہو ٹھل تک چلانا پڑے گا۔“ ڈرائیور کا پارہ پوری طرح چڑھا ہوا تھا۔

”وہ تو ہمیں جانا، ہی ہے۔ آپ کے ساتھ کیا اور آپ کے بغیر کیا۔ وہاں ہمارے دو ساتھی جو موجود ہیں اور پھر ہم نے ہو ٹھل میں کمرے بھی تو کرتے پر لے رکھے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ چلیے۔“

”وہ ہو ٹھل کی طرف روانہ ہوتے۔ والپسی کا سفر جیپ

میں ہوا۔ بٹوے والا ہوٹل کے دروازے پر بے تاباذ انداز میں ٹھیل رہا تھا۔ جیپ کو دیکھتے ہی اس کا ٹھیل ٹرک گیا۔ جوں ہی جیپ ٹرک۔ وہ چلا آئا۔  
”کیا رہا راکی؟“

”افنس ماسٹر بون۔ وہ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔“  
جیپ ڈرائیور نے کانپتی آواز میں کہا۔

”کیا کہا۔ راکی۔ وہ بھل گیا۔ اور یہ تم کہ رہے ہو۔“  
ماستر بون پوری قوت سے دھڑا۔

”یکن ماستر۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔“  
”تو پھر۔ کس کا قصور ہے؟“

”ان لوگوں کو میں ساتھ لایا ہوں۔ چیزیں بھی۔  
نیچے اتریے۔ اور دیکھیے جواب۔“

”ہم جواب دیتے کے پابند نہیں ہیں۔ یہ ہمارے حاکم نہیں لگے ہوتے۔ ہم نے تو نیکی کرنا چاہی تھی۔ اور ہم اس بٹوہ چور کو پکوٹنے ہی والے تھے کہ مسٹر راک۔ آپ نے درمیان میں آ کر کام خراب کر دیا۔ وہ آپ کی دخل اندازی کی وجہ سے غائب ہونے میں کامیاب ہوا ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو ان بیرون سے پوچھ لیجیے۔  
ہم ان لوگوں کو پہچھے چھوڑ چکے تھے نا۔“

”یہ۔ یہ تو خیر ملیک ہے۔ ایک بیرا بول آئھا۔“

”چُپ رہو۔ یہ ان لوگوں کی چال تھی۔ اور میں اس ہات کو ثابت کر سکتا ہوں۔“ راکی نے کہا۔

”کیا کہا۔ ثابت کر سکتے ہیں۔“ انپکٹر جمیش نے جران ہو کر کہا۔

”ہاں! آپ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے ہوٹل میں کمرے کرائے پر لے رکھے ہیں۔ جب کہ میں نے آپ لوگوں کو کمرے کرائے پر لیتے نہیں دیکھا۔ اور یہاں جو کوئی بھی کمرہ لینے کے لیے آتا ہے۔ میری نظروں سے پنج کمرے کرے تک نہیں جا سکتا۔“

”تب پھر اس مرتبہ ضرور ایسا ہو گیا ہے۔“ انپکٹر جمیش لے مکرا کر کہا۔

”ہرگز نہیں۔ اچھا جلا آپ لوگوں کے کمروں کے نہ رکیا ہیں؟“

”ان نبروں کے کمرے جس شخص نے لیے تھے۔ میں اسے اپھی طرح پہچانتا ہوں۔ لہذا آپ وہ نہیں ہو سکتے۔ اور اگر آپ وہی ہیں تو پھر آپ کو اپنے چہرے سے میک آپ اُتا رنا ہو گا۔ کیون میں غلط تو نہیں کر رہا۔“

اوہ۔ راکی۔ اوہ۔" ماسٹر بون کے منزل سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"میں ماسٹر۔ کیا اب جی آپ یہ شکایت کریں گے کہ میں کام نہیں کرتا؟"

"نہیں راکی۔ تم واقعی کام کے آدمی ہو۔ میں نے تھیں ہوٹل کا جاسوس بلا وجہ نہیں رکھا۔"

"شکریہ ماسٹر۔ اب ان لوگوں کو خود اخپت کرے میں لے چلیں۔ وہاں میں آپ کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ چلیے بھائی۔" ماسٹر بون نے پر بخوبی انداز میں کہا۔

"ضرور بخاب۔ چلیے۔ آخر ہمیں اپنے کمرے میں جانا ہی پڑے گا۔"

سب لوگ اپر پہنچے۔ انپکڑ جمیڈ کمرہ نمبر ۱۲۰ کی طرف بڑھ گئے، یکوں کر ۱۲۹ میں تو ایک عدد لاٹش موجود تھی۔ تالا کھول کر وہ اندر داخل ہوئے اور کریسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہاں راکی۔ اپنا کام شروع کرو۔" ماسٹر بون نے کہا۔ "جی بہتر۔" اس نے کہا اور آٹھ کر انپکڑ جمیڈ کی

## ٹکڑا کیا۔

"مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا مسٹر راکی۔ ورنہ۔"  
"ورنہ کیا۔ تمہارے جسم میں کرنٹ تو نہیں دوڑ رہا۔"  
"ہاں بکرنٹ ہی دوڑ رہا ہے۔"

"تب تو میں یہ کرنٹ ضرور کھاؤں گا۔" اس نے کہا  
اور ان کے بالکل نزدیک پہنچ کر اپنے ہاتھ اٹھاتے۔  
وہ سرے ہی لمحے وہ بھری طرح اچلا اور کمرے کی دیوار  
سے جا ڈکرایا۔

ماستر بون اور اس کے ساتھی حیرت زدہ رہ گئے۔  
حیرت کے بعد راکی کہیں کے بل اٹھا، اب جو اس نے  
چھوڑا اس کی طرف کیا تو آنکھوں میں حیرت کے ساتے  
تمہرے نظر آئے:

"کیا بات ہے راکی۔ کیا واقعی اس شخص کے جسم میں  
کرنٹ دوڑ رہا ہے۔"

"نہ۔ نہیں۔ لیکن یہ آدمی ہے حیرت انگر۔ یا چھر  
شايدی میں بے خبر تھا۔ اس لیے ہمار کھا گیا۔"

"تو پھر۔ اس مرتبہ خبڑا رہ کر اس کی طرف بڑھو۔  
تمیں اپنی بات کو پسح ثابت کرنا ہے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ سر۔" راکی نے کہا اور پھر اٹھا۔

کر انپکٹر جمیش کی طرف بڑھا۔ بھوئی وہ نزدیک پہنچا۔  
ایک لات اس کے سینے پر پوری طاقت سے لگی اور وہ  
دوسرا طرف الٹ گیا۔ اور پھر ز آٹھ سکا۔  
”راکی۔ تھیس آج کیا ہو گیا۔“ ماسٹر بون نے حیرت زدہ  
انداز میں کہا۔

”اب راکی کی طرف سے آپ کو جواب نہیں ملے گا۔  
آپ ہم سے بات کریں۔“ محمود نے مسکا کر کہا۔

”تم لوگ آخر کون ہو؟“

”ہم یہ بات مانتے کے لیے تیار ہیں، لیکن اس سے  
پہلے آپ کو بتانا ہو گا۔ آپ کون ہیں۔ اور اس بٹوے  
کے لیے اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ کیا اس میں بہت زیادہ  
دولت تھی؟“

”نہیں۔ بات دولت کی نہیں۔ اس میں کچھ بہت اہم  
کاغذات تھے۔“

”چلیے۔ یہ بات تو سمجھ میں آگئی۔ اب یہ بھی بتا دیں  
کہ آپ کون ہیں، کیوں کہ راکی تو اس ہوٹل کا جاسوس  
ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ آپ کا بھی ہوٹل سے کوئی تعلق  
ہے؟“

”ہاں! میں اس ہوٹل کا مینجر ہوں۔“ اس نے غرما کر کہا۔

”بہت خوب۔ اب آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟“ فرزاد  
لے پوچھا۔

”راکی نے کہا تھا کہ تم لوگ میک آپ میں ہو۔ میں تمہارے  
کلی چہرے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن کیوں۔ آپ کو اس سے کیا غرض۔ آپ یہاں  
کے پولیس انپکٹر نہیں ہیں اور نہ ہم نے کوئی جرم کیا ہے۔  
انپکٹر جمیش نے برا سامنہ بنایا۔

”یہ کوئی کم جرم ہے۔ کہ ایک مجرم کو فرار ہونے میں  
مد دے ڈال۔“

”اگر آپ کے خیال میں ہم نے یہ جرم کیا ہے۔ تو پھر  
آپ کو چاہیے پولیس کو اطلاع دیں اور ہمیں گرفتار کر دیں۔“

”ہاں! یہ بات صحیک ہے۔ مجھے یہی کہنا چاہیے۔“ اس نے  
کہا اور آٹھ کر فون کی طرف چلا گیا۔ ابھی اس نے ریسیور  
کی طرف ہاتھ بڑھایا، ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجھنے لگی۔

اس نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور بولا:  
”ماسٹر بون۔“

”وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔“ اگر اس نے اتنا  
کہا:

”اوہ ہو اچھا۔ یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی سر۔ صحیک  
کیا!“

ہے۔ آپ فکر نہ کریں:

اس نے سلسلہ کاٹ دیا اور چھر کسی کے نمبر ملانے کے لیے انپکٹر اختر جاس۔ آپ کی یہاں فوری ضرورت ہے، ایک اہم معاملہ ہے۔ جی ہاں شکریہ۔ میں بے چینی سے انتظار کروں گا۔

یہ کہ اس نے ریسور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا، انپکٹر صاحب آرہے ہیں۔ اب ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔

”کوئی بات نہیں جناب۔ ہم انتظار کرنے کے ماہر ہیں۔“ فاروق نے شوخ لمحے میں کہا۔

”انتظار کرنے کے لیے بھی کسی مہارت کی ضرورت ہے۔“ ماستر بون کے لمحے میں حیرت در آئی۔

”جی ہاں کیوں۔ کسی بھی کام میں مہارت اچھی بات ہے۔ ویسے اس بٹوے میں آخر کس قسم کے کاغذات تھے؟“ محمود نے کہا۔

”میں تم لوگوں کو کیوں بتاؤں۔“

”ہاں۔ یہ بھی صحیح ہے۔“

اسی وقت راکی نے ایک کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔

”اب کیا پروگرام ہے مسٹر راکی؟“ فاروق اٹھ کر اس

## بہ نہ کا۔

راکی نے بختائے ہوئے انداز میں اپنا دایاں ناتھ اس کے سے پر دے مارا۔ لیکن فاروق ہوشیار تھا۔ فوراً سکنی کاٹ گیا۔ اور اس کا ناتھ دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔

”تو آپ سے کس نے کہا تھا کہ دیوار پر غصہ آتا ہے۔“ فاروق اتنے کے لیے ہم جو یہاں موجود ہیں۔“ ”غاموش؟“ وہ دھاڑا۔

”اچھا۔ معلوم ہو گیا۔ آپ بہت غاموشی پسند ہیں۔“ فاروق نے جلدی سے کہا۔

”ویسے کیا اس ہوٹل کے عملے میں بس ایک آپ ہی لاکا ہیں مسٹر راکی؟“ محمود نے پوچھا۔

”کیوں۔ تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“ ”اگر کچھ اور بھی لڑا کے ہوتے تو ماستر بون ضرور انھیں ہمارے مقابلے میں لاتے۔“

”میں بلا وجہ جھگڑا کرنے کا عادی نہیں۔ ورنہ تم لوگوں کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ آخر یہ لوگ مجھے ماستر بون بلا وجہ تو کہتے نہیں ہوں گے۔“

”ماستر بون۔ بون کا مطلب ہے۔ ہڈی۔ تو کیا آپ

"ورنہ تمہاری لاش یہاں پڑی ہوگی؟"

"میں بھی اپنی لاش دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔" وہ  
مُسکرا یا۔

"بہت بہتر۔" انہوں نے کہا اور اس کے سر پر پہنچ گئے،  
وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس ز ہوا۔ گویا ان کے نزدیک  
آنے پر بھی خوف زدہ نہیں ہوا۔ انپکٹر جمیش کا دایاں ہاتھ  
اوپر آٹھا۔

"اپنا ہاتھ تڑوا بیٹھو گے مرٹر۔" ماسٹر بون نے گویا اعلان  
کیا۔

ادھر ہاتھ تیزی سے اس کے سر پر لگا۔ انپکٹر جمیش  
نے دائیں ہاتھ کی ہڈی کا استعمال کیا تھا۔ ایک ساتھ تین  
ہاتھیں ہوئیں۔ ہاتھ کی ہڈی ماسٹر بون کے سر پر لگی۔ اس  
کے مذہ سے ایک چیخ نکلی۔ اور محمود کا ہاتھ اس کے ہاتھ  
سے نکل گیا۔

لیکن چوتھی بات یہ ہوئی تھی کہ انپکٹر جمیش کی آنکھیں  
حیرت سے چیل گئی تھیں، یکوں کہ اس قدر زبردست چوت  
کھا کر مسٹر بون کے ہمنہ سے صرف چیخ نکلی تھی۔ جب کہ  
ان کا خیال تھا کہ اس کی کھوپڑی ٹوٹ جائے گی، لیکن  
ایسا نہ ہو سکا۔

ہڈی کی طرح سخت ہیں؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔ آؤ مجھ سے ہاتھ بلا کر دیکھو۔  
اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

محمود فوراً آٹھا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں بھی۔ اس کی ضرورت نہیں۔" انپکٹر جمیش چلا کے  
لیکن اس وقت تک اس کا ہاتھ بڑھ چکا تھا اور  
ماسٹر بون اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے پھکا تھا۔ دوسرے  
ہی لمحے انہوں نے محمود کی ایک چیخ سنی۔ وہ زور سے تڑپا،  
لیکن اپنا ہاتھ ماسٹر بون کی گرفت سے نہ چھڑا سکا۔  
اب وہ باقاعدہ تڑپ رہا تھا۔

انپکٹر جمیش بے پین ہو گئے۔ تیزی سے اٹھے اور بولے:  
"مسٹر بون۔ بچوں پر رُعب جانا کوئی اچھی بات نہیں،  
ابے چھوڑ دو۔"

"اگر ہمت ہے تو چھڑا لو۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ  
میں رہ جائے گا۔ کلائی سے الگ ہو جائے گا۔ میرے  
ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔"

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں۔ اب بھی وقت ہے۔  
ہاتھ چھوڑ دو۔ ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟"

اُدھر ماسٹر بون کا مذہبیت سے گھل گی۔ اس کے مذہبیت سے نکلا:

”شکست۔ بہت بڑی شکست۔“

”کس کی۔ میری؟ انپکٹر جمیڈ مکارے۔“

”نہیں۔ میری۔ اس روکے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے نکلا میری شکست ہے۔“

”یکن یہی اسے اپنی شکست خیال کرتا ہوں، یکوں کو اس وقت میرے سامنے تھاری لاش موجود ہونی چاہیے تھی۔ انھوں نے کہا۔“

”تب پھر ہمیں ایک ایک دار اور کرنا چاہیے تاکہ فیصلہ ہو جائے۔“ ماسٹر بون بولا۔

”اگر تم اسے ضروری خیال کرتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ انپکٹر جمیڈ بولے۔

”پہلے یہی تھارے سر پر دار کروں گا۔ اگر تھارا سرنہ ٹوٹا تو اپنا سر آگے کر دوں گا۔ تم بھی صرف ایک دار کر دے گے۔“

”پلو منظور ہے۔“ انھوں نے مکرا کر کہا۔

”اب۔ با۔ جان۔“ فرزانہ ہمکلائی۔

”زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔“ انپکٹر جمیڈ

”اس کی طفتہ دیکھا اور وہ خاموش رہ گئی۔“

”آئیے مشربون۔ اپنی طاقت آزمائیں۔ آپ کے دل میں کوئی حرث د رہ جائے۔“

”شکریہ؟“ اس نے کہا اور آگے بڑھا۔ پھر اس کا ہاتھ بلا کی رفتار سے اوپر آٹھا اور بجلی کی طرح گرا۔

انپکٹر جمیڈ نے دار بچانے کی کوشش نہیں کی، یکوں کو مقابله کی شرط یہی تھی۔ ماسٹر بون کا ہاتھ ان کے سر پر ڈالا۔ ایک لمحے کے لیے ان کا سر گھوم گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ شبھل پکے تھے۔ اُدھر ماسٹر بون ٹھاڑ گکر ڈال گی۔ انپکٹر جمیڈ کے ماتھیوں کے چہروں پر روشن آگئی۔

”اب میرا دار سننے کے لیے تیار ہو جاؤ مسٹر۔“

”ٹھیک ہے۔ میرا سر حاضر ہے۔“

انپکٹر جمیڈ پہلے بھی ہاتھ کی ہڈی آزمائ پکے تھے۔ لیکن انھوں نے ہاتھ پوری قوت سے نہیں مارا تھا۔ اس وقت وہ اندازہ کرنا چاہئتے تھے۔ اب انھیں مخالف کی قوت معلوم ہو چکی تھی۔ لہذا اس کے مطابق دار کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن ابھی ان کا ہاتھ آٹھا نہیں تھا کہ بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی۔

انپکٹر نے کہا اور انپکٹر جشید کے نزدیک پہنچ گی۔  
وہ ساکت بیٹھے رہے۔ اس نے ان کا چہرہ مٹولہ اور پھر  
رہے ساختہ بول آٹھا:

"اوہو۔ یہ تو واقعی میک اپ میں ہیں؟"  
اسی وقت تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔

## بہتری ہی ہے

ایک لہاڑی کا، پتلا دبلا آدمی کمرے میں داخل ہوا،  
ڈھانے کیوں۔ سب لوگ سم سے گئے۔ سوائے انپکٹر  
جشید اور ان کے ساتھیوں کے:

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اس نے گرج دار آواز میں کہا۔

"مم۔ مقابلہ۔" فاروق نے روکھڑاتی آواز میں کہا۔

"مقابلہ۔ کیسا مقابلہ؟"

"آئیے سر۔ اچھا ہوا آپ آگئے۔" ماستر بون نے جلدی  
سے آٹھتے ہوئے کہا۔

"آنے والا کڑی پر بیٹھ گیا۔"

"انپکٹر۔ آپ کس سلسلے میں آئے۔"

"ان لوگوں کے سلسلے میں۔ ماستر صاحب نے فون کیا تھا۔"

انپکٹر نے کانپ کر کہا۔

"میں تفیصل جانتا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

ماستر بون نے تفصیل اسے کہا۔

"بھی اُن ضرور - پہلی بھئی - آپ کو میرے ساتھ پو۔

"ہوں - ان کے میک آپ آتار دو۔" پتکے دبلے آدمی نے **اللہ پلا** ہے۔

**انپکٹر اختر عباس** سے کہا۔

**انپکٹر ان** کی طرف بڑھا ہی تھا کہ **انپکٹر جمیش** نے **جھٹکہ** ہوتے ہیں۔ بھاگڑا نے منہ بننا کر کہا۔

"میک ہے - تم لوگوں کا سامان کہاں ہے؟"

"ساتھ دالے کمرے میں۔" **انپکٹر جمیش** بولے۔

خود ہی میک آپ ختم کر دیا:

"یہ بھی - اتر گئے میک آپ؟"

صفات ظاہر ہے - یہ لوگ بٹوہ پھور کے ساتھی ہیں۔

ورز میک آپ میں نہ ہوتے۔ کیوں **انپکٹر صاحب**؟

"جی ہاں - باسلک - اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"اب تم لوگ کیا لکھتے ہو؟" **پتلا دبلہ آدمی** ان کی طرف مُڑا۔

"آپ کی تعریف؟" **انپکٹر جمیش** نے مُسکرا کر کہا۔

"میں ایساں بھاگڑا ہوں - ہوشیار کا مالک؟"

"بھاگڑا - یہ کیا نام ہوا؟" **محمود** نے جیرت زدہ ہو کر کہا۔

"یہ میری ذات ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"شکریہ بھاگڑا صاحب - ہم نے واقعی اس چور کو فرار ہے۔

میں مدد دیتے ہے۔"

"چلو چھٹی ہوئی۔" جرم کا اقرار ہو گیا۔ **انپکٹر صاحب**

اب آپ انہیں لے جاتیں۔

"بھی - یہ کیا؟" **انپکٹر کانپ آٹھا۔**

"لاش اُن فاروق نے کہا۔"

” اور یہ کہاں سے آئی ہے؟ ”

” آسمان سے تو آئی نہیں ہوگی ، کیوں کہ ابھی آسمان ۰ میں ضرور - کیوں نہیں؟ اس نے کہا۔ سے لاشوں کی بارشیں شروع نہیں ہوئیں؟ فائزؑ نے کہا۔ ” انہکڑ - ایسا معلوم ہوتا ہے۔ - جیسے یہ لوگ کوئی چال ” کیا اوت پٹانگ باتیں کر رہے ہو تم - یہدھی طراحتہ ہیں؟ ”

بتاؤ ” انپکٹر اختر بخنا اٹھا۔

” یہدھی سی بات تو یہ ہے جاپ کر یہ شخص زندہ حالت اکھوں اجازت نامہ نکال کر انپکٹر اختر جاس کی طرف میں میرے پاس آیا تھا ، لیکن پھر اس نے بحمد پر حمد کر لادا دیا - انپکٹر نے کسی قدر حرمت کے ساتھ اجازت دیا - یہ اور بات ہے کہ اس کا حمد ناکام گیا - اور یہ لادہ لایا اور اس پر نظر ڈالی ، دوسرے ہی لمحے اس کی میرے ہاتھوں مارا گیا ”

” اسے باپ رے - تم تو قاتل بھی بن چکے ہو۔ اُنہوں نے بھی چھپی زردہ سکی : انپکٹر اختر کا کانپ گیا۔

” کہا بات ہے انپکٹر - یہ کیسا کافذ ہے؟ ایسا بھاگنا ”

” جی ہاں ! یہ تو بالکل درست بات ہے - چلیے ، ہم پہنچنے کا ہے ”

آپ کے ساتھ پہل رہے ہیں ”

” اب مجھے آپ کو ہتھکڑی لگا کر لے جانا ہوگا ”

” ضرور کیوں نہیں ، لیکن میری ایک درخواست ہے ”

” ایسا مطلب ہے؟ ایسا بھاگنا زور سے چونکا - اس کے

” درخواست - کسی درخواست؟ انپکٹر نے جیران ہو کر کھاں گلی کی آنکھوں میں بھی اُجھن تیرنے لگی - ماسٹر یون کی

” درخواست تحریر کی شکل میں ہے ”

” پیش کرو - اگرچہ میں کسی قاتل کی درخواست پر غور کر ”

” انہکڑ جسید ہیں ”

” کا حق نہیں رکھتا ”

” ایک سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ”

شش۔ شکریہ بخاب۔ ہم آپ کے سوالات کے جواب دیں  
ماستر بون نے فوراً کہا۔

ماستر۔ دماغ تو نہیں چل گی۔ ایساں بھاگڑا چلتا۔

نہیں بھاگڑا صاحب۔ ہم ان سے کچھ چھپا کر نقشان  
راہیں گے۔

اوہ ماں۔ شاید تم ٹھیک کتے ہو۔ ایساں بھاگڑا چونک  
گا۔

شاید آپ لوگ کوئی چال چلنے کا پروگرام سوچ رہے  
ہیں، لیکن ہر چال آپ کے ہی خلاف جائے گی۔ انپکٹر  
کہلے ہوئے۔

نیز۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ ماستر بون نے پوچھا۔

میرا پہلا سوال۔ اس بٹوے میں کیا تھا؟

ضروری کاغذات۔ اس نے کھوئے کھوئے۔

خاص بات۔ خاص بات۔ اس نے کھوئے کھوئے کیا ہے؟

شکریہ۔ ڈی آئی جی صاحب کو کس نے اخوا کیا ہے؟

اہن خاص بات۔ نیز۔ میں سمجھ گیا۔ شاید آپ ا

سے ماہد رشت وصول کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں گرا

دارالحکومت سے ڈی آئی جی صاحب کو اخوا کر کے اس

کرنے سے خوف زدہ ہیں۔ لیکن یہ تو بعد کی بات ہے۔

لہر میں لایا گیا ہے۔ انہیں ان کے گھر سے اخوا کیا گی

کا۔ اور ان کو گرفتار کرنے کی نوبت ہی ذائقے۔



چند لمحے سکتے کا عالم طاری رہا۔ آخر انپکٹر جمیش نے  
باؤ رعب آواز میں کہا:

انپکٹر صاحب۔ میں اب ان لوگوں سے سوالات کرو  
گا۔ اگر انہوں نے میرے سوالات کے جواب نہ دیے ا

آپ انہیں گرفتار کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

یہ۔ آپ کیا کر رہے ہیں؟ انپکٹر گھبرا گی۔

یکوں۔ کیا آپ انہیں گرفتار نہیں کر سکتے؟

نہ۔ نہیں۔

آخر یکوں۔ ان میں ایسی کیا خاص بات ہے؟

خاص بات۔ خاص بات۔ اس نے کھوئے کھوئے کیا تھا؟

میرا پہلا سوال۔ اس لیے انہیں گرا

کرنے سے خوف زدہ ہیں۔ لیکن یہ تو بعد کی بات ہے۔

دارالحکومت سے ڈی آئی جی صاحب کو اخوا کر کے اس

کرنے سے خوف زدہ ہیں۔ لیکن یہ تو بعد کی بات ہے۔

لہر میں لایا گیا ہے۔ انہیں ان کے گھر سے اخوا کیا گی

کا۔ اور ان کو گرفتار کرنے کی نوبت ہی ذائقے۔

کا ملاقاتی کارڈ دہاں گر گیا تھا۔ اس پر ہوٹل سیخاب کا پتا لکھا تھا۔ میں نے اس کار کا تعاقب کیا تھا، لیکن کار میری نظروں سے او جمل ہو گئی۔ یہاں آگئے میں نے اس ہوٹل میں کمرے کرتے پڑ لیے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ یہ شخص۔ یعنی شوفا جانی آدمی اور مجھے ختم کرنا چاہا، لیکن میرے ہاتھوں مارا گیا۔ سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو کس طرح پتا چل گیا کہ میں یہاں آگئے چھڑا ہوں۔ ان باتوں کا آپ لوگوں کے پاس کیا جواب ہے۔

"کارڈ کس آدمی کا تھا؟" ایاس بھاگڑا نے پریشان ہو کر کہا۔

"پرویز گانجی کا۔"

"اوہ پرویز گانجی۔" "م بخت۔" ایاس بھاگڑا نے مذہب بنایا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"اُن کا کام، ہی یہی ہے۔ مختلف ناموں اور پتوں کے ملاقاتی کارڈ اپنے پاس رکھتا ہے اور وارداتیں کرتا ہے۔ پہلے بھی ایسی شکایات ملی ہیں۔ اور میں نے انپکٹر صاحب کو بھی یہ بات بتائی تھی۔ انھوں نے اس کے خلاف پورٹ بھی لکھی تھی۔ وہ کتنا چلا گیا۔"

۶۰  
لہ۔ یہر۔ تو آپ لوگ یہ کتنا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں سے آپ کا مگر تعلق نہیں: انپکٹر جمیش بولے۔

"بھی ہاں؟"

"کوئی بات نہیں۔ آپ اس لاش کو لے جائیے۔ اس طالے کو میں خود ہی دیکھ دوں گا۔ یہ تمہوں کمرے ہمارے اس، ہی رہیں گے۔ میں ایک بستتے کا سرا یہ جمع کر اچھا ہوں۔ آؤ بھی چلیں۔"

وہ اپنی دیکھتے ہی رہ گئے۔ لفڑ کے ذریعے پنجے اُوئے اور ایک ٹیکسی میں بٹھ گئے۔

"بھی۔ کہاں چلنا ہے؟"

"نیولین۔ انپکٹر جمیش بولے۔"

"بھی پہتر۔" ڈرائیور نے کہا۔

نیولین میں مکان نمبر ۲۰ کے سامنے وہ ٹیکسی سے اُو گئے۔ اسے وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کر کے وہ دروازے بھے پنجے۔ اور دستک دی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک نوجوان آدمی کی شکل دکھاتی دی۔ انپکٹر جمیش نے گاؤ دیکھا نہ تاوا۔ اسے ایک زور دار دھکا دیا اور اندر ٹھی گئے۔ باقی لوگوں نے بھی اندر داخل ہونے میں دیر دلگانی۔ محمود نے فوراً دروازوہ اندر سے بند کر لیا۔

" یہ - یہ کیا جتاب ہے؟ فوجوان نے بوکھلا کر کہا۔ وہ اب ان کی طرف پلٹ پھکا تھا۔

" شوفا جانی کہاں ہے؟"

" شوفا جانی - کون شوفا جانی؟" اس نے کہا۔

" اچھا - یہ بات ہے۔ اس کارڈ کو پہچانتے ہو۔" اخنوں نے شوفا جانی کا کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے کارڈ پڑھا اور بولا:

" نہیں - میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔"

" تب پھر اس کارڈ پر اس گھر کا پتا کیوں لکھا ہے؟"

" کارڈ جعلی بھی ہو سکتا ہے جتاب" اس نے کہا۔

" اسے ہاں۔ واقعی - یہ بات تو میں بھول، ہی گیا۔

خیر۔ ہم اس گھر کی تلاشی لیں گے۔"

" تلاشی - وہ کیوں؟"

" مجھے کچھ شک ہے۔"

" کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

" میرا تعلق محکمہ سڑاغ رسانی سے ہے۔"

" وہ؟" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا، پھر قدرے ہمت کرنے کے بولا:

" آپ کے پاس تلاشی کے دارث تو ہوں گے۔"

" ہاں کیوں نہیں۔ یہ دیکھو" اخنوں نے اسے بھی اجازت دکھا دیا۔ اور بولے:

" اگر تم نے تلاشی میں روٹے اٹکانے کی کوشش کی تو یہ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ۔۔۔"

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ پورا گھر یک دم ٹاریکی میں ڈوب گیا۔

## بھل آٹھی -

"روشن تو اس وقت کرے گا ناجب طارچ جیب سے  
نکل آئے گی۔ محمود کی آواز گونجی۔

"ایک تو میں اس کی جیب سے تنگ آئی ہوں۔"

"یکن آبا جان۔ یہ بھی تو دیکھیے۔ کتنی کام کی چیزیں  
اس میں سے نکل آتی ہیں؟"

"اندھیرے میں کیسے دیکھوں؟ انپکٹر جمیش نے جل کر  
کہا۔

"بس۔ کسی لمحے بھی طارچ ملا چاہتی ہے۔ یہ دیکھیے۔  
مل گئی۔ اور یہ تو مادر کر ہے۔ وہ بوکھلا کر بولا۔

"دھت تیرے کی؟"

"بس مل چکی تھیں طارچ۔ فرازان نے بھٹاک کر کہا۔

"اگر مل پکی ہوتی تو اس وقت تک کمرے میں روشنی نہ  
ہو گئی ہوتی۔ کم از کم جھوٹ تو نہ بولو۔"

"اچھا بابا۔ تم طارچ نکالو۔ نہ جانے ہمارے دشمن کا  
اندھیرے میں کیا حال ہو گا۔ وہ کہاں دبکا ہوا ہو گا۔ محمود  
نے کہا۔

"وہ بھلا یہاں کہاں۔ کب کا غائب ہو چکا ہو گا۔  
لاکٹ آٹ کرنے کا مقصد ہی یہی تھا۔" انپکٹر جمیش بولے۔

## اب کیا کریں

انھوں نے یک دم خود کو نیچے گرا دیا۔ ساتھ ہی انپکٹر  
جمیش نے جیب سے پستول نکالا اور گرج کر بولے:

"خبردار! اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

جوہاب میں نکل سنا تما طاری رہا۔ انھوں نے دروازے  
کی طرف دیکھا۔ ادھر بھی کچھ نظر نہ گیا۔ آخر دہ بولے:

"فاروق جیب سے طارچ نکال کر روشن کرو۔"

"اور اگر اس نے طارچ کی سمت میں فائز کر دیا۔"

"نہیں! اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو لاست آف  
کی جاتی۔ پستول نکال کر ہم پر سانا جاتا۔" انھوں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ میں تو طارچ روشن کر دیتا ہوں۔"  
ذسے داری آپ پر ہو گی: فاروق نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ انپکٹر جمیش ہے۔"

"لیا کر رہے ہو۔ طارچ یہاں کیوں روشن نہیں کرتے۔" فرازان

الہو کرے میں روشنی ہو گئی۔

وہ فوراً دروازے کی طرف متھے اور ٹھنک کر رُک گئے، یکوں کہ دروازہ تو بند کیا جا چکا تھا۔

"عجیب احمد تھے یہ لوگ، خود تو پھلے گئے اور ہمیں یہاں بند کر گئے؟"

"دراصل یہاں کتنی آدمی تھے۔ لاست بھی ان میں سے کسی نے بند کی تھی۔ جس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ تو سوچ بورڈ کی طرف بڑھا بھی نہیں تھا۔ گویا میں لائن بند کی گئی ہے، لیکن سب سے پہلے ہمیں اس کمرے سے نکلا ہو گا۔ اور وہ دیکھو۔ ارے۔"

انپکٹر جمیش پونک کر خاموش ہو گئے۔ ان کے تنہے پہنچنے پہنچنے لگے۔ فرزانہ کی آنکھوں میں بھی خوف دوڑ گیا۔

اوہ۔ پڑول کی۔ وو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ رخصت ہونے سے پہلے گھر کو آگ لگانا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم جل کر راکھ ہو جائیں۔" انپکٹر جمیش بڑھا تھا۔ اسی وقت انکوں نے بھک کی آواز سنی:

"ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" انکوں نے کہا اور تیزی سے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ پھر بلا کی رفتار سے دوڑ کر آئے اور دروازے سے ٹکرا گئے۔ دروازہ چڑھا کر رہا گیا۔

"اوہ۔ تب تو فاروق۔" فرزانہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"اوہ تب تو فاروق کیا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔ "شاید فرزانہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ تب تو تم اپنیں سے مارچ تلاش کر سکتے ہو۔ یکوں فرزانہ یہی بات ہے نا۔" محمود کی آواز سنائی دی، لیکن جواب میں فرزانہ نے کچھ ذکر کیا۔

"خیر تو ہے فرزانہ۔ تم یہیں موجود تو ہو نا۔" محمود کاپ گیا۔

"ہاں! میں یہیں موجود ہوں۔ اور میں کہنا بھی یہی چاہتی ہی۔" فرزانہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"تب پھر۔ تم نے کہا کیوں نہیں۔ رُک کیوں لگیں؟" فاروق بولا۔

"مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ بلکہ اب بھی ہر رہا ہے۔"

"اور وہ کیا؟" "یوں محسوس ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بہت افراطی کے مالم میں اس گھر سے فرار ہونے کی کوشش میں ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے۔ تب تو پھر ہمیں فوراً دروازے کا رُخ کرنا چاہیے۔"

"یہ سمجھے۔ مل گئی مارچ۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

وہ پھر بیچھے ہٹے اور دوسری ٹکڑے ماری۔ آخر پوتھی ٹکڑے دروازہ ٹوٹ گیا۔

لیکن دوسرا لمبھ ان کے لیے خوف تک تھا۔ کمرے کے دروازے کے سامنے آگ ہی آگ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے پورے براہمے میں پڑول بھر دیا گیا ہو۔ براہمے کے دوسرے سرے پر بیرونی دروازہ تھا۔ صاف ظاہر ہے۔ وہ بھی آگ کی پیٹ میں تھا۔

”سامنے آگ ہے۔ بیچھے دیوار۔ اب کیا کریں؟“ انپکٹر جمیش بولے۔

”روشن دان۔ سامنے والی دیوار میں۔ محمود چلا آئھا۔“  
”اوائی۔“ انھوں نے کہا اور اس طرف متوجہ ہو۔

اب کمرے میں دھواں بھرنے لگا۔ اور ان کا دم گھٹنا شروع ہو گیا۔ انہمھوں سے پانی بننے لگا۔ آگ کی تپش بھی ان کے ہوش اڑائے دے رہی تھی۔

انپکٹر جمیش نے جلدی سے کمرے میں بچھی مسہری روشن دان کے نیچے کھڑی کی اور فاروق سے بولے:  
”چلو بھی۔ پہلے تم چلو۔“

فاروق تیزی سے مسہری پر پھرضا چلا گی۔ اس کے اوپر والے سرے پر کھڑے ہو کر اس نے روشن دان کا

فِرم پکڑا یا۔ اور پھر اس میں سے دوسری طرف بھانگا۔ اس طرف بھی آگ ہی آگ ہے ابا جان۔ ہم پر طرف سے گھر گئے ہیں：“

”ہوں۔ تب پھر ہمیں اللہ کو یاد کرنا چاہیے۔ آخری وقت اسے یاد کرنا ہمارے حق میں بہت مفید رہے گا۔“ انپکٹر جمیش پر سکون آداز میں بولے۔

”میں آپ مایوس ہو گئے ابا جان۔“ فرزاد نے جراث ہو کر کہا۔ ”نہیں۔ اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہو سکتا۔“

”ہم اس روشن دان کے ذریعے چھت پر تو جا ہی سکتے ہیں اور چھت پر آگ نہیں ہو سکتی۔“ فرزاد بولی۔

”اوہ فرزاد۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ فاروق، اپنا دھڑروشن دان سے باہر نکال کر چھت پر چھڑھنے کی کوشش کرو۔“  
لیکن بدلی۔

”بہت بہتر ابا جان۔“ اس نے کہا اور ایسا ہی کیا۔ دو منٹ کی کوشش کے بعد انھوں نے اس کا دھڑ مکمل طور پر روشن دان سے نکلتے دیکھا۔

”شاباش۔ فرزاد۔ اب تھاری باری ہے۔“

”پہلے آپ نکل جائیں۔“ فرزاد بولی۔

”وقت ضائع نہ کرو۔“ انپکٹر جمیش سرد آداز میں بولے۔

” دوڑو۔ بھاگو۔ ارے دیکھو۔ کس قدر خوف ناک آگ  
لگی ہے۔ جلدی کرو۔ اور بالیوں میں پانی بھر کر لاو۔  
یہ کم بخت فائز بریگینڈ والے ذجنے ایسے موقعوں پر کہاں  
رہ جاتے ہیں؟ ”

غرض جس کے منہ میں جو آ رہا تھا۔ پکار رہے تھے۔

ایسے میں انپکٹر جمیل نے ان سے کہا:

” چھت کے درمیان میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور چلا کر ان  
لوگوں کو اپنی موجودگی کی اطلاع دو۔ تاکہ وہ پکھ کر سکیں۔ ”  
” جی بہتر! ” محمود بولا۔

وہ چھت کے درمیان میں کھڑے ہو گئے، کیوں کہ منڈیر  
پر پیش زیادہ تھی:

” بچاؤ۔ بچاؤ۔ ” وہ ایک ساتھ چلا کے۔

لوگوں تک ان کی آوازیں پہنچ گئیں۔ انھوں نے دھوٹیں  
کے بادلوں میں سے انہیں چھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی،  
پھر کوئی چلا یا:

” او ہو۔ مکان میں رہنے والے لوگ ابھی زندہ سلامت  
ہیں۔ وہ دیکھو۔ وہ چھت پر ہیں۔ اور۔ ہم۔ ان  
کے لیے کیا کریں؟ ”

” فائز بریگینڈ کی وہے کی بیڑھی ہی ان تک جا سکتی

وہ اور فرزاد بھی چھت پر پہنچ گئی، پھر محمود کی باری آئی۔  
سر میں انپکٹر جمیل روشن دان تک پہنچے، لیکن روشن دان  
اتنا کھلا نہیں تھا کہ وہ آسانی سے اس میں سے بکل سکتے۔  
دوسرے یہ کو دھوٹیں اور تپش نے بے دم کر دیا تھا۔

انھوں نے ٹاٹھ روشن دان سے باہر نکال دیے اور  
باتی دھڑکو اور کھنپنے کے لیے زور لگانے لگے۔ محمود، فاروق  
اور فرزاد منڈیر پر ہی چلکے ہوئے تھے۔ یہ صورت حال  
دیکھ کر انھوں نے ان کے بازو پکڑ لیے اور لگے کھنپنے۔ وہ  
بھی اپنے جسم کو حرکت دیتے رہے۔ اور آخر کار ان کا جسم  
رگڑ کھاتے ہوئے اور چلتے ہوئے روشن دان سے بکل گیا۔

چھت پر پہنچ کر انھوں نے دیکھا۔ مکان چاروں  
طرف سے آگ کی پیٹھ میں تھا۔ اور اس چھت کے بھی  
چاروں طرف آگ تھی۔ فرار کا کوئی راستا نہیں تھا۔  
ہاں اتنا ضرور تھا کہ پکھ دیر کے لیے آگ سے نجات ضرور  
ہل گئی تھی۔ لیکن کب تک۔ آگ بہت جلد ان تک پہنچنے  
والی تھی۔

اور پھر انھوں نے سیکڑوں آدمیوں کا شور سنا۔ لوگ  
برتنوں میں پانی بھر جہر کر لارہے تھے۔ اور اس سے کہیں  
زیادہ شور چا رہے تھے،

کی کوئی ضرورت نہیں۔"

یہ آواز صحرائیں پانی کی خبر محسوس ہوئی۔ ان میں ایک  
ہاد پھر زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ سب سے پہلے انپکٹر جمیش آئی،  
اخون نے فرزاد کو دونوں ہاتھوں پر آٹھا لیا اور بولے:  
"ہوش میں آؤ فرزاد۔ سیرڈھی کو تھامو۔ اگر تم نے سیرڈھی  
کو نہ تھاما تو ہم بھی نہیں پکڑیں گے۔"

ان الفاظ میں نہ جانے کیا جاؤ تھا۔ فرزاد نے چونکہ  
گمراہی کھول دیں۔ اور پھر خواب کی سی حالت میں سیرڈھی  
تھام لی۔ اب وہ اس کے ساتھ تک رہی تھی۔ اب اخون  
نے فاروق کو آٹھایا۔ اور بولے:

"چلو فاروق۔ شاباش۔ فرزاد نے سیرڈھی کو پکڑ لیا ہے۔  
اب تمہاری باری ہے۔ ہمت کرو۔"

فاروق بھی تک لگا۔ محمود ان کی نسبت بہتر حالت  
میں تھا۔ اس نے انپکٹر جمیش کے کوئی جملہ کرنے سے پہلے  
سیرڈھی پکڑ لی۔ اکثر پھر انپکٹر جمیش بھی تک لگے۔

اب سیرڈھی اور پر اُٹھنے لگی۔ پھر اس کا رُخ تبدیل  
ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ آگی زدہ مکان سے دور  
ہو گئی۔ تب وہ نیچے ہونے لگی۔ جوں ہی زمین کی سطح  
کے قریب ہوئی۔ کچھ لوگوں نے انھیں تھام لیا۔ جلد ہی

ہے۔ کئی بار فون کیا جا چکا ہے، لیکن وہ تو شاید پڑے  
شور ہے ہیں۔

بلند آواز میں لوگ باتیں کرتے رہے، شور بڑھتا  
گیا۔ یہ لوگ ضرور سکون سے کھڑے تھے۔ اور پھر اگلے مندر  
کو چھو نے لگی۔ انھیں شعلوں کی پیٹ سے سوہنے کو بچانے  
کے لیے بیٹھا پڑا۔ ادھر لوگوں میں شور گونجا،  
"ارے۔ وہ بے چارے گا۔ افسوس۔ ہم ان کے  
لیے پکھونا نہ کر سکے!"

انسی وقت فائز بریگیڈ کی لفڑیوں کی آوازیں گونج ملیں،  
سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ وہ ایک بار پھر اٹھ کر ہاتھ  
ہلانے لگے، لیکن زیادہ دیر کھڑے نہ رہ سکے۔ پھر گرے،  
ادھر لوگ بُری طرح شور پھا رہے تھے۔ چیخ چیخ کر فائز  
بریگیڈ کے عسلے کو بتا رہے تھے کہ اس چھت پر زندہ انسان  
موجود ہیں۔

فائز بریگیڈ والوں نے کافی مہارت دکھائی اور لوہے  
کی ایک سیرڈھی جلد ہی چھت تک آگئی، پھر پیکر پر اعلان  
کیا گیا۔

"چھت پر جو لوگ موجود ہیں۔ وہ فوراً لوہے کی  
سیرڈھی کو پکڑ لیں۔ انھیں اور آٹھا لیا جائے گا۔ ڈرنے

وہ ایمبولینس میں لیٹے ہسپتال کا رُخ کر رہے تھے اور  
محسوس کر رہے تھے کہ موت کے منہ سے بکل آئے ہیں۔  
وہ نیم بے ہوش سے تھے۔ مکمل طور پر ہوش میں آئے تو  
خان رحمان اور پروفیسر داؤڈ کو اپنے اوپر جھکے ہوئے پایا،

”آپ لوگوں کو یکسے اطلاع ہو گئی؟“

”یہ خبر تو سادے شہر میں گشت کر رہی ہے۔“ خان  
رحمان بولے۔

”بس یوں سمجھ لو خان رحمان۔ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی زندگی  
عطای فرمائی ہے۔“

”ہم ہوں۔ یکنابھی تک یہ بات پتے نہیں پڑی کہ یہ  
سب آخر کیا ہو رہا ہے۔“

”ہاں۔ اس پر بخوب کرنا ہو گا۔ اُو چیز۔ اب ہم اور  
یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔“ انپکٹر جمیش نے آٹھتے ہوئے کہا۔  
”یکن جمیش۔ ڈڈ۔ ڈاکٹر۔“ پروفیسر داؤڈ ہکلا تھا۔

”ایسی کی ترتیب۔ تیسی۔“ انپکٹر جمیش کے الفاظ درمیان میں  
رو گئے، یکوں کہ اسی وقت تین ڈاکٹر تین نرسوں کے  
ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

”نہیں جتاب۔ ابھی آپ کو کم از کم چار گھنٹے مزید  
ہسپتال میں گزارنا ہوں گے۔“

”جی۔ کیا فرمایا۔ کتنے گھنٹے؟“ فاروق نے پوچھا کر کہا۔

”صرف چار گھنٹے؟ ایک روز نے مُکرا کر کہا۔

”ن۔ ناممکن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“ انپکٹر جمیش نے من  
بنایا۔

”بھروسی ہے جتاب۔ اُپر کے آڑوڑ زیبی ہیں۔“

”اوپر کے آڑوڑ۔ کیا مطلب؟“

”آپ کے زخمی ہونے کی خبر دار الحکومت بھی پہنچ گئی  
ہے۔ اور وہاں سے آئی بھی صاحب روانہ ہو چکے ہیں۔ جب

تک وہ نہ آیں۔ آپ، ہسپتال سے نہیں جائیں گے۔“

”اوہ! اس صورت میں ہم میں سے ایک یہاں شہر  
جاتا ہے۔“ انپکٹر جمیش بدلے۔

”نہیں جتاب۔ ہم آپ کو اجازت نہیں دے سکتے۔ آئی بھی  
صاحب نے فون پر۔ یہی ہدایات دی تھیں کہ آپ کو جانے  
نہ دیا جائے۔“

”مل۔ یکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ انہیں کس طرح  
اطلاع مل گئی۔“

”پتا نہیں جتاب۔ یہ تو وہی بتا سکتے ہیں۔“ ایک ڈاکٹر  
نے کہہ آپکے۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ آپ اپنا کام کریں۔“ انپکٹر جمیش تھکے تھکے

نے چونک کر کہا۔

”اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔ ضرورت بھی تو ہے ہمیں ایک بات کی: فاروق خوش ہو گی۔“

”تو پھر تینیس۔ کہیں یہ سارا چکر بلاستنڈ کنگ اور سی موں کو جیل سے چھڑانے کے لیے تو نہیں چلایا گیا۔“  
اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ان کے چھرے انپکٹر جمیش کی طرف گھوم گئے۔ ان کی آنکھوں میں بھی انھیں چمک نظر آئی۔

”ھریے۔ میں سترل جیل کو فون کر لوں۔“  
انپکٹر جمیش نے کہا اور فون کی طرف ٹاکہ بڑھا دیا۔

انھوں نے نہر گھام کے اور بولے:  
”ہیلو۔ سر۔ انپکٹر جمیش بول رہا ہوں۔ میر بلال استنڈ کنگ اور میر سی موں کی خیریت معلوم کرنے کا خواہش مند ہوں۔“

”میر بلال استنڈ کنگ اور میر سی موں۔ کیا مطلب؟“ ادھر سے چونک کر کہا گیا۔

”جی ہاں! اس میں چونکنے کی کیا بات ہے۔“  
”ہاں واقعی۔ چونکنے کی تو اس میں کوئی بات نہیں تھی۔ ایس پی جیل نے کھوئے کھوتے انداز میں کہا۔“

انداز میں بولے۔

ڈاکٹر اور نریں اپنا کام کر کے رخت ہو گئے۔  
”یکوں نہ پہنچے ہمیں بیٹھے بیٹھے جائزہ لے لیا جائے۔“  
شاید اس وقت تک آئی جی صاحب بھی آ جائیں۔ ہو سکتا ہے۔ ان کے پاس کوئی اہم اطلاع ہو۔“

”ہوں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ ہم جانے میں جلدی نہیں کریں گے۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”اب ذرا وضاحت کر دو۔ تمہارے نیوال میں چکری ہے۔“ پروفیسر داؤڈ بولے۔

”یعنی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک میں کچھ نہیں سمجھ سکا، ایک بات ضرور واضح ہے۔ یہ کہ ڈی آئی جی صاحب کو انھوں کیا گیا ہے۔ یکوں انھوں کیا گیا اور انھوں کر کے کہاں رکھا گیا ہے۔ یہ، ہمیں معلوم کرتا ہے۔ اگر ہم کسی طرح خان صاحب تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر اصل بات معلوم ہونے میں دیر نہیں گے۔“ انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

”اسی سلسلے میں ہم شوفا جانی کے لئے گھر گئے تھے، لیکن وہ پہنچے ہی ہو شیار تھے۔ ہمیں اندر بند کر کے آگ لگانے میں کامیاب ہو گئے۔“

”اوہ۔ میرے دہن میں ایک بات آ رہی ہے۔“ فرزاد

”کیا مطلب - چونکے کی بات نہیں تھی - پھر بھی آپ  
چونکے تھے - آخر یکوں؟“

”ان دونوں کے نام ہی ایسے ہیں - اور پھر ان کے  
ہمارے میں پدایات بھی بہت سخت ہیں：“

”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ دونوں جیل میں  
ہی موجود ہیں - فراد نہیں ہوئے یا انھیں فراد کرانے کی  
کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ انھوں نے پُر سکون آواز میں کہا۔

”جی ہاں! ہاکل بھی بات ہے：“

”تب آپ ہوشیار رہیں - میرا خیال ہے، انھیں جیل سے  
رہا کرانے کی کوئی کوشش ضرور کی جائے گی：“

”اوہ - یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟ اس نے بوکھلا کر  
کہا۔

”یہ صرف ایک خیال بھی ہو سکتا ہے، لیکن ہمیں احتیاط  
کا دامن تھام لینا چاہیے：“

”ٹھیک ہے، آپ فکر نہ کویں؟  
انپکٹر جمیش نے رسیور رکھ دیا۔

”چلو - یہ فکر تو ڈور ہوا - اور اس کا مطلب یہ ہے  
کہ ڈی آئی جی صاحب کا اغوا اس مقصد کے لیے نہیں کیا  
گیا - یا کم از کم ابھی تک یہ کام نہیں بیا گیا - اب میں

یہاں اور نہیں شہر سکتا۔ مجھے ہر حال میں اس جگہ پہنچنا  
ہے - جہاں خان صاحب موجود ہیں۔ انھوں نے جوش کے  
عالم میں آشٹے ہوئے کہا۔

”لیکن مشکل ہے۔ اب آجائیں۔ آپ جائیں گے کہا؟“  
فرزاد نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

”ہاں! شوفا جانی کے لھر کے ہل جانے کی صورت میں ہم  
تمام سراغ کھو چکے ہیں۔“ محمود نے کہا۔

”یہ بات نہیں: یہرے پاس ان کا سراغ لگانے کا ذریعہ  
موجود ہے۔“ وہ مسکرا کے۔

”اوہ۔ آپ کا مطلب ہو ٹول سیماپ سے ہے؟“ فزاد نے  
چونک کر کہا۔

”ہاں۔ خان صاحب کو اغوا کرنے والوں میں سے ایک کی  
جیب میں آخر ہوٹل سیماپ کا کارڈ یکوں تھا۔ پھر یہ کہ جب  
میں نے ہوٹل میں کمرے کرانے پر لے لیے۔ تو شوفا جانی  
کو وہاں مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی یہ ضرورت تھی۔ میں تو  
ان کا سراغ کھو چکا تھا۔“

”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہوٹل کا اس اغوا سے  
ضرور کوئی ذکر کوئی تعلق ہے؟“

”ہاں! ہاکل!“

" تو چھر پھیلے۔ ہمیں فوری طور پر وہاں پہنچ جانا چاہیے۔"  
فراز نے بے تاباذ انداز میں کہا۔

" اور۔ اور آپ اس شخص کے بارے میں تو بھول ہی  
گئے۔ محمود نے جلدی سے کہا۔

" کس کے بارے میں۔ بٹوہ پھور کی طرف اشارہ ہے لیکن  
جی ماں۔ آخر آپ نے ہوٹل کے بیرون کے مقابلے  
میں اس شخص کی مدد کیوں کی تھی؟"

" بس مجھے ایک ہی اطمینان ہے۔ اس سارے معاملے  
میں "انپکٹر جمیش" پر اسرار انداز میں مکارے۔

" جی۔ کیا مطلب؟ وہ پوچھے۔

" اگر میں اس شخص کی مدد نہ کرتا تو اس وقت ہسپتال  
میں سکون سے باہمی نہ کر رہا ہوتا۔"

" جی۔ کیا مطلب؟

" آؤ۔ پہلے ہوٹل چلیں۔ پھر۔"

اسی وقت تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر  
آئی جی۔ شیخ شمار احمد اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے  
ایک اسنٹلیٹ محبوب قادر بھی تھے۔

شاید تم یہاں سے رُختے ہونے ہی والے تھے۔"

" جی ماں۔ اگرچہ آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔

لیکن میں خان صاحب کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔"

" وہ گھر پہنچ چکے ہیں۔"

" جی۔ کیا فرمایا۔ وہ گھر پہنچ چکے ہیں۔ وہ زور سے اچھے۔

" ہاں اب آپ لوگوں کو ان کے بارے میں نظر مند  
ہونے کی ضرورت نہیں۔"

" اور۔ انہوں نے کیا بتایا۔ انھیں کس نے انہوں کیا تھا  
اور کیوں؟"

" انہوں۔ ابھی وہ کچھ بتانے کے قابل نہیں۔"

" جی کیا مطلب؟"

" وہ مسلسل ہے ہوش ہیں۔ انھیں شہر کی ایک سڑک  
کے کنارے ہے ہوش پایا گیا تھا۔ اس وقت سے ڈاکٹر

سر توڑ کوشش کر رہے ہیں، لیکن وہ ہوش میں نہیں آئے۔  
اوہ۔ تب تو ہمیں فوراً دارالحکومت چلتا چاہیے۔"

" ارے مگر۔ انپکٹر جمیش کچھ کہتے رکھ گئے۔

" کیا کہنا چاہتے ہو؟ شیخ صاحب نے سمجھ دیا میں پوچھا۔

" یہ بات تو آپ فون پر ہی بتا سکتے تھے۔ آپ کو لمبا  
سفر کر کے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

" ہاں جمیش۔ تم نے ٹھیک سوال کیا۔ میں یہی سوچ رہا  
تھا کہ تم یہ سوال کرتے ہو یا نہیں۔ نیز تسوں۔ معاملہ حدود رجے

پُر اسرار ہے۔ خان صاحب نے اپنے داماد کو فون کیا تھا:  
” یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ آپ کا مطلب ہے، انہوں  
ہونے کے بعد انہوں نے فون پر اپنی بیٹی کے شوبرا  
سے بات کی تھی: ”  
” ہاں! وہ بولے۔

” اوہ۔ انہوں نے کیا بات کی تھی؟ وہ سب کے سب  
لے چکی ہو گئے۔

” ان کا داماد۔ یہاں کی سرحد پر کرنل ہے۔“  
” اور انہوں نے اپنے کرنل داماد سے فون پر بات کی،  
اس وقت جب کہ وہ دشمن کی قید میں تھے۔“  
” ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں:“

” انہوں نے کیا بات کی تھی؟“  
” اگر یہ معلوم ہوتا تو میں یہاں کیوں آتا۔“  
” بات صحیح میں نہیں آئی:“

” یہ بات ان کی بیٹی نے فون پر ہمیں بتائی ہے۔  
یہیوں کہ دارالحکومت سے ہم نے خان صاحب کا اسراز  
لگانے کے لیے ادھر ادھر فون کیے تھے۔ چنانچہ ان کی بیٹی  
کو بھی فون کیا تھا۔ ان کی بیٹی نے بتایا کہ ابھی ابھی  
ان کا فون ان کے شوبرا نے سننا تھا اور پچھے بتائے بغیر

بہت تیزی کے عالم میں گھر سے نکل گئے تھے۔ وہ روکتی ہی  
رو گئیں، لیکن کرنل صاحب نہ رُکے۔“  
” اس کا مطلب ہے۔ ڈی آئی جی صاحب نے انہیں  
کوئی خاص خبر دی تھی۔ لیکن افسوس۔ ہم نہیں جانتے۔  
وہ کیا بات تھی۔ اور فون سن کر مر۔ ان کا نام کیا ہے  
جناب۔ خان صاحب کے داماد صاحب کا؟“

” کرنل شوکت عالم۔“

” مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں کرنل شوکت صاحب کو تلاش  
کرنا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کیس تو وہی ہے۔ اس لیے  
ہم ہو ٹھیک ہاں کا ہی رُخ کریں گے۔“

” رُخ کرنے سے پہلے میری ایک بات اور سن لو۔  
وہی بات بتانے کے لیے مجھے خود آنا پڑا۔ شیخ صاحب بولے۔“

” جی فرمائیے۔“

” ان دونوں سلطان جنگ نے بہت اہم مقام کی  
چیخت ساصل کر لی ہے۔“

” جی۔ وہ کس لحاظ سے؟ انپکٹر جنید کی پیشانی پر بل  
پڑ گئے۔“

” یہاں غیر ملکی جاسوسوں کی آمد رفت زوروں پر ہے۔  
لئے بڑے غیر ملکی جاسوسوں کو شناخت کیا جا چکا ہے، لیکن

افسوس - ان پر لا تھے نہیں ڈالا جا سکا - جب بھی ان کی جملک نظر آئی ہے - ہماری سول اور ملٹری پولیس حکمت میں آ جاتی ہے - لیکن - وہ چھلادے کی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔

"گویا سلطان جنگ ان دونوں جاسوسوں کا الھاڑہ بنایا ہوا ہے" فاروق نے زبان بلائی۔

"جج - جاسوسوں کا الھاڑہ" - نام تم نے لیا فاروق - اور اس نام کو کسی ناول کا نام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پروفیسر داؤڈ نے یہ رکھا ہو کر کہا۔

"اوہ شکریہ - میں تو بھول ہی گیا تھا۔ واقعی۔"

"اس کے علاوہ ایک اور خوبیہ بات - تین دشمن ممالک میں ہمارے کئی جاسوس غائب ہو گئے ہیں - ہم برابر ان سے رابط قائم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ، لیکن رابط قائم نہیں ہو رہا - جس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ خیریت سے نہیں ہیں - وائریس اور فون پر ہونے والی لگفتگو بہت باقاعدگی سے ٹیپ کی جا رہی ہے - اس لیے مجھے خود آنا پڑا۔"

"بہت بہت شکریہ بخاطب - آپ نے بہت سختی نیز خبریں سنتی ہیں - اب میری آپ سے ایک درخواست ہے - اور وہ

یہ کہ آپ فوراً دارالحکومت تشریف لے جائیں اور جیل میں بلائندگی اور سی موں سے ملاقات کریں۔

"یکوں - ان سے ملاقات کر کے کیا ہو گا؟"

"کم از کم اتنا ضرور معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوگ جیل میں ہیں یا نہیں۔"

"وہ تو آپ فون کر کے معلوم کر چکے ہیں" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں ! میں معلوم کر چکا ہوں ، لیکن ابھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔"

"اچھی بات ہے - یہ میں کر دوں گا - تم کرنل شوکت عالم کی گم شدگی کا مسئلہ حل کرو - تمام بڑے آفیسر ان کی گم شدگی پر پریشان ہیں۔"

"آپ غور نہ کریں - اب ہم سلطان جنگ میں ٹھہر کر دشمنوں کے خلاف جنگ لڑیں گے" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"لیکن اس جنگ میں بہت ہو شیار رہنے کی ضرورت ہے - ابتدائی تمام حملوں میں ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔"

"آئی جی صاحب نے البحن کے عالم میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ، لیکن ہم بے خبری میں ناہرے ہو گئے - یہ تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ معاملہ اس حد تک گرا ہے۔"

"کام اس قدر ضروری ہیں کہ ہم نہیں رک سکتے۔ معاملہ ملک اور قوم کا ہے۔"

"یکن ابھی تک آپ کے ذہنوں پر حادثے کا اثر ہے۔ ایک ڈاکٹر نے کہا۔

"فکر نہ کریں۔ باہر کی ہوا گئے ہی اثر زائل ہو جاتے گا۔" فرزان نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ نکلے چلے گئے۔ ڈاکٹر بت بنتے کھڑے رہ گئے۔ وہ سید ہے ہٹلی سیاحاں پہنچے۔ ہال میں ہی ایک میز پر انہیں مارٹر بون بکرے کی ران پر ہاتھ صاف کرتا نظر آیا۔ ان کے تدم اس کی طرف آٹھ گئے۔ مارٹر بون کی نظریں بھی ان کی طرف آٹھ گئیں:

"اوہ۔ آپ لوگ ہیں۔ آئیے آئیے۔ تشریف رکھئے۔ بکرے کی ران منگواؤں آپ کے لیے۔"

"نہیں مارٹر بون۔ حساب برابر کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"میراوار آپ پر ادھار ہے۔"

"اوہ ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔ اس نے ران ٹرے میں رکھ دی۔"

"پہلے خیر۔ اب تو معلوم ہو گیا۔ آئی جی صاحب بولے۔" ایک بات اور۔ آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ ہم سلطان جنگ کے اس ہسپتال میں ہیں ہمیں ہمود نے کہا۔

"مجھے اکرام نے بتایا کہ تم لوگ سلطان جنگ کے لیے روانہ ہوئے ہو۔ میں نے یہاں فون کیا تو تم لوگوں کا پتا نہ چل سکا۔ جب دوبارہ فون کیا تو اس وقت تک انپکٹر اختر عباس سے تھاری ملاقات ہو چکی تھی اور تم لوگ ہسپتال میں داخل بھی ہو چکے تھے۔ میں نے ہسپتال کے ایم ایس کو پابند کر دیا کہ میرے آنے تک تم لوگوں کو نہ جانے دیا جائے۔ انہوں نے کہا اور آٹھ کھڑے ہوئے۔

"آن کے رخصت ہوتے ہی وہ لوگ ہسپتال کے کمرے سے نکل کھڑے ہوئے۔ سامنے سے وہی ڈاکٹر چلے آ رہے تھے۔" ارسے ارسے۔ آپ لوگ کہاں چل دیے۔ ہم نے بتایا تھا۔"

"بس بس جا ب۔ دوبارہ بتانے کی کوشش نہ کرنا۔" فاروق نے مدد پنایا۔

"نہیں جا ب۔ آپ نہیں جا سکتے۔"

"رہنے دیجیے۔ ہم جا رہے ہیں۔" ہمود نے کہا۔ انپکٹر جمشید مسکرا دیے اور بولے:

"پھر کیا نیحال ہے۔ وار یہیں وصول کریں گے یا اُپر کمرے میں؟"

"آپ کیا پسند کریں گے؟"

"اوپر ہی مناسب رہے گا"

"میں لاش تک دھو کر ابھی آیا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر غسل خانوں کی طرف چلا گی۔

پھر پورا ایک منٹ گزر گیا، لیکن ماسٹر بون لوٹ کر نہ آیا۔ انھیں الگ بن ہونے لگی۔ آخر انپکٹر جمیش غسل خانوں کی طرف بڑھے۔ دوسرے ہی لمحے وہ ٹھیک گئے۔

پہلے غسل خانے میں، ہی ماسٹر بون کی لاش پڑی تھی۔

## پستول کا مکال

انپکٹر جمیش پہنچنے کے لیے ساکت رہ گئے، پھر لاش پر بھک گئے۔ انہوں نے جلدی جلدی اس کی جیسوں کی ملاشی لی۔ اور جو چیزیں بھی میں، اپنی بحیب میں ڈالتے چلے گئے۔ فرش پر ایک خنجر اور ایک ٹائی پن بھی پڑی نظر آئی۔ ٹائی پن کو دیکھ کر وہ چوبک اٹھے۔ اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر ایک بینج آہری:

"اُف اللہ۔ آپ۔ آپ نے ماسٹر بون کو قتل کر ڈالا۔"  
وہ آواز کی طرف ٹڑے۔ ایسا سمجھنا پہنچی آنکھوں

سے لاش کو کبھی انھیں دیکھ رہا تھا:  
"لیکن مجھے ضرورت کیا تھی۔ ایسا کرنے کی۔" انپکٹر جمیش  
خوش گوار بھے میں بولے۔

"ضرورت۔ آپ کو اس سے انتقام یہنا تھا۔ ایسا  
بھاگ کرنا نہ کہا۔"

میک آپ میں تھے:

"گویا ما سٹر بون کچھ نہ کچھ جانتا تھا، لیکن وہ بات تو پھر ایساں بھاگڑا کو بھی معلوم ہو گی۔ محمود نے کہا۔

"ہاں! اب ہم اس پر توجہ دیں گے۔"

اسی وقت تیز قدموں کی آواز نئائی دی۔ ایساں بھاگڑا چلا آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بوش کے آثار تھے۔

"ڈی ایس پی صاحب خود تشریف لارہے ہیں جناب۔"

"تو آپ نے انپکٹر اختر عباس کی بجائے ڈی ایس پی صاحب کو فون کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ انپکٹر اختر عباس مجھے گرفتار تو کرنے نہیں سکے گا، لیکن مسٹر بھاگڑا۔ آپ کو نہیں معلوم۔ ڈی ایس پی صاحب بھی میری گرفتاری کا حکم نہیں دے سکیں گے۔"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ آپ کو گرفتار کرنے کی، اگر یہ جرم آپ نے نہیں کیا تو یہ آپ کا حق ہے کہ آپ آزاداں گھومیں پھریں۔"

"اگر یہ قتل میں نے کیا ہوتا، تب بھی مجھے گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا۔" وہ بولے۔

"خیر۔ مجھے کیا۔ ایساں بھاگڑا جل گی۔ آخر پویس دہاں پہنچ گئی۔ ہال میں لوگ بنے چین کو، بارے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔ جب کہ پہنچے، ہم

بے چارے ما سٹر بون کو خنجر کے ذریعے قتل کیا گیا ہے۔ اگر خنجر پر میری انگلیوں کے نشانات مل جائیں تو ضرور یہ بات کہی جا سکتی ہے۔"

"آپ نے رومال سے انگلیوں کے نشانات صاف کر دیے ہوں گے۔"

"خیر۔ آپ پویس کو بلا لیں۔ انھوں نے کہتے ہیں کہ اچھا تھے۔" ضرور۔ یہ تو مجھے کہنا ہی ہو گتا۔ اس نے کہا اور ایڑلوں پر گھوم گیا۔

"خیر تو ہے جمیش ڈی خان رحمان کی آواز گوئی۔" ہاں۔ سب خیریت ہے، بس ذرا ما سٹر بون کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"اے باپ رسے۔ یہ خیریت کی کون سی قسم ہے؟ خان رحمان کے مزے نکلا۔"

"ما سٹر بون ہماری پارٹی کا نہیں، مخالف پارٹی کا آدمی تھا۔ اس کے مارے جانے پر میں کہ سکتا ہوں کہ سب خیریت ہے۔ انپکٹر جمیش مسکارے۔"

"لیکن ابھا جان۔ اے سے کیوں قتل کیا گیا؟" "تامکھ ہم اس سے کچھ معلوم نہ کر سکیں۔ اب ان لوگوں کو، بارے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔ جب کہ پہنچے، ہم

ہو گئے تھے۔ ان سب کو روک دیا گی تھا۔ اور باہر جانے کے تمام راستے بند کر دیے گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سب بے چین بھی تھے اور خوف نہ دہ بھی۔

” تو آپ انپکٹر جمیل ہیں؟ ڈی ایس پی نے ناخوش گوار بھی میں کہا۔

” جی ہاں ہی انپکٹر جمیل بولے۔

” لیکن انپکٹر جمیل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ لوگوں کو دھڑا دھڑ موت کے گھاٹ آتا رہتے پھریں؟

” شاید آپ کا اشارہ شوفا جانی کی طرف ہے: انھوں نے کہا۔

” میرا اشارہ اس لاش کی طرف بھی ہے۔

” اسے تو خیر ہیں نے قتل نہیں کیا۔ ہاں شوفا جانی ضرور یہ رے ہاں ہوں مارا گیا تھا، وہ بھی اس وجہ سے کہ اس نے مجھے ختم کر دینے کی کوشش کی تھی۔

” لیکن آپ کو اس لاش کی ملاشی لیتے دیکھا گی ہے۔

” کہ اس سے پہنچ منٹ پہلے ماسٹر بون زندہ سلامت ہاں میں موجود تھا۔

” جی ہاں ہی ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس کے باوجود میں یہی کہوں گا کہ اسے میں نے قتل نہیں کیا۔

” لیکن آپ کو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے؟

” کیا آپ مجھے گرفتار کرنا پاہتے ہیں؟

” ہاں یہ دہ بخت کر بولا۔

” افسوس! آپ ایسا نہیں کر سکیں گے: یہ کہ انھوں نے جیب سے اپنا اجازت نامہ لکال دیا۔

” میں اس اجازت نامے کے بارے میں سُن چکا ہوں۔ آپ کو میرے ساتھ پولیس بیٹھ کو اور ڈچلنا پڑے گا۔ ہاں اسی پلی صاحب موجود ہیں۔ آپ ان کا اطمینان کر دیں، پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“

” افسوس! میں بہت مصروف ہوں۔ میرے پاس وقت نہیں کہ ان کے پاس جاؤں؟“

” اور میں بھی مجبور ہوں۔ آپ کو ہاں لے جانے پر“

” کیا آپ اس اجازت نامے کو پڑھنا بھی پسند نہیں کریں گے؟“

” نہیں! اس نے ناکہ ہوں چڑھائی۔

” اس کا مطلب تھا ہے کہ آپ صدر مملکت کا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہیں: انپکٹر جمیل بولے۔

” اس شہر کا ڈی ایس پی میں ہوں۔ شہر میں مجھے ای کرنا ہے، امن امان کس طرح بحال رکھنا ہے۔ یہ میرا کام

ہے۔ اس نے منہ بننا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اگر آپ مجھے ضرور گرفتار کرنا چاہتے میں تو کر لیں، لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔ انپکٹر جمیشہ مسکرائے۔"

"شرط۔ کیسی شرط۔ میں کسی مجرم کی کوئی شرط یکوں مانوں۔" اس نے بھٹا کر کہا۔

"بہتر ہو گا۔ ہم کسی کمرے میں بیٹھ کر بات کر لیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"مجھے ضرورت نہیں۔ میں تو انھیں گرفتار کر کے لے جا رہا ہوں۔" اس نے گندھے اچکائے۔

"ٹھہریے۔ آپ کو ایک چیز اور دکھا دوں۔" یہ کہ کر انپکٹر جمیشہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں پستول موجود تھا۔

"یہ کیا۔ یہ تو پستول ہے۔" ڈی ایس پلی نے کہا۔

"ہاں جناب۔ ہم نے کب کہا ہے کہ یہ توپ ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"بُوی بات ہے فاروق، بڑوں سے اس طرح بات نہیں کرتے۔" انپکٹر جمیشہ نے اسے گھورا۔

"آپ ہوش میں تو ہیں۔ مجھ پر پستول تانے کا انعام

ہانتے ہیں۔"

"اوپر کمرے میں چل کر بات کرنے کے بارے میں کیا میں تو کر لیں،" ڈی ایس پلی نے فرما کہا۔

"ٹھیک ہے، کر لیتے ہیں۔"

"پہلے تو آپ تیار نہیں تھے۔ کمال ہے۔ فزادہ بولی۔"

"یہ ان کا نہیں۔ پستول کا کمال ہے۔ محمود ہنسا۔"

"پستول میرے ہاتھ میں رہے گا۔ اس پر میں رو مال ال یتا ہوں۔ نال کا رُخ آپ دونوں کی طرف رہے۔ اسی حالت میں ہم لفٹ میں سوار ہو کر اوپر جائیں گے اور اس کمرے میں بیٹھ کر بات کریں گے جس میں شوفا یانی نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔"

"شش۔ شوفا۔" ایساں بھاگڑا نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"اس۔ اس کی روح۔ وہیں ہو گی اس کمرے میں۔"

"نکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ روح آپ کو کچھ میں کہے گی۔"

"آپ کو کیسے معلوم۔" اس نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ آپ ندوں سے بہت ڈرتے ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"نہیں ابھاری اپنی حکومت ہے۔ جس کا ملک کی حکومت

بے کوئی تعلق نہیں"

"تب تو یہیں نے اچا کیا۔ کہ آپ دونوں کو اپر لے  
آئیا۔"

"نہیں۔ بہت برا کیا۔ بہت جلد اس کمرے کو گھیر لیا  
جائے گا۔"

"اس وقت تک ہم آپ بوجوں سے اپنا مطلب نکال  
لیں گے۔ فکر نہ کریں۔"

"خیر۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"پہلا سوال۔ ڈی آئی جی صاحب کو دار الحکومت سے کیوں  
نہ  
اغوا کیا گیا تھا؟"

"یہ بات ہمیں نہیں معلوم۔ ایساں بھاگڑا نے کہا۔"

"دوسرा سوال۔ ماسٹر بون کے بٹوے میں ایسی کیا چیز  
تھی جو اٹالی گئی۔ اور ماسٹر بون بٹوہ حاصل کرنے کے لیے  
بہت بے چین ہو گیا تھا۔"

"بھن یہ بھی نہیں معلوم۔"

"نہود۔ یوں کام نہیں پلے گا۔ کمرے کا دروازہ اور  
کھڑکیاں اندر سے بند کرو۔ ان دونوں کو ان کے خون  
میں نہلانا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے ہوتے ہوئے رو میں آپ  
کو پکھ نہیں کہیں گی۔"

"لک۔ یکوں۔ آپ روحوں کے رشتے دار ہیں۔ ایساں بھاگڑا  
نے گھوڑا کر کہا۔"

"ہاں ابھت پُرانی رشتے داری ہے۔"

"فاروق، وقت ضائع ہو رہا ہے تھاری وجہ سے۔"

"اوہ۔ مجھے افسوس ہے آبا جان۔"

"وہ چل پڑے۔ اور اوپر کرتے میں پہنچ گئے۔ اب  
انپکٹر جمیش نے رومال پستول پر سے ہٹا لیا۔"

"انپکٹر صاحب۔ آپ نے اپنے پاؤں پر کھڑائی مار لی  
ڈی ایس پلی غرایا۔"

"نن۔ نہیں تو۔ ہم نے تو نہیں دیکھا۔ کھڑائی مارتے  
ہوئے۔ فاروق، بوکھلا اٹھا۔"

"آپ کیسے کہ سکتے ہیں۔ انپکٹر جمیش نے ڈی ایس پلی  
کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔"

"اس لیے کہ اس شہر پر صرف اور صرف ہماری حکومت  
ہے۔"

"آپ کی حکومت سے کیا مُراد۔ کیا آپ کا تعلق نہک  
کی حکومت سے نہیں ہے؟"

وہ تو واقعی ایاس بھاگڑا کو بُزدل ترین آدمی خیال کر بیٹھتے تھے۔



ایاس بھاگڑا تیر کی طرح ان سے آٹھکھایا اور پستول دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں نظر آیا۔ وہ سب دھک سے رہ گئے۔ دوسرے ہی لمحے ڈی ایس پی چلا آٹھا:

”وہ مارا سر۔ آپ نے تو کمال کر دیا۔“

”کمال میں نے نہیں۔ تم نے کیا ہے مژر رو چنگ۔“

”مژر رو چنگ۔ کیا مطلب۔ کہنا یہ ڈی ایس پی نہیں ہیں؟“

”نہیں۔ یہ را ایک اونٹی ماتحت ہے۔ اس کے جُجھے نے ہی تم لوگوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ میں ایک بُزدل آدمی ہوں۔“

اس نے شوخ آواز میں کہا۔

”اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔“

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر دروازے پر دستک ہوتی:

”ٹھیک ہے۔ اندر حالات ہمارے کنٹرول میں ہیں۔ تم لوگ باہر موجود رہو۔ اگر ضرورت پڑی تو بُلا لیں گے۔ اور ہاں۔ کوئی بھی شخص اس کمرے کی طفتہ نہ آنے پانے۔“ ایاس بھاگڑا

”نہیں۔“ ایاس بھاگڑا نے کانپ کر کہا۔

”بھاگڑا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر بُزدل ہو۔“

”پہلیے اب تو معلوم ہو گیا۔ ہمارا شکریہ ادا کریں جن کی وجہ سے کام کی یہ بات آپ کو معلوم ہوئی۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

”میرا تیسرا سوال۔ ماشر بون کو کیوں ہلاک کیا گیا ہے اور کس نے کیا ہے؟“

”آپ نے۔ باقی رہا یہ سوال کہ کیوں ہلاک کیا ہے۔ تو اس کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں کہ انتقام لینے کے لیے۔“

”گویا آپ کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے۔ نیز۔ میں آخری سوال کر رہا ہوں۔ اس کے بعد ذمے داری آپ کے اپنے سر ہو گی۔ کرنل شوکت عالم اس وقت کہاں ہیں؟“

انپکٹر جمیش بولے۔

”لک۔ کرنل۔ شوکت عالم۔ لک۔ کون۔ کرنل شوکت۔“

ایاس بھاگڑا نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا اور پھر اچانک اس نے انپکٹر جمیش پر چلا ہنگ لگا دی۔

اور اس وقت انپکٹر جمیش کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔

نے گرج دار آواز میں کہا۔

”اوکے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔“ باہر سے آواز سنائی دی۔

اب ایاس بھاگڑا روچنگ کی طرف مڑا اور یک دم پستول اس کی طرف اچھال دیا۔ اس نے بلا کی تیزی سے پستول دبوچ دیا۔

”روچنگ۔ تمیں کتنی دیر لگے گی۔“

”بس چند منٹ۔“ اس نے عجیب سی آواز میں کہا۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ نیند میں ہو۔

اور ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ نشانہ انپکٹر جمیڈ کا لیا تھا۔ وہ پوری طرح ہوشیار تھے۔ فرش پر لٹھک گئے۔

”سبھل کر روچنگ۔ یہ عام لوگ نہیں ہیں۔“ ایاس بھاگڑا بڑھا دیا۔

روچنگ نے دوسرا فائر کیا، لیکن انپکٹر جمیڈ نے یہ وار بھی غالی دیا۔

”کیا کر رہے ہو روچنگ۔ پھر ڈوسروں کو نشانہ بناؤ۔“

جب ان میں سے ایک دو مارے جائیں گے تو انپکٹر جمیڈ کے حواس گم ہو جائیں گے۔ اور اس وقت اسے نشانہ بنانا بہت آسان کام ہو گا۔ ایاس بھاگڑا گرجا۔

”آپ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

اس نے کہا اور تیزی سے گھوستے ہوئے محمود پر فائز کر دیا۔ محمود بھی چلاوے کی طرح اچھلا اور جب فرش پر گرا تو گولی اس کے نیچے سے نکل گئی تھی۔

”تیسرا گولی خدا نکئی۔ اب پستول میں صرف تین گولیاں باقی ہیں۔“ ایاس بھاگڑا نے کہا۔

”آپ کو گھبرا نے کی مژو دت نہیں۔ ہمارے ساتھی باہر موجود ہیں۔“ روچنگ بولا اور چوتھا فائر اس نے فاروق پر کیا۔ فاروق بلا کی رفتار سے گھوم گیا۔ اور گولی دیوار میں جا لگی۔

”پار نا کامیاں۔“ ایاس بھاگڑا بڑھا دیا۔

”میرا پانچواں فائز خالی نہیں جاتے گا سر۔ بے فکر رہیں۔“

”خیر۔ پانچواں بھی دیکھ لیتے ہیں۔“

اس سفرتہ اس نے فرزانہ کو نشانہ بنایا اور ناکامی نے اس کا منہ چڑایا۔ فرزانہ تڑپ کر فرش پر گری تھی اور گولی اس کے اوپر سے نکل گئی تھی۔

”آخری گولی۔ نہیں روچنگ۔ آخری گولی میں چلاوں گا۔“

اب تم میرا نشانہ دیکھو۔ جوں ہی میں گولی چلاوں گا۔ تم دروازہ کھول دو گے۔ تاکہ ہمارے ساتھی اندر آ سکیں۔“

"او کے سر" روچنگ نے کہا۔

"پستول میری طرف اچھاں دو" ایسا بھاگدا نے کہا۔

روچنگ نے ادھر ادھر دیکھا اور پستول اچھاں دیا۔

اوہ یہی اس کی غلطی تھی۔ انپکٹر جمیش فضا میں اچھلے اور

پستول پیچے گرنے سے پہلے ہی دبوچ یا۔ دوسرے ہی لمحے  
ان کی سرد آواز کمرے میں گونجی:

"بس۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ تم دونوں کا کھیل ختم ہو  
گیا۔"

ایسا بھاگدا نے روچنگ کو کھا جانے والی نظر وہ  
دیکھا اور کہا:

"پستول اس طرح اچھائتے ہیں؟"

"مم۔ اگر میں یہ کہوں۔ پستول اس طرح دبوچتے ہیں:  
روچنگ نے بڑا سامنہ ہٹایا۔

"تو میں تمھارا منہ فوچ لوں گا؟"

"آپس میں لڑنے کی بجائے۔ آپ دونوں ہم سے فیصلہ  
کر لیں" انپکٹر جمیش مسکرائے۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

محمود۔ اپنا چاقو نکال لو۔ انپکٹر جمیش نے سرد آواز  
میں کہا۔

"جی بہتر" اس نے کہا۔ تیزی سے مجھکا اور چاقو نکال یا۔

"چاقو اپنے انکل کو دے دو"

"جی بہتر۔ مل۔ لیکن آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"بس۔ دیکھتے جاؤ۔ مجھے ان سے اپنے سوالات کے  
جواب معلوم کرنا ہیں" انہوں نے کہا۔

خان رحمان نے چاقو اپنے ہاتھ میں لے یا۔ اور سوالیہ  
نظر وہ سے انپکٹر جمیش کی طرف دیکھا۔ جیسے کہ رہے ہوں:

"ہاں۔ جمیش۔ اب کیا کرنا ہے؟"

"چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھ دو۔ اور پوری طرح  
ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے خان رحمان۔"

"فکر نہ کرو۔" خان رحمان بولے۔ اور اگرچہ بڑھ کر ایسا  
بھاگدا کی گردن پر چاقو کی نوک رکھ دی۔

"کرنل شوکت عالم کہاں ہیں؟"

"کرنل۔ شوکت عالم۔ ہم نہیں جانتے"

"جھوٹ۔ خان رحمان۔ ایک سنٹی میٹر کے قریب چاقو اس  
کی گردن میں آتا دو۔"

"اچھا" انہوں نے کہا اور دباو ڈالا۔

"مر گیا۔ یہ۔ یہ چاقو تو بہت تیز ہے۔ اس نے گمرا  
کر کہا۔"

”اگر تیز د ہوتا تو ہمارے پاس کیوں ہوتا۔“ فاروق چکتا۔  
”خان رحمن - میں صرف تین تک گنوں گا۔ اگر اس پر  
بھی یہ منہ نہ کھوئے تو پورا چاقو گردن میں اتار دینا۔ انپر  
جشید ہوئے۔

”میں بھی کروں گا۔“ خان رحمن نے کہا۔

”ایک - دو۔“

”ٹھرو - م - میں بتاتا ہوں۔“ ایساں بھاگڑا چلا آٹھا۔  
”میں پہلے ہی جانتا تھا۔ تم منہ کھوں دو گے - جلدی  
کرو۔ بتاؤ۔ کرنل شوکت عالم کہاں، میں؟“  
”ہوشیار کے کمرہ نمبر ۹ میں۔“

”اب اپنے آدمیوں کو ہدایات دو کہ اندر سب خیریت ہے،  
وہ سب پہلے جائیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف  
منہ کر کے بلند آواز میں بولا:

”کمرے میں اب ہر طرح خیریت ہے۔ تم لوگ جا  
سکتے ہو۔“

”بہت بہتر۔“ باہر سے کہا گیا اور بہت سے تدمون کی آواز  
منانی دی۔ جاتے تدمون کی آوازیں۔

”یہیے۔ سب لوگ پہلے گئے ہیں۔“ ایساں بھاگڑا ان کی

## طرف مڑا۔

” محمود ، فاروق ، فراز - اور خان رحمن - ان لوگوں کو باندھ  
لیں - تاکہ ہم اس جگہ کا رُخ کر سکیں جہاں کرنل شوکت عالم  
موجود ہیں۔“

باندھنے کا کام انہوں نے جلدی مکمل کر لیا۔

” محمود - جلدی کرو۔ ہمیں یہاں سے رخصت ہونا ہے۔“  
محمود نے جلدی سے دروازے پر پہنچ کر چھٹنی گردی،  
ذوسرے، ہی لمحے وہ دھک سے رو گئے۔ کمرے کے دروازے  
پر پچاس سے زائد آدمی موجود تھے - اور وہ سب کے سب  
ملک بھی تھے۔

ادھر ان پچاس دشمنوں نے اپنے ساتھیوں کی بجائے انہیں  
دیکھا تو پستوں والے ہاتھ تھے۔ انگلیاں ٹریکر گوں پر جم  
لیں:

” اندر ہی رہا - ورنہ چھلنی کر دیں گے۔“ ان میں سے ایک  
نے خدا کر کہا۔

انہیں تیچھے ہٹنا پڑا - اب وہ سب اندر گھس آئے۔

”کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان میں سے چار آدمی اپنے دفنوں ساتھیوں  
کی رسیاں کھولنے لگے۔“

”بہت خوب - تم لوگ بہت اچھے رہے۔ اب انہیں

باندھ لو۔ ایاس بھاگڑا بولا۔

"باندھنے کی ضرورت نہیں سر۔ انھیں ختم کر دینا مناسب ہو گا۔ یہ لوگ حد درجے خطرناک ہیں۔ مہلت ملنے پر کہیں پھر نہ پچھ نکلیں۔ جب کہ ہمیں ہدایات یہی ہیں کہ انھیں زندہ نہ چھوڑا جائے۔ روپچنگ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں۔ ٹیک ہے۔ گولی مار دو انھیں۔ ایاس بھاگڑا غرایا۔ میں اسی وقت فون کی گھنٹی نجع آٹھی۔

فون کی گھنٹی سنتے ہی ایاس بھاگڑا نے انھیں ٹکنے کا اشارہ کیا اور پھر فون کی طرف بڑھا۔ دوسرے، ہی لمبے اس نے ریسیور آٹھا یا اور بولا:

"ہیلو! کون صاحب؟"

ذ جانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا۔ کہ ایاس بھاگڑا کی پیشان پر بل پڑ گئے۔ اور پھر اس نے کوئی جواب دیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"کیوں۔ خاب۔ کون تھا؟"

"دارالحکومت سے آئی جی شیخ نثار احمد۔ اس نے بڑی بڑی کے انداز میں کہا۔

"اوہ! اوہ بھروسے بات کرنا چاہتے تھے۔ انپکٹر جمیں نے

کہا۔

ہاں! یہی بات ہے۔ لیکن تم لوگ تو موت کے سفر

کے چہرے کی طرف دیکھ دو۔ یکوں مژہ بھاگڑا۔ کیا حال ہے؟  
”مم۔ میں۔ میں سخت سکھیت میں ہوں، یوں لگ رہا ہے  
جیسے گردن اب توئی کہ اب توئی۔ اس نے چینی چینی آواز  
میں کہا۔

”یوں بھی اگر ان میں سے کسی نے گولی چلائی تو وہ  
بھاگڑا صاحب کے جسم میں لگے گی۔ خاروق نے مسکرا کر کہا۔  
ماں! اب تم لوگوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ  
نہیں کہ پتھیر یونچے گراوہ اور کمرے سے نکل جاؤ۔“  
بھاگڑا کے ساتھوں نے جلدی سے اس کی طرف  
دیکھا، اس کی آنکھوں میں شدید بے چینی کے آثار تھے،  
اس نے مشکل سے کہا:  
”اللگ۔ گراوہ۔ اللہ کے لیے چینک دو ہتھیار۔ ورنہ  
میں لگی۔“

اُدھر فون کی گھنٹی بار بار نجح رہی تھی۔ آخر پستول نیچے  
گزندگے۔ اُپسکٹر جمیش ایساں بھاگڑا کو دبوچے آہستہ آہستہ  
fon کی طرف کھک رہے تھے۔ اور پھر انھوں نے ریسور  
اٹھایا:  
”ہیلو۔“ وہ بولے۔

”اوہ جمیش۔ یہ تم ہو۔ کہاں رہ گئے تھے۔ کتنی دیر

پر رواز ہو رہے ہو۔ اب فون پر بات کر کے کیا کریں  
گے؟“ اس نے سخت لمحے میں کہا۔

”کم اذکم وہ پیغام ہی سن لیتے جو وہ دینا چاہتے تھے۔  
کیا فائدہ تھا بھاگڑا نے کندھے اچکائے۔

”میں اُسکی وقت گھنٹی پھر بھی:  
انھوں نے پھر نمبر ملاسے ہیں۔ مہ بانی فرمائے مجھے بات  
کرنے دیں۔“ اُپسکٹر جمیش بلند آواز میں بولے اور یک لمحت  
fon کی طرف بچپٹے۔

”خبردار۔ فون کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھانا۔“ ایساں بھاگڑا  
چلایا۔ اور پھر خود بھی بے تحاشا انداز میں فون کی طرف بڑھا،  
ایسے میں محمود کی ٹانگ پل گئی۔ ایساں بھاگڑا اوندوں مزگرا۔  
اُپسکٹر جمیش کے لیے تو اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ بجلی  
کی سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے، بھاگڑا پر بچکے  
اور پھر اسے اس طرح اپنے جسم کے ساتھ ملا کر اٹھایا کر دو  
ان کے بالکل آگے آگی۔ ان کا ایک بازو اس کے لگے کے  
گرد کسی گیا۔

”خبردار۔ اگر کسی نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی۔ تو  
میں مژہ بھاگڑا کی گردن توڑ دوں گا۔ ایسا کرنے کے لیے  
مجھے صرف ایک جھٹکا دینا ہو گا۔ اگر یقین نہیں تو مژہ بھاگڑا

پہلے میں نے نمبر گھائے تھے۔ اب تو میں مایوس ہو کر ریسیور  
رکھنے پڑا تھا۔

یہاں، میں ایک جنگ کا سامنا تھا جنابِ عالیٰ۔ پچاس  
سلخ آدمی، ہماری طرف پستول تان پچھے تھے، جب آپ نے  
پہنچے فون کیا۔ اس وقت ہم ان کی زد پر تھے۔ ان کے  
سردار نے ہی ریسیور اٹھا کر آپ کو ہیسیو کہا تھا، میکن  
پھر قدرت نے مدد کی اور ہم پانہ پلٹنے میں کامیاب ہو  
گئے۔ انپکٹر جمیش نے کہا۔

”اوہ۔ بہت خوب۔ خیر مسنو۔ میں تمھیں جیل سے فون  
کر رہا ہوں۔“

مشکریہ جناب۔ کیا آپ سی موں اور بلا کنڈ کنگ سے  
ملاقات کر چکے ہیں؟“

”نہیں۔ میں آن سے ملاقات نہیں کر سکا، یکوں کو  
وہ جیل میں نہیں ہیں۔“

”جی۔ کیا فرمایا۔ وہ جیل میں نہیں ہیں؟“

”ہاں! آن کا نام و نشان تک جیل میں نہیں ہے۔“

”اور وہ کب جیل سے فرار ہوئے؟“

”عملہ ہائل خاموش ہے۔ انہوں نے ہونٹ سی لیے  
ہیں۔“

”جی۔ کیا مطلب؟ وہ پوچنے۔“

”مطلب یہی کہ وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں ہیں۔ اور  
اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ ابھی حال میں  
نہیں، کافی عرصہ پہلے فرار ہو گئے تھے، میکن جیل کے عدے  
نے اس بات کو چھپائے رکھا۔“

”اوہ۔ ایس پل جیل کی کہتے ہیں۔“

”وہ بھی خاموش ہیں۔“

”تب یہ انھی کا کام ہے۔ انہوں نے ہی دونوں کو  
فارار ہونے میں مدد دی ہے، یکوں کہ انھیں تو بہت سخت  
ہدایات تھیں، ان میں سے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ وہ ہر روز  
ان دونوں کو خود با کر جیل کی کوٹھریوں میں دیکھیں گے۔  
”ہاں جمیش۔ یہی بات ہے، میکن اس کے باوجود وہ  
کچھ نہیں بتا رہے۔“

”ہو گا۔“  
”اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ مجھے دارالحکومت آنا ہی  
ہو گا۔“

”اس کا کیا فائدہ جمیش۔ بلا کنڈ کنگ اور سی موں تو  
فارار ہو ہی چکے ہیں۔ اب تو ہمیں ان کی فکر کرنا ہو گی۔“  
”نہیں سر۔ گھر کے چوروں کو پکڑنا بہت ضروری ہے،  
جس نے بھی انھیں فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ میں اسے  
کچھ نہیں بتا رہا۔“

جیل کی ملاخوں کے پیچے دیکھنا پسند کروں گا۔ ہاں یہ اُ  
بات ہے کہ میں تھا آؤں اور اپنے ساتھیوں کو سلطان  
جنگ میں ہی رہنے دوں۔ تاکہ یہ حالات پر نظر رکھیں۔ انپکٹر  
جمشید نے کہا۔

”چلو۔ یہ صحیح رہے گا۔“

”بہت بہتر سر۔ میں جلد از جلد یہاں آنے کی کوشش  
کروں گا۔ اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“ ادھر سے کہا گیا۔

اس وقت تک سب لوگ پستول اور دوسری چیزیں پہنچ  
چکے تھے۔ اور کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔ انھوں نے  
ایک ایک پستول ہاتھ میں لے لیا۔ اب انپکٹر جمشید نے  
بھاگڑا کو چھوڑ دیا۔

”اسے زد میں رکھو۔ میں ذرا یہاں کی ملٹری پولیس کو  
فون کروں گا۔“

”فلکر نہ کریں۔ یہ بے چارہ تو حرکت بھی نہیں کر سکے گا۔“  
انھوں نے ملٹری پولیس کے دفتر فون کیا۔ اپنا تعافت  
کرایا اور پھر فوری طور پر ہٹلی یہاں پہنچنے کی ہدایت کی۔  
آدھے گھنٹے بعد ہٹلی یہاں ملٹری پولیس کے مکمل طور  
پر گھیرے میں تھا اور ان کا نیکپٹ انپکٹر جمشید کے پاس

موجود تھا۔ ان پچاس حملہ اوروں، الیاس بھاگڑا اور روچنگ  
کو گرفتار کیا جا چکا تھا۔ ہٹلی کے باقی عملے کی بھی گرفتاری  
عمل میں آچکی تھی۔

”یہ سب چکر کیا ہے سر؟“ کیپٹن اسمبل نے یہ تر نہ  
انداز میں کہا۔

”گریل شوکت عالم کو اغوا کر لیا گی ہے۔ وہ ہمارے  
ڈی آئی جی صاحب کے داماد ہیں۔ یہ بات آپ کے علم میں  
ہے؟“ انھوں نے کہا۔

”بھی ہاں! یہ خبر تو جنگل کی آگ کی طرح تمام یونٹوں  
میں پھیل چکی ہے۔“

”بس تو پھر۔ ان کے اغوا میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے،  
الیاس بھاگڑا اور روچنگ۔ ضرور کچھ نہ کچھ جانتے ہیں،  
مجھے اگر فوری طور پر دارالحکومت نہ پہنچتا ہوتا تو میں ان  
سے خود اگلوتا۔ لیکن اب یہ کام آپ پر چھوڑتا ہوں،  
کیا خیال ہے۔ آپ ان سے اگلوں سکیں گے کہ انھیں کیوں اغوا  
کیا گیا ہے؟“

”ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہ کیا مشکل کام ہے۔“  
”لیکن میرا خیال ہے۔ ان دونوں کو چھڑا لینے کی درست  
کوشش کی جائے گی۔“

”پچھے بھی ہو جائے۔ ہم ان دونوں کو نہیں چھوڑ سیں گے۔“ پیش اسلم بولا۔

”بہت بہت شکریہ۔ آپ انھیں لے جائیں۔“ پیش اسلم ان لوگوں کو لے کر چلا گیا۔ ہوشیار کی بگرانی کے لیے سوکے قریب ملٹری پولیس میں چھوڑ گیا۔ اب انپکٹر جمیش ان کی طرف تھے:

”میں جا رہا ہوں۔ تم یعنوں شہر میں اس شخص کو تلاش کرو گے جس نے بٹوہ اڑایا تھا۔ وہ شہر میں ہی کیسی موجود ہے۔ بلکہ میرا اندازہ ہے، کیسیں آس پاس ہی ہو گا، تھیس ہر حال میں اس سے وہ بٹوہ حاصل کرنا ہے۔ واپسی پر میں بٹوہ تھاہرے ہاتھوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”بہت بہتر۔ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔“

”اور اپنے انگلز کو آدم کرنے دینا، یکوں کہ جب سے یہ پچکر شروع ہوا ہے۔ انھوں نے ذرا دیر کے لیے آدم نہیں کیا۔“

”تم سماری فکر نہ کرو۔ ہم اتنے بھی تھکے ہوئے نہیں ہیں۔“ پردوفیرڈ اور ملکرا دیے۔

انپکٹر جمیش اپنی جیپ میں دہاں سے رواز ہوئے اور پانچ گھنٹے کے بعد جیل پہنچے۔ پھر انھوں نے آئی جی صاحب

کو فون پر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ جلد ہی وہ بھی پہنچ گئے۔

اب انھیں ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ یہاں ایس پی جیل، ان کے اسٹھن اور دوسرے ذمے وار لوگ موجود تھے، ان کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔

”السلام علیکم بخاب۔“ انپکٹر جمیش نے نرم گرم آواز میں کہا۔

”وعلیکم السلام۔“

”صرف یہ جاننا چاہتا ہوں۔ کہ بلاند کنگ اور سی موں فرار کب ہوئے؟“

”آج سے چار ماہ پہلے۔“ ایس پی جیل کے ہونٹ ہے۔ ”شکریہ۔ اور وہ کن حالات میں فرار ہوئے؟“

”میں نے انھیں فرار ہونے کا موقع دیا تھا۔ یہ سب کام میری ہدایات پر ہوا۔ اس میں ان لوگوں کا کوئی حصہ نہیں۔ انھوں نے باقی ساتھیوں کی طرف اشارہ کی۔“

”کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ سے علیحدگی میں بات کی جائے؟“

”ہاں! میں ان سب کے سامنے نہیں بتا سکوں گا۔ دیسے یہ ضرور بتا دینا پسند کروں گا کہ میں نے انھیں فرار

میں مدد دے کر ملک اور قوم سے غداری نہیں کی۔ میں مجھوں  
ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تنہائی میں سُن لیتے ہیں۔" یہ کارروائے  
دوسروں کی طرف مُڑے:

"آپ لوگ تشریف لے جائکتے ہیں۔  
وہ آئیے اور کمرے سے نکل گئے۔

"ہاں! اب فرمائیے۔"

"انھوں نے میری بچی کو انخواہ کر لیا تھا۔"

"اوہ! انپکٹر جمیش اور آئی جی صاحب کے منزل سے نکلا۔  
میری دس سالہ بچی۔ جب فون پر انھوں نے اس  
کی آواز سنوالی تو میرا لیکھجگہ منہ کو آنے لگا۔ اور میں ان  
کا مطالبہ مانندے پر مجھوڑ ہو گیا۔"

"یکن آپ کو چاہیے تھا۔ کہ ان کے فرار کے بعد تو یہ  
اطلاع ہمیں دیتے۔"

"کیسے دے دیتا۔ ان کی آواز بھرا گئی۔

"کیوں؟"

"انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ جوں ہی ان دونوں کو فرار  
کرایا گی۔ بچی کو چھوڑ دیا جائے گا۔" ایس پل کہتے کہتے  
ڑک گئے۔

"تو پھر ہاں انپکٹر جمیش بے قرار ہو گئے۔

"یکن ایسا نہیں ہوا۔ ایس پل بولے۔

"کیا! انپکٹر جمیش چلا گئے۔

"ہاں! میری بچی گھر نہ لوٹی۔ ان کا فون ضرور آیا۔

فون پر انھوں نے کہا کہ بچی کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ چار  
ماہ تک انتظار کرنا ہو گا۔ چار ماہ کے لیے زبان بالکل  
بند رکھنا ہو گی۔ اگر یہ بات کسی کو معلوم ہوتی کہ بلانڈ  
کنگ اور سی موں فرار ہو چکے ہیں۔ تو بچی کو ہلاک کر دیا  
جائے گا۔ اگر زبان بند رکھی گئی تو بچی زندہ سلامت واپس  
مل جائے گی۔ یہ چار ماہ میرے گھر کے افراد نے کس طرح  
گزارے۔ یہ بس ہم ہی جانتے ہیں۔ انگاروں پر ٹوٹ کر  
بھی شاید اس قدر تکلیف نہ ہوتی ہو گی۔ اور اب جب کہ  
چار ماہ پورے ہو گئے ہیں۔ آپ بمحض سے راز معلوم کرنے  
کے لیے آگئے ہیں۔ کیا میں درخواست کر سکتا ہوں۔  
اور اید رکھ سکتا ہوں کہ آپ ایک دن تک اور اس راز  
کو راز رکھیں گے، کیوں کہ آج ان کا وعدہ ہے" ایس پل  
کہتے چلے گئے۔

"میں۔ میں خاموش رہوں گا۔" انپکٹر جمیش نے بھرائی ہوئی  
آواز میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ!"

"کیا اس دوران انہوں نے فون پر بچی کی آواز بھی سنوائی؟ آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"ہاں! میرے اٹھیناں کے لیے وہ دوسرے تیرے دن رہ کرتے رہتے ہیں؟"

"تو پھر۔ آپ نے ان کا فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"خوف۔ بچی کی زندگی کا خوف۔ میں کچھ بھی نہ کر سکا۔" ایس پی بو لے۔

"آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔ فون نمبر ضرور معلوم کریں چاہیے تھا۔ بچی کے واپس مل جانے کے بعد، ہم ان لوگوں تک پہنچ سکتے تھے۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ کسی دور دراز کے شہر سے فون کرتے رہے ہوں۔ اس صورت میں تو نمبر معلوم نہیں کرایا جاسکتا تھا۔"

"ہاں! یہ صحیک ہے۔ لیکن آپ نے تو کوشش کی ہی نہیں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ایس پی جیل نے فوراً رسیور اٹھا لیا:

"ہیلو۔ ایس پی مختار جاہ بول رہا ہوں۔ اوہ۔ بیگم۔ تم ہو۔ کیا کہا۔ بچی واپس آگئی ہے۔ نہیں۔" وہ چلا آئے۔ پھر تڑ سے گئے اور بے ہوش ہو گئے۔

انہوں نے بلدی سے انھیں آٹھایا اور صوفی پر لٹا دیا۔

"بے چارے خوشی برداشت نہیں کر سکے۔ آئیے، ہم انھیں ان کے گھر لے چلتے ہیں۔ بچی کی آواز سن کر یہ آنکھیں کھول دیں گے۔"

جیپ میں بیٹھ کر وہ ایس پی جیل کے گھر پہنچے۔ اندر سے رو نے کی آواز آرہی تھی۔ وہ پریشان ہو گئے۔

سب لوگ اندر داخل ہوئے۔ ایس پی صاحب کی بیگم صاحبہ بچی سے پیشی ہوتی تھیں اور بے تحاشا رو رہتی تھیں۔ ادھر بچی بھی روئے جا رہی تھی۔ ان کے رو نے کی آواز نے ایس پی صاحب کو بھی آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اور

پھر وہ بھی بچی سے پٹ کر رو نے لگے۔ منظر اس قدر دردناک تھا کہ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ ایس پی صاحب کو اور پریشان کرنا مناسب نہیں ہو گا، لہذا وہ وہاں سے بوٹ آئے۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے جھیٹید؟ آئی جی صاحب نے پوچھا۔

نہیں۔ وہ یہیں میں یا دنٹاس جا پکے ہیں۔ ”

” بالکل شیک۔ لیکن ان باتوں کا سراغ لگانا آسان نہیں ہو گا، کیون کہ دشمن بہت چالاک ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس صرف اور صرف ہوٹل سیماپ کا مالک ایسا شخص ہے جس سے ہم کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان ہوٹل میں کمرہ نمبر ۹ بھی دیکھا ہے۔“

ان کا سفر جاری رہا۔ اور پھر وہ سلطان جنگ کے نزدیک پہنچ گئے۔ ابھی شہر میں داخل نہیں ہوتے تھے کہ انھیں برٹیک لگانا پڑ گئے۔



آن کے رُخت ہونے کے بعد محمود، فاروق اور فراز انھیں کھڑے ہوئے:

” آپ آرام کریں۔ ہم تو چل دیے۔“

” بعضی بہتر تو یہی رہے گا کہ ہم بھی تم لوگوں کے ساتھ چلیں۔“ خان رحمان بولے۔

” لیکن اباجان نے فرمایا تھا کہ آپ کو آرام کرنے دیا جائے۔“

” پہلے تو خان صاحب کے بارے میں بتائیے۔ وہ ہوش میں آئے یا نہیں؟“

” ابھی تک نہیں۔ ڈاکٹر بدستور کوشش کر رہے ہیں۔“ کامی بھی صاحب نے بتایا۔

” تو پھر میں سلطان جنگ جاتا ہوں۔ اس کیس کا تانا بانا دیں سے ملے گا۔“

” اچھی بات ہے، لیکن میرا مشورہ ہے۔ تم اکرام کو ساتھ لے جاؤ۔“

” جی بہتر؟“ انھوں نے کہا۔  
تحوڑی دیر بعد دونوں سلطان جنگ کی طرف اڑے جا رہے تھے:

” میں حالات جانتنے کے لیے بے قرار ہوں۔“ اکرام نے کچھ دیر صبر کرنے کے بعد کہا۔

” ہاں اکرام۔ واقعی۔ خیر سنو۔“

اور انھوں نے تمام حالات اسے سنا دیے۔

” اس کا مطلب ہے۔ اب ہمیں اس شخص کا سراغ لگانا ہے جو بٹوہ لے اڑا تھا اور کرنل شوکت عالم کو تلاش کرنا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ چکر کیا ہے۔ تیرے کے بلا نہ لگنگ اور سی موں کا تعلق اس کیس سے تو کچھ

"یہکن ہم آرام کرنے کے موڑ میں نہیں ہیں۔" پروفیر داؤڈ نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" محمود نے کندھے اچکاتے۔  
اور وہ باہر نکل آئے۔

"اب کدھر چلنا ہے؟" فرزانہ نے کہا۔

"یہ تو سوچنا پڑے گا۔" محمود بولا۔

"تو پھر ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر سوچنا چاہیے تھا۔  
اٹھ کر یہاں پلے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بھی سوچنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ اب سوچ لو۔" پروفیر داؤڈ نے منہ بنایا۔

"ہمیں اس شخص کو تلاش کرنا ہے جو بلوہ لے اڑا تا،  
اور اس سے بلوہ حاصل کرنا ہے۔ تاکہ معلوم ہو، اس میں  
کیا ہے۔ اس کے لیے ہم شہر میں گھومنے کے علاوہ کیا کر  
سکتے ہیں۔ آئیے انکل۔ آپ اپنی کار نکال لیں۔"

"اچھا! انہوں نے کہا اور کار کی طرف بڑھ گئے۔

"جانے کتنی دیر وہ کار میں بیٹھے سلطان جنگ کی سڑکیں  
نپتے رہے۔ خان رحمان کار پلا رہے تھے اور وہ دائیں  
بائیں دیکھ رہے تھے۔

"جوسے کے ڈیمیر میں اگر سوئی گر جائے تو اس کو تلاش

لنا آسان کام نہیں ہوتا، اس طرح اگر کوئی شخص کسی شہر  
میں گم ہو جائے تو اسے تلاش کرنا بھی بہت مشکل ہے۔"

"مشکلات سے ڈرنے والے اے آسمان۔ اے آسمان۔  
اے آسمان۔" فاروق کی زبان امکنے لگی۔

"گراموفون کی سوئی اٹھ گئی۔ ذرا دھکا لگانا محمود۔"  
فرزانہ نے جمل کر کہا۔

"نہیں۔ شاید اس کا ارادہ گانا گانے کا ہے۔" محمود نے  
کہا۔

"ست۔ تم دونوں کا دماغ چل گیا ہے۔ میں گافنوں والوں  
کا شوقین نہیں ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تب پھر؟" فرزانہ نے پوچک کر کہا۔

"ابھی ابھی ہم ہوٹل یہاں کے پاس سے گزرے ہیں اور میں  
نے پھر وہاں دونق دیکھی ہے۔ یہ تو ملٹری پولیس کے قبضے میں  
تھا۔ کیا ہمارے جانے کے بعد پھر اسے اس کی انتظامیہ کے  
حوالے کر دیا گیا ہے۔" فاروق کی آواز میں جوش کی وجہ سے ریش آگئی۔  
"کیا واقعی؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں؟"

"تب تو انکل۔ کار والیں لے چلے۔ تاکہ صورت حال  
کا علم ہو سکے۔" محمود بولا۔

خان رحمن کار بیک کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اس  
ہوٹل تک پہنچ گئے۔

"ہم اندر چلیں گے۔ آپ کار کو پارک میں لے چلیں۔"  
 محمود نے کہا۔

کار سے اتر کر وہ ہوٹل میں داخل ہوتے جوں  
نے پورے پال پر نظریں دوڑائیں۔ اور پھر جوں، ہی  
کاؤنٹر پر نظر پڑی، انھیں ایک زور دار جھٹکا لگا۔ ان کے مذہب  
حیرت کے کھل گئے۔



## ستاروں سے نیچے

”ذ جانے کیا بات ہے۔ آج مجھے اباجان بہت یاد  
ا رہے ہیں؟ فرحت نے اداس انداز میں کہا۔

”پھوں کر وہ تمہارے اباجان ہیں۔ بس اس لیے یاد  
ا رہے ہیں۔ آفتاب مسکرا یا۔

”اباجان ہونے کی چیخت سے تو وہ مجھے روز ہی یاد  
ا تے ہیں، لیکن بات تو یہ ہے کہ آج بہت زیادہ یاد آ  
رہے ہیں۔“

”تب پھر ہو سکتا ہے۔ وہ بھی تمہیں یاد کر رہے  
ہوں۔ مم۔ مگر نہیں۔“ اصف ہکلا کر رہ گیا۔

”مگر نہیں کیا؟“ فرحت جلدی سے بولی۔

”مگر نہیں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب مجھے آگے  
بجلد نہیں سو جھ رہا۔“ آفتاب نے غوراً کہا۔

”تم چھپ رہو۔ فرحت نے تم سے نہیں کہا۔“ اصف

## ترتیب

ستاروں سے نیچے  
میں ایک درندہ ہوں  
لزاکا  
دھکا  
خفیہ شرط  
بنوہ



نے اسے گھورا۔

"چلو تم، ہی جواب دے دو۔ آفتاب مذ بنا کر بولا۔

"فرحت - تیس، پچکی پر پچکی تو آئیں رہی۔ آصف نے کہا۔

"پچکی پر پچکی - کیا مطلب - یہ پچکی کہاں سے آگئی۔ فرحت نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔  
"لو۔ اب پھیکیاں بھی کو دنے لگیں۔ حد ہو گئی یعنی کہ آفتاب پھر بول پڑا۔

"ہو گئی ہو گئی حد وہ۔ ہاں فرحت - میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے آبا جان تیس یاد کر رہے ہوتے تو ضرور تم پچکی پر پچکی لے رہی ہوتی۔"

"اوہ۔ لیکن مجھے تو ایک بھی پچکی نہیں آئی۔"  
"چچ پچچ - تو بہت بُری بات ہے۔ ایک اوہ پچکی تو آہی جانی چاہیے تھی۔ آفتاب مسکرا یا۔

"تم پھر بولے۔" آصف نے بلند آواز میں کہا۔

"آخر تم میرے پیچے ناٹھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہو؟"

"اس لیے کہ آج فرحت بہت اُداس ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ یہ جب بھی اُداس ہوا کرے گی۔  
تم ناٹھ دھر کر میرے پیچے پڑ جایا کر دے۔ ہرگز نہیں۔"

کان کھول کر ٹھنڈا کیا۔ اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ آفتاب نے بھٹک کر کہا۔

"ایک ہی تجھے میں دو بار ہرگز۔ یہ ہے اُردو گرامر کا حال۔ فرحت نے لفظ دیا۔

"ہم اس وقت اُردو نہیں پڑھ رہے۔"

"بے شک نہیں پڑھ رہے۔ لیکن بول تو رہے ہیں۔"  
آصف مسکرا یا۔

"بانکل۔ بانکل بول رہے ہیں۔" فرحت بولی۔

"اگر یہ بات ہے تو ہو جائے اُردو زبان میں مقابلہ۔"

"پہلے فرحت کا مسئلہ حل کر لیں، پھر یہ مقابلہ بھی کر لیں گے۔"

"فرحت کا کیا مسئلہ ہے۔ بھی اتنی سی بات ہے کہ اسے انکل یاد آ رہے ہیں۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ چلو اسے کھا پھیرا لاتے ہیں۔" آفتاب نے کہا۔

"ہاں! یہ طحیک ہے۔ چلو فرحت طبیعت بھل جائے گی۔"

"نہیں بھلے گی۔ اور اُبھر جائے گی۔ یہاں رہ کر ایک کون تو ہے۔" فرحت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا دل کو رہا ہے۔ آج آبا جان یہاں پہنچنے والے

ہیں۔

”اگر تمہارا دل کہ رہا ہے تو پھر ہم دخل اندازی کرنے والے کون ہیں۔ ویسے بھی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، مگر ٹھیک ہے نا۔“

”پتا نہیں۔ کبھی دیکھی نہیں۔“ افتاب بڑھا یا۔  
”کیا چیز نہیں دیکھی۔“

”دل کو دل سے جوراہ ہوتی ہے۔ وہ۔“

”اوٹ پلانگ باتیں کرنے کا دورہ پڑ گیا ہے شاید تمیں۔“  
اصف جل کر بولا۔

”نہیں تو۔ خیال ہے تمہارا۔ ورنہ میری باتیں تو صدر بھ معقول ہیں۔ تم تو اس قدر معقول باتیں کر ہی نہیں سکتے۔“

”ہاں تو فرحت۔ کیا خیال ہے۔ کہیں گھونمنے چلیں۔“  
”نہیں۔ تم دونوں پلے جاؤ۔“

”ہمیں کیا ضرورت ہے جانے کی۔ اداس تم ہو اور جائیں ہم۔ باذ آئے ہم تو جانے سے۔“ افتاب نے بڑی بودھیوں کے انداز میں کہا۔

”کہیں میں آج تمیں مار ن بیٹھوں۔“ اصف بھٹا آٹھا۔  
”انجام دہی ہو گا۔ جو اس سے پہلے ہوتا آیا ہے۔“

”یعنی تمہارا مکاٹ مجھے نہیں لگے گا۔ دیوار پر لگ جائے۔ میر

سے ملکرا جائے یا فرحت کو دن میں تارے دکھانے۔ پچھے میں کہ سکتا۔“

”دیکھا فرحت۔ اب تمیں دن میں تارے دکھانے پر مثل گیا ہے۔“

”ہائیں۔ اصف۔ تم۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔“  
فرحت بھٹا کر اس کی طرف پہنچی۔

”ارے ارے۔ تم بھی اس کی باتوں میں آگئیں۔“

”اس میں باتوں میں آئنے کی کیا بات ہے۔“ تم فرحت کو بے وقوف خیال کرتے ہو کر یہ تمہاری باتوں میں آ جائے گی۔ تو فرحت۔ اور سنو۔ اب تمیں بے وقوف بھی کہا جا رہا ہے۔“

”اصف۔ تم ہوش میں تو ہو۔ جانتے ہو۔ میں کون ہوں۔“

”فرحت۔ فرحت۔ تمیں کیا ہو گیا۔ کبھی نہیں رہی۔“

”افتاب ہمیں لڑانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”دن میں خواب۔ بھلا میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں، یار جھوٹ تو نہ بولو۔“

”و۔ تو تمیں بھی جھوٹا کہ رہا ہے۔“ فرحت چمک کر بولی۔

”تب تو ٹھیک ہے۔“ اصف جلدی سے بولا۔

تو مُحیک ہے۔

”لاؤ! بالکل مُحیک ہے۔“ داکٹر کو بلانے کی زحمت نہ کر بیٹھنا۔“ آفتاب نے کہا۔

”اب باتیں ہی بگھارتے رہو گے یا آگے ہی آؤ گے؟“  
آصف نے منہ بنایا۔

”خود کیوں نہیں۔ تو میں آگے آگی۔“

دونوں ایک دوسرے پر حمد کرنے کے لیے آگے کو جک گئے۔ اسی وقت بیگم کامران مرزا باورچی خانے سے نکلیں اور پونک آئیں۔

”لاؤں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”لڑائی۔“ فرحت نے کہا۔

”لڑائی۔ لیکن کس بات پر؟“

”اپ تو جانتی ہیں آٹھی۔ یہ دونوں بات بے بات لڑ پڑتے ہیں۔“

”فرحت۔ تو تم کو رہی ہو۔ جب کہ میں تمہاری غاطر رہنے کے لیے کھڑا ہوا ہوں۔“ آصف نے برا سامنہ بنایا کہا۔

”میری غاطر۔ ہرگز نہیں۔ میری غاطر نے کی ٹھیکیں کوئی ضرورت نہیں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”چلو چھٹی ہوئی۔“ آفتاب مسکرایا۔

”کیا مُحیک ہے۔“

”یہ کریں اور تم اس سے آج بنت ہی لیں۔ آٹھویں  
آصف یہ کہتے ہوئے اچھل کر کھڑا ہو گی۔ یہ دیکھتے ہی آفتاب بھی چھلانگ لگا کر اس سے قدرے فاسدے پر کھڑا ہو  
گیا اور ہاتھ ہلا کر بولا۔“

”آؤ۔ آؤ۔ میرے اور تمہارے درمیان آج فیصلہ ہو  
ہی جائے۔“

آصف نے بدی سے فرحت کی طرف دیکھا، پھر بولا۔

”فرحت۔ تم ابھی تک نہیں آئیں۔“

”پہلے تم اس سے ”و وہا تھا کر لو۔ اگر تم شکست کہا گئے تو پھر میں بھی میدان میں کوڈ پڑوں گی۔“

”فرحت کا فیصلہ پسند آیا۔ انصاف بھی یہی ہے۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

”آؤ۔ میں کوئی تم سے کمزور ہوں۔“

”اگر کمزور نہیں ہو تو فرحت کو کیوں بلا رہے تھے؟“

”تاکہ فرحت برا دمان جائے۔“

”چلو۔ میں گھار نہیں دیتا ہوں۔ فرحت برا نہیں مانے گی۔“  
آفتاب نے شوخ انداز میں کہا۔

”اے۔ خبردار۔ تم کس طرح گھار نہیں دے سکتے ہو۔“ رماز

”چھٹی نہیں ہوئی۔ اج مقابلہ ضرور ہو گا اور دودھ کا دودھ  
اور پانی کا پانی ضرور ہو کر رہے گا۔“

”خبردار۔ اگر تم نے رُونے کی کوشش کی تو مجھ سے بُرا کوئی  
نہ ہو گا۔“ بیگم کامران مرزا نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

اور وہ دونوں یک دم ڈھیسے پڑ گئے۔

”آپ کو بُرا نہیں بنایا کتے ہم۔“ آصف نے کہا۔

”بلکہ ہماری کیا مجال۔ کہ بُرا بنائیں۔“

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

”آگئے۔ وہ آگئے۔“ فرحت بیسے خواب میں بڑا بڑا۔

”کون آگئے۔“ فرحت کہیں تم جا گئے میں سوتونہیں رہیں۔

”نج۔ جی۔ نہیں۔“ اس نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑ  
پڑھی۔

”ارے ارے۔ اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے۔“

”وہم۔ جس کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔“

اتنه میں فرحت دروازہ کھول چکی تھی۔ دوسرے، ہی  
لمحے ڈائیکے کی آواز ان کے کافوں سے ٹکرائی۔

”آپ کا خط، لیکن بیرنگ ہے۔“

ڈائیکے کو بیرنگ کے پیسے ادا کرنے کے بعد خط لے کر ذہن

واپس آئی۔ اس کے قدم بو جمل بو جمل سے تھے۔

”افسوس۔ میں ڈائیکے کی دستک کو ابابجان کی دستک سمجھی۔“

”اس سے ثابت ہوا تم خاصی نا سمجھ ہو۔“ آفتاب مسکرا یا۔

”ہاں! یہی سمجھ لو۔“ اس نے کہا اور خط کو میز پر  
وال دیا۔

”لیکن فرحت۔ تم اتنی بھی نا سمجھ نہیں ہو۔ جتنا کہ آفتاب  
بھاگیا ہے۔“ آصف نے مسکرا کر کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا پھر رُونے کا ارادہ ہے۔“ آفتاب تملہ  
لگا۔

”نہیں۔ فرحت کو وہم نہیں ہوا تھا۔“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ تیز آواز میں بولی۔

”ایک لحاظ سے وہ دستک ڈائیکے نے نہیں۔ تمہارے ابا  
بجا نے، ہی دی تھی۔“

”حد ہو گئی۔ لگے ادھر ادھر کی ہانکھے۔“ آفتاب جل گیا۔  
”نہیں۔ ادھر ادھر کی نہیں۔ میں یہیں کی کہ رہا ہوں،  
فرحت کی آج انکل منور علی خان سے ملاقات ضرور ہو گی،  
لہن۔“ وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

”لیکن کیا؟“

”لیکن آدمی۔“ وہ یک دم بولا۔

”ارے۔ کیا مطلب۔ ان کے مذ میں نکلا اور پھر ان

نہیں۔ بذریعہ ہوا بیچ رہا ہوں۔ میں ایک جنگل کی  
ایک عمارت میں قید ہوں۔ یہاں نکلنے کا کوئی راستا  
نہیں۔ روشن دان تک بہت نئے نئے سے ہیں۔  
میں نے ان لوگوں کو بھی کبھی نہیں دیکھا۔ جنہوں نے  
بھی قید کر رکھا ہے۔ میں جنگل میں شکار کھیل رہا  
تھا کہ اپنے ایک جال میرے اوپر آ کر گرا۔ میں  
اس جال میں بڑی طرح پھنس گیا۔ گویا شکاری خود شکار  
ہو گی۔ میں نے اس جال کو کامنے کے لیے فوراً  
اپنا شکاری چاقو نکالا، لیکن کامران مرزا۔ چاقو اس  
جال کو دکاٹ سکا، پتا نہیں کیس پھیز کا بنا ہوا تھا،  
پھر جال اوپر آئنہ لگا۔ یہاں تک کہ بہت بلند ہو  
گیا۔ میں اونچے درختوں کو اپنے نیچے دیکھ رہا تھا،  
پھر جال ایک عمارت کی چھت پر آ کر ملک گیا اور خود بخود  
کھل گیا۔ میں نے جال سے نسل کر چھت کا جائزہ  
لیا، مکان اس قدر اونچا تھا کہ میں چھلانگ لگا  
کے بارے میں سوچ بھی نہیں ملتا تھا، لیکن اس  
وقت تو اس لیے بھی نہیں سوچا، کیونکہ زینہ کھلا  
نظر آیا تھا۔ میں بے دھڑک نیچے آتتا چلا گیا۔  
پورا مکان بالکل خالی پڑا تھا۔ وہاں کوئی انسان تو

کے نظریں خط پر جم گئیں۔ اس کے ایک کونے پر لکھا تھا۔  
منور علی خان۔

”اوہ ہو۔ ابا جان کا خط۔“ اس نے کہا اور چھٹ کر خط  
اٹھا لیا۔ اس نے پہلے تو لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ  
بہت زیلا پچیلا ہو رہا ہے۔ اور مڑا تڑا بھی تھا۔ اس پر  
انپکڑ کامران مرزا کا نام اور پتا لکھا ہوا تھا۔ دوسری طرف  
لفافے پر ایک سطر لکھی ہوتی تھی۔ اور یہ سطر بہت بحیب  
تھی۔ الفاظ یہ تھے :

”جس کسی کو سڑک پر یا کہیں بھی یہ لفافہ ملے۔  
مرہبائی فرمائے ڈاک کے حوالے کر دیں۔“  
”یہ کیا بات ہوتی ہے؟“

”بہت پریشان کئی بات۔ جلدی سے لفافہ کھولو۔“  
فرحت نے احتیاط سے لفافہ چاک کیا اور اندر سے خط  
نکالا۔ کاپنے ہوئے اس نے خط کی تحریر پر نظر ڈالی،  
لکھا تھا :

”پیارے دوست کامران مرزا  
اللّٰهُ عَلَيْكَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے دعا گو ہوں کہ میرا یہ  
خط کی دلکشی طرح تعمیں مل جائے۔ تعمیں یہ جان  
کر جیزت ہوگی کہ یہ خط میں تعمیں بذریعہ ڈاک

کیا۔ استعمال کی بھی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ سو اے  
ایک چار پائی کے۔ لاتھ دالا ایک نل ضرور لگا ہوا  
نظر آیا۔ اور ایک چھوٹی سی نالی۔ جس میں سے  
پالی باہر جا سکتا ہے۔ اب میں پھر چھت پر جانے  
کے لیے بیٹھیاں چڑھنے لگا، لیکن دھک سے رہ  
گیا۔ زینہ بند کر دیا گیا تھا۔ گویا اب میں چھت  
پر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر نیچے آیا اور دروازوں  
کا جائزہ لیا۔ دروازے کسی قلعے کے معلوم ہوئے،  
ان کو توڑنا میرے بس سے باہر تھا۔ یوں بھی  
ان میں کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ان کیلیوں کی موجودگی  
میں دروازوں کو ٹھکریں بھی نہیں ماری جا سکتیں۔  
کامران مرزا۔ اس روز سے میں اس مکان میں قید  
ہوں۔ مجھے دن میں ایک بار کھانا ضرور دیا جاتا  
ہے۔ اس کے لیے روشن دان استعمال کیا جاتا ہے،  
روشن دان سے کھانے کا برتن لٹکا دیا جاتا ہے۔  
اور میں کھانا کھا کر برتن پھر اس رسی میں باندھ  
دیتا ہوں۔ رسی کیسینگ لی جاتی ہے۔

کامران مرزا۔ اگر تم مجھے دیکھ لو تو شاید پہچان  
نہ سکو۔ میری ہڈیاں نہکل آئی ہیں۔ تین ماہ ہو چلے

ہیں۔ زبانے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ مجھے قید  
رکھ کر کیا کریں گے۔ میں شروع شروع میں خوب  
چینخا چلایا بھی۔ لیکن کسی نے بھی مجھ سے بات  
نہیں کی۔ زمین نے ان کی آذازیں نہیں۔ سوچ  
سوچ کر میں نے یہ خط لکھا۔ کاغذ اور قلم ہمیشہ  
میری جیب میں رہتا ہے، تم جانتے ہی ہو، میں  
یہ خط لکھ رہا ہوں اور ادھر باہر آندھی کے آثار  
محسوس ہو رہے ہیں تو میں چار پائی کو روشن دان  
کے نیچے کھڑا کر کے اور اس پر چڑھ کر روشن دان  
میں سے یہ خط نیچے پھینک رہا ہوں۔ اس دھاکے  
ساتھ کہ ہوا یہ خط اڑا کر لے جائے۔ اور کوئی  
نیک انسان اس نفافے کو آٹھا کر ڈاک میں ڈال  
دے، اس طرح یہ تمیں مل جائے۔ اللہ کرے  
ایسا ہی ہو۔

ضروری بات جس سے تم فائدہ آٹھا سکتے ہو۔  
میں بن جام کے جنگل میں شکار کیھل رہا تھا جب  
مجھ پر جال پھینکا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عمارت  
بھی بن جام میں ہی موجود ہے۔ اللہ کرے کہ تم  
جلد آؤ۔

تھارا دوست منور علی خان۔"

خط پڑھ کر وہ لکھتے میں آگئے۔

"چلنے کی تیاری کرو۔ انکل خط پڑھتے، ہی انکل کھڑے ہوں گے۔"

"تو پھر۔ ان کے آنے کا انتظار کیوں کیا جائے۔ دفتر فون کر کے یہاں کیوں نہ بُلا لیا جائے؟"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

فرحت نے بے تاباذ انداز میں فون پر نمبر گھماٹے اور سلسلہ ملتے ہی بولی:

"انکل۔ فوراً گھر پہنچیے۔ بہت خوف ناک اطلاع ملی ہے۔"

یہ لکھتے، ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔

"توہ۔ اخیں بات تو بتا دی ہوتی۔" افتاب نے مذہبنا میا۔

"اس طرح ایک منٹ اور ضائع ہوتا۔ وہ دفتر سے رواز ہو چکے ہوں گے اور ضرورت سے زیادہ تیز ڈرائیورگ کرتے ہوئے آئیں گے، اس لیے ہمیں پہنچے، ہی تیار ہو کر کار میں بیٹھ جانا چاہیے۔"

"پا انکل ٹھیک؟ آصف بولا۔"

انھوں نے افراطی کے حالم میں تیاری کی اور باہر کی طفتہ دوڑے۔ میں اسی وقت ایک کار اندر داخل ہوئی۔

ٹھک کر رک گئے۔ کار پر قیصر غوری کی تھی۔ اور وہ ان کے ان بھی بکھار ہی آتے تھے:

"غیر تو ہے بھی۔ کہاں کی تیاری ہے؟" انھیں کار کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ بول آئے۔

"اوہ۔ آپ ہیں انکل۔ بہت دنوں بعد تشریف لائے تھے۔ آصف نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"ہاں! لیکن اس کے باوجود شاید تم لوگوں کے پاس میرے لیے کوئی وقت نہیں ہے۔"

"ایسا نہ کیں انکل۔ ہم اور آپ کو وقت نہ دیں۔" افتاب بولا۔

"تو پھر جلدی کرو۔ میں تم لوگوں کو اپنی رصد گاہ تک لے جانا چاہتا ہوں۔"

"جی رصد گاہ تک یا تجربہ گاہ تک؟" آصف نے سیران ہو کر پوچھا۔

"رصد گاہ تک۔"

"غیر تو ہے؟"

"میں نے ایک طاقت ور ترین دُور بین پر ایک عجیب پھیزہ دیکھی ہے۔ ابھی میں یقین سے نہیں کہ لکھتا کہ وہ کی۔ پھیزہ ہے، لیکن بہر حال خطہ سر پر نظر آ رہا ہے۔ اللہ

کرے۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ وہ میرا وہم ثابت ہو۔  
”کیا یہ بہتر نہ ہوگا انکل کہ ہم چند منٹ انتظار کر لیں۔  
آصف نے آجھن کے عالم میں کہا۔

”چند منٹ کا انتظار، لیکن کیوں؟“

”اباً جان۔ بہت جلد یہاں پہنچنے والے ہیں۔ انھیں بھی  
ساختے ہیں گے۔“ آفتاب نے کہا۔

”نہیں۔ وہ بعد میں رصدگاہ پہنچتے رہیں گے۔ جلدی سے  
میری کار میں بیٹھ جاؤ۔“ انھوں نے تیز آواز میں کہا۔

”ہم آئٹی کو تو بتا دیں؟“

”فون پر بتا دینا۔“ انھوں نے کہا۔

”بھی بہتر۔ آؤ بھتی۔“

وہ آجھن کے عالم میں پروفیسر غوری کی کار میں بیٹھ گئے:  
”میں نے اس چیز کو دیکھتے ہی پروفیسر داؤڈ کو فون کیا  
تھا، لیکن وہ فون پر نہیں مل سکے۔“

”لیکن آپ کو تو اپنے واقع سائنس دانوں کو بلانا چاہیے  
تھا۔ جلا ہم وہاں کیا دیکھیں گے؟“

”ذرا جانے کیوں۔ مجھے سائنس دانوں کی بجائے تمہارا  
خیال آگیا۔“

”تو اب تو ہم نے خیال دلایا ہے انکل۔ آپ اب ان

”کے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔“

”نہیں۔ پہلے میں صرف تم لوگوں کو دکھاؤں گا۔ پھر  
دوسروں کو۔“

”چلیے آپ کی مرضی۔ ہم جلا کیا کر سکتے ہیں۔“ آفتاب نے  
کندھے اچھائے۔

”دیسے میں تم لوگوں کے چھروں پر بے قراری کے آثار  
دیکھ رہا ہوں۔ شاید تمھیں کہیں بہت ضروری جانا تھا اور میں  
ادھر لے آیا۔“

”بھی۔ بھی نہیں۔“ آصف ہکلایا۔

”کیا کہا۔ بھی نہیں۔ تم جھوٹ کپ سے بولنے لگے۔ میں  
تو یہ بات جانتا ہوں کہ تم کسی حالت میں بھی جھوٹ نہیں  
بولتے۔“ انھوں نے چراغ ہو کر کہا۔

”بھی ہاں ایسی بات ہے۔ اب بھی، ہم نے جھوٹ نہیں  
بولा۔ جس کام سے ہم جانے والے تھے۔ وہ آپ کے کام  
سے اہم ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”ذرا میں بھی تو سنو۔ وہ کام کیا ہے؟ پروفیسر غوری  
بولے۔“

آصف نے تفصیل منا دی:

”اوہ سو۔ اچھا۔ اور تم کہ رہے ہو۔ یہ کام زیادہ اہم

”ستارے ہی ستارے نظر آرہے ہیں۔“

”آناتا ہے۔ اب تم دیکھو۔“

”آناتا نے بھی آنکھیں ڈور بین سے لگادیں، آخر بولا۔“

”آصف نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے بھی ستاروں کے علاوہ

پچھے نظر نہیں آ رہا۔“

”اب فرحت کی باری ہے۔“

فرحت ڈور بین پر جھک گئی۔ اور لگی غور سے دیکھنے۔

پھر قریباً دو منٹ گزر گئے، لیکن اس نے نہ تو آنکھیں ہٹالیں

اور نہ منڈے پچھے کہا۔

”تمہیں ڈور بین نے پکڑا تو نہیں دیا۔“

”نہ۔ نہیں۔“

”تو پھر۔ کیا بات ہے؟“

”میں ستاروں کے علاوہ پچھے ابھی بھی دیکھ رہی ہوں۔“

ستاروں سے نیچے۔“

”ستاروں سے نیچے۔ کیا مطلب؟ آصف چونکا۔“

”ستاروں سے نیچے کی بات کرتی ہو، ستاروں سے آگے

کی بات کرو۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔“

”لیکن یہاں یہ کہنا بڑا رہا ہے۔ ستاروں سے نیچے

جہاں اور بھی ہیں۔“ فرحت بڑیا۔

”نہیں ہے۔“

”جی ہاں! آپ ہمیں جو کچھ دکھانے کے لیے لے جا رہے ہیں، ہو سکتا ہے۔ وہ ملک اور قوم کے لیے کوئی اہم ترین معاملہ ہو۔“ آصف نے جواب دیا۔

”ہاں! اس کے تبروست امکانات ہیں اور یہی آیا بھی اسی نجاح سے ہوں۔“

”تب آپ نکر د کریں۔“

آخر وہ رصدگاہ پہنچ گئے۔ پروفیسر غوری نے یہ رصدگاہ خود اپنی نگرانی میں تعمیر کروائی تھی۔ اسے ایک اونچے پہاڑ کی پوٹی پر بنایا گیا تھا۔ اس تک جانے کے لیے بفت استعمال کی جاتی تھی۔ رصدگاہ میں دنیا کی طاقت در تریش ڈور بینیں لگی ہوئی تھیں۔ جن کے ذریعے ڈور دراز کے فاصلے کے اجرام فلکی صاف دیکھے جا سکتے تھے۔

وہ ڈور بینوں والے کمرے میں داخل ہوئے۔ پروفیسر غوری انہیں لے کر ایک ڈور بین کے پاس آئے۔ پہلے اس میں خود پچھے دیکھتے رہے، پھر ان سے بولے:

”باری باری اس میں غور سے دیکھو۔“

سب سے پہلے آصف نے دیکھا۔ اسے آسمان پر ہزارہ ستارے جملاتے نظر آئے، پھر اس نے آنکھیں ہٹالیں اور بولا:

"گویا بہت ہی خفیہ بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! میں پچھہ دونوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ میرے  
عقلے میں کوئی غلط آدمی شامل ہو گیا ہے۔"

"غلط آدمی۔ کیا آپ نے ان دونوں کسی کو ملازم رکھا ہے؟"  
صحت نے پوچھا۔

"نہیں۔ چھے ماہ سے میں نے کوئی ملازم نہیں رکھا۔"

"تب پھر۔ غلط آدمی کا کیا کام؟"

"کسی ملازم کو ہلاک کر کے اس کی جگہ تو میں جا سکتی ہے،  
اس کے میک آپ میں۔"

"اوہ۔ ان کے منہ سے نکلا۔"

میں اسی وقت آفتاب نے پوچھ کر کہا:

"ہم نے گھر فون نہیں کیا۔ اب اجان پریشان ہو رہے ہوں  
گے۔"

"اوہ ہاں۔ فون کر لو۔ اوہ بولے۔"

آفتاب نے گھر کے نمبر ملائے، دوسری طرف سے فوراً  
ہی بیگم کامران مرزا بولیں:

"بیکو آفتاب۔ تم کہاں ناکسب ہو گئے؟"

"میں پاٹھر پر اپنے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ ہم آپ  
کو اخراجیوں نے بے شکر کر دیا۔"

"ہوں۔ خیر۔ وہ بولیں۔

"فون کا رسیور ذرا اب اجان کو دیں۔"

"وہ تو آکر چلے بھی گئے۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ کہاں چلے گئے؟"

"تم بھائی منور علی خان کا خط میز پر چھوڑ گئے تھے۔"

"اوہ۔ تو انہوں نے خط پڑھا اور چلے گئے۔"

"ہاں! لیکن کہاں گئے ہیں۔ یہ نہیں معلوم؟"

"خیر۔ ہم پروفیسر صاحب کی رصدگاہ میں ہیں۔ اگر وہ آئیں  
تو اخیس بتا دیں۔"

"اچھا! انہوں نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

"تو آپ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس غلط آدمی کو  
ڈھونڈ نکالیں۔"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔ یہ رصدگاہ۔ ہمارے ٹکڑے  
کی سب سے بڑی رصدگاہ ہے۔ کہیں اس کے خلاف کوئی  
سازش نہ کی جا رہی ہو۔"

"ہوں۔ اس کے امکانات ہیں۔"

"تو پھر تم اسی وقت سہ کام شروع کر دو۔  
جس سر کی وجہ پر قسم کی آزادی ہوئی پا ہے۔ ہر طرفہ آئندہ  
بڑے کی۔ پچھپا کر لے کی۔"

"ٹھیک ہے۔ انہوں نے فروز کہا۔

"عملے کے سُل کتنے آدمی ہیں؟"

"چھیس۔" انہوں نے کہا۔

"گویا ہمیں پچیس آدمیوں کو چیک کرنا ہو گا۔ اور رصد گاہ کی پوری تعداد کا بھی جائزہ لینا ہو گائے۔ باہمکی ہے؟"

"آپ فکر د کریں۔ ہم ایک دو گھنٹے کے اندر ہی یہ کام کر گزیں گے۔"

"اتنی جلدی۔ اچھا! ان کے لمحے میں چیرت تھی۔

"بس دیکھتے جائیے۔ ابتدا ہم آپ سے کریں گے: آفات مُکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم آپ کے چہرے کو چیک کرنا چاہتے ہیں۔ کیا خبر وہ غلط آدمی آپ ہی ہوں؟"

"یہ۔ یہ تم کیا کہ رہے ہو۔ اگر وہ غلط آدمی میں ہوتا تو تمہارے پاس کیوں جاتا۔"

"غلط آدمیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" اصف نے کہا۔

"تو تمہارا مطلب ہے۔ اصل پروفیسر غوری کی جگہ میں نے۔"

"یعنی غلط آدمی نے لے لی ہے۔"

"ہم نے یہ نہیں کہا۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم میرے چہرے کو چیک کر لو۔"

تینوں آن پر بحکم گئے اور میک آپ کے امکانات کا جائزہ لینے لگے۔ آخر پڑھ منٹ بعد آفات نے کہا:

"نہیں۔ آپ بالکل درست آدمی ہیں۔ اب کیوں نہ ہم بالکل سیدھا راستا اختیار کریں۔"

"سیدھا راستا۔ کیا مطلب؟"

"اس طرح پچیس کے پچیس آدمیوں کے چہروں کو چیک کر ڈالیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

یہ کہ کہ انہوں نے میز پر نصب الالات میں سے ایک کا ٹین دباتے ہوئے کہا:

"احسان کا ذی۔ عملے کے لوگوں کو میٹنگ روم میں لے آؤ۔ ایک منٹ کے اندر۔"

"او کے پروفیسر۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ پروفیسر غوری نے ٹین آف کر دیا۔

آپ نے یہ نہیں بتایا انھل۔ کہ آپ کو غلط آدمی کا شک بس طرح ہوا؟"

”ایک روز ایک الماری مجھے کھلی ملی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ غلطی سے کھلی رہ گئی ہو گی، لیکن دوسرا دن دوسرا الماری کھلی تھی۔ اب تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے ہونے سے پہلے تمام الماریاں اچھی طرح بند کیں اور سو گیا۔ لیکن صحیح تیسرا الماری کھلی ملی۔“

”اوہ۔ عملے کے لوگ کیا یہیں رہتے ہیں۔“

”ان میں سے چھے آدمی یہیں رہتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی رات کو ہوتی ہے۔ صحیح وہ چھے جاتے ہیں۔“

”وہ چھے آدمی اب یہاں ہیں؟“

”ہاں! باکل۔“

”بہت خوب۔ تب تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ غلط آدمی ان چھے میں سے ایک ہے۔“

”اوہ۔ چیک کر لو۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔

”اوہ ان کے ساتھ میٹنگ روم میں داخل ہوئے، یہ ہاں نما کمرہ تھا۔ سب لوگ پروفسر کے احترام میں یک دم کھڑے رہو گئے۔“

”ترشیف رکھئے۔“ انہوں نے کہا اور خود بھی اپنی گرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے دائیں بائیں کچھ کریاں خالی پڑی تھیں، وہ تینوں ان پر بیٹھ گئے۔

”میری بات خوشی کیا۔  
سب کی نظر بیٹھتی ہے۔  
یہ بات ثابت ہو گیا ہے۔“

”جی۔ کیا مطلقاً  
غلط آدمی سے  
خدار۔ اور،“

ماتحت نے چرت زدہ

”ان سے ملے  
کے بچے ہیں۔ یہ تم  
کہ ہم لوگوں میں۔  
نے سب سے پہلے مجھے  
کہا۔“

”جی۔ کیا مطلقاً  
ابھریں۔“

”ہاں! یہ  
اور آپ۔  
ہاں۔ اور“

ایک محافظ کو بلا دیا گی۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔  
” آپ ان سب پر نظر رکھیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص  
کوئی غلط حرکت کرتا نظر آئے تو فوراً اسے رائفل کی زد  
میں لے لیں اور پکارا ٹھیں۔“ آصف نے اسے ہدایت دی۔

” ٹھیک ہے۔ میں سمجھ دیں گی۔“ اس نے سر ہلا کیا۔

اب وہ تینوں پہلے ماتحت کے قریب آئے اور اس کے  
چہرے کو ڈٹونا شروع کیا۔ آفتاب نے جیب سے ایک چھوٹا سا  
چاقو بھی نکال لیا۔ اس کی نوک سے بھی اس نے جلد کو چھو  
کر دیکھا۔ اس پر وہ ماتحت بول اٹھا۔

” یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔“  
” ملک اور قوم کے لیے تھوڑی سی تکلیف تو آپ کو بردشت  
کرنا ہی ہو گی۔ لوگ تو جانیں دے دیتے ہیں۔“

ماتحت کے ہونٹ بچخن لگئے۔ آخر وہ اسے چھوڑ کر دوسرے  
کی طرف بڑھے۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔

” خیر تو ہے۔ آپ کا رنگ سفید کیوں پڑ گیا؟“

” آپ۔ آپ چاقو سے چیک نہ کریں۔“

” فکر نہ کریں۔ آپ کی جلد زخمی نہیں ہو گی۔“

” اچا۔“ اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

تینوں نے اس کے چہرے کو بھی غور سے دیکھا۔ چیک

پڑے۔

ہستے ہیں۔ میرا خیال

ہو گا۔

ٹھک کر کہا۔

یں گے۔

تفہ ہے۔ یہ باقاعدہ

کریں گے۔ ان

چھروں کو چیک کریں

تو نہیں ہے۔ صاف

کے پاس جائیں گے۔

اور ہاں انکل۔

بک کو یہاں بلا۔

کیا اور پھر آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح انہوں نے آٹھ آدمی  
چیک کر ڈالے، پھر اچانک آفتاب نے کہا:

”ایک منٹ۔ میں ابھی آیا؟“

یہ کہ کر وہ محافظ کے پاس آیا اور بولا:

”آپ پانچویں آدمی کو زد پر لے لیں۔“

”اوے کے۔“ اس نے کہا اور رانفل اس کی طرف تن گئی۔

”یر کیا۔ تم لوگ تو اس وقت نویں آدمی کو چیک کر رہے تھے۔“ پروفیسر بولے۔

”یہ ہماری چال تھی۔ یہ پانچواں آدمی ہی آپ کا مجرم ہے۔“

”ما تھا اور اٹھا دو مرٹر۔“ محافظ غزا۔

”اس کے ما تھا اور اٹھ گئے۔ اسی وقت پروفیسر بولے:

”لیکن اس کا ثبوت۔“

”ہاں ضرور۔ ہم ثبوت بھی پیش کریں گے۔ پہلے اس کی تلاشی لے لی جائے۔“

اس کی اچھی طرح تلاشی لی گئی۔ کمر کے پاس ایک نشان

سے پستول چکا ہوا پایا گیا۔ یہ نے پر کاغذات بھی مل گئے۔

انہوں نے ان کاغذات کو دیکھا اور بول آئئے:

”یہ سمجھے۔ یہ شخص تو غیر ملکی جا سوس ثابت ہو گیا۔“

”اوہ۔ تو میرا اندازہ درست تھا۔“

”اب اسے خوبی پولیس کے حوالے کرنا ہو گا۔ تاکہ مزید  
معلومات بھی حاصل کی جا سکیں۔ کیوں نہ۔ تمہیں اپنی صفائی میں  
تو پکھ نہیں کہنا۔“

ناظر آدمی خدا شدہ۔

”کم دل کم ہتھ تو بتا دو۔ اس غریب کا کیا بن۔ جس کی  
تم نے جگہ لی ہے۔“

”میں سنھ۔ ہتھ نہم کرو دیتا تھا۔“

”اوہ۔ پروفیسر صاحب۔ آپ اس کے گھر والوں کو اخلاق دینے“

آپ۔ اسے۔ گھر۔ گھر والوں نے آپ سے کیوں نہیں پوچھا۔

”یہ سیل جامی کے میک آپ بھی ہے۔ اور سیل جامی کا  
اس شہر میں کوئی ہریز نہیں۔ اس کے رشتے دار دوڑ دوڑ کے  
شہر میں رہتے ہیں۔“

”ہوں۔ شاید اسی لیے اس غریب کو چُنا گیا تھا۔ فرم  
نے مکہ بھری آواز میں کہا۔

خوبی پولیس کو فون کیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ آگر اسے  
لے گئے۔

”اوہ۔ تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟“  
”ہمیں اجازت دیں۔ تاکہ ہم دوسرے معاملے کی طرف  
تو بددے سکیں۔“

” اور رصدگاہ کا معاہدہ نہیں کر دے گے ”

” اوہ ہاں ۔ یہ بہت ضروری ہے ۔ اس کام کو بھی کر ہی لیا جائے ۔ ہمارے ساتھ اپنے ایک دو اسٹنٹ بھیج دیں ۔“  
” ٹھیک ہے ۔“

دو ماختوں کے ساتھ انہوں نے رصدگاہ کا معاہدہ شروع کیا ۔ ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لیا اور پھر ایک کمرے میں دہٹک کر دے گئے ۔ ان کے چہرے سفید پڑ گئے ۔  
” اُف مالک ۔“ اُصفت کے منہ سے نکلا۔

” کیا ہوا جناب ؟“ ایک ماختنے کہا۔  
” مہربانی فرمائ کر پرو فیر صاحب کو بلا یئے ۔ جلدی ۔“ اُصفت نے کہا۔

ماختنے دوڑ لگا دی ۔ اور پھر پرو فیر کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا ۔ پرو فیر صاحب کے چہرے پر ہوا نیا اڈ رہی تھیں ۔

” اوہ ہو ۔ انپکٹر کامران مرزا ۔ آپ اور یہاں ۔“

” ہاں اجل بخاری صاحب ۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری کام ہے ۔“ انہوں نے جلدی سے کہا۔

” تشریف لائیے ۔“ اجل بخاری نے راستا دیا۔

” جی نہیں ۔ اندر پہنچنے کا وقت نہیں ۔ میں بہت جلدی میں ہوں ۔ بس آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ بن جام کہاں ہے ۔“

## میں ایک درندہ ہوں

انپکٹر کامران مرزا کی جیپ آڑی جا رہی تھی ۔ ان کی  
انہوں کے سامنے اپنے دوست منور علی خان کی صورت ناچ  
رہی تھی ۔ پندرہ منٹ تک یکساں رفتار سے جیپ دوڑانے  
کے بعد انہوں نے بریک لگائے ۔ چھلانگ لگا کر نیچے آرتے  
اور ایک کوٹھی کے دروازے کی گھنٹی بجائی ۔ جلد ہی دروازہ  
کھلا اور ایک ادھیر غرائدی کی تھوڑت نظر آئی ، فوراً ہی کہ  
شخص چکا :

” اوہ ہو ۔ انپکٹر کامران مرزا ۔ آپ اور یہاں ۔“

” ہاں اجل بخاری صاحب ۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری  
کام ہے ۔“ انہوں نے جلدی سے کہا۔

” تشریف لائیے ۔“ اجل بخاری نے راستا دیا۔

” جی نہیں ۔ اندر پہنچنے کا وقت نہیں ۔ میں بہت جلدی میں  
ہوں ۔ بس آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ بن جام کہاں ہے ۔“

بن جام۔ کیوں؟ ” وہ پوچھنے کے

” مجھے دہاں جانا ہے۔ منور علی خان دہاں قید ہیں؟ ”  
” یہ کہا۔ منور علی خان۔ لیکن کسی جنگل میں منور علی خان  
کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ ”

” ایک جال پھینک کر یہ کام کیا گی؟ ”

” اوه۔ تب تو یہ کوئی سازش ہے؟ ” وہ بولے۔

” جی ہاں! ایسی بات ہے۔ اور اسی لیے میں سیدھا آپ  
کے پاس آیا ہوں؟ ”

” لیکن آپ بن جام کے جنگل نہیں جا سکتے۔ ”

” کیا مطلب؟ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ”

” وہ حد درجے خطرناک جنگل ہے۔ قدم قدم پر خونخوار  
درندوں سے سامنا ہو گا۔ آپ کس کس درندے کا مقابلہ کریں  
گے؟ ” اجمل بخاری نے کہا۔

” آپ اس بات کو جانے دیں۔ اور یہ بتائیں۔ کیا اس  
جنگل میں کوئی بہت پرانی عمارت بھی ہے؟ ”

” عمارت۔ اس بارے میں میں کچھ نہیں کہا سکتا۔ کیوں کہ  
میں نے ایک زمانے میں اس جنگل کا صرف ایک حصہ دیکھا  
تھا۔ آگے بڑھنے کی بہت نہیں ہوئی تھی؟ ”

” شکریہ۔ اب آپ صرف یہ بتا دیں کہ یہ بن جام ہے کہا؟ ”

” ملک کے جنوب میں۔ یہاں سے آپ کو پہلے ٹانگ وانگ  
باہ پڑے گا۔ میں بھی بن جام جانے سے پہلے اسی شریں  
یا تھا۔ ”

” یہ تو مُٹا تھا۔ اچھا بخلاف شر ہے۔ ”

” جی ہاں! ٹانگ وانگ سے اس جنگل کو راستا جاتا ہے،  
شر سے جنگل تیس کلو میٹر دور ہے، لیکن جنگل کے شیر  
بھی بکھار شریں بھی آگھتے ہیں۔ ”

” ہوں۔ بہت بہت غلکری۔ اچھا اللہ حافظ۔ ”

” اسے ارسے۔ تو کیا اسی وقت آپ اس طرف جا رہے ہیں۔ ”  
” ہاں! میں مرک نہیں سکتا۔ ” انھوں نے کہا۔ اجمل بخاری  
سے ہاتھ ملایا اور مظر کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ اب ان کی جیپ  
ٹانگ وانگ شر کی طرف روان دواں تھی۔ اور یہ شر بہت  
دور واقع تھا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے  
بعد آخر وہ ٹانگ وانگ میں داخل ہوتے۔ ایک راہ گیر کو  
روک کر انھوں نے پوچھا:

” مجھے شکار کے سامان کی کسی دکان کی تلاش ہے، کیا آپ  
اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہیں؟ ”

” جی ہاں ضرور۔ لیکن آپ کو مجھے ساتھ نے جانا پڑے گا،  
اس طرح آپ نہیں پہنچ سکیں گے۔ ”

" تو پھر تشریف رکھے:

راہ گیر بیٹھ گیا اور راستا بتانے لگا۔ میں منٹ بعد وہ دکان کے سامنے پہنچ گئے اور جیپ کو ایک طرف کھواد کر دیا:

" آپ کا بہت بہت شکریہ جناب: انپکٹر کا مردانہ راہ گیر سے کہا۔

" خالی چیلی شکریہ! اس نے مذہبیا۔

" تو پھر۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے چران ہو کر کہا۔

" میرا معاوضہ دیجیے۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ نوواردوں کو منزل سک پہنچانا۔"

" اودہ اچھا۔ کتنا معاوضہ بناؤ آپ کا۔"

" جی۔ صرف میں روپے۔ اس نے کہا۔

انپکٹر کا مردانہ راہ گیر سے میں روپے دے دیے اور وہ دکان میں داخل ہوئے:

" مجھے شکار کا کچھ سامان اور بن جام کا ایک نقش پاہیے۔ اور اگر راہ نمائی کے لیے کوئی شکاری مل جائے تو اور بھی اچھی بات ہو گی۔ انھوں نے کاؤنٹر پر بیٹھے اور میرا عمر کے ادمی سے کہا۔

" ضرور کیوں نہیں۔ تمذوں ہی چیزیں مل جائیں گی۔ پہلے آپ سامان خرید لیں۔"

" شکار کے لیے انتہائی ضروری چیزیں دے دیں۔"

" شش۔ شاید آپ شکاری نہیں ہیں۔ اس نے انھیں بغور دیکھا۔

" ہاں یہ صحیح ہے:

" تب پھر۔ آپ بن جام کیوں جانا چاہتے ہیں؟"  
مجھوری ہے۔ میرے ایک دوست ہیں۔ بہت مشہور شکاری ہیں۔ وہ جنگل میں کیس پھنس گئے ہیں۔ انھیں جنگل سے نکال لانا اب میرا کام ہے۔"

" بہت مشہور شکاری۔ بہت خوب۔ اچھا جناب۔ آپ میں چیزیں نکالتا ہوں۔ اس نے کہا اور اپنا کام کرنے لگا۔ چیزیں نکال کر اس نے کاؤنٹر پر رکھنا شروع کیں۔ ان میں بن جام کا ایک نقش بھی تھا۔

" ان کا دل بناؤں۔"

" ہاں ضرور۔ لیکن شکاری۔"

" شکاری بھی ابھی حاضر کیے دیتا ہوں۔"

" یہ کر کر وہ دل بنانے لگا، اگر بولا:

" سترہ سو میں روپے۔"

انھوں نے رقم گن دی۔

" میں ابھی آیا۔" اس نے جیپ میں نوٹ ٹھونٹنے ہوئے

کما اور پھر دکان کے اندر گیس غائب ہو گیا۔ اپکٹر کامران مژا انتظار کرتے رہے۔ آخر قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے سامنے دیکھا۔ ایک بہتر نگاہ آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کافی چحت اور چالاک نظر آ رہا تھا،

” یہ ہیں مسٹر رونو۔ اس دور کے مشہور تین شکاری۔ لیکن ان دونوں مالی اجھنوں کا شکار ہیں۔ اس یہی نئے شکاریوں کی رہنمائی کرنے کا پہلا اختیار کرنے پر بحور ہو گئے ہیں۔ بوڑھے نے تعارف کرایا۔

” اوہ اچھا۔ خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر رونو یہ لگ کر انہوں نے اس سے ہاتھ بھی ملایا۔

” میرے کھانے پینے کے اخراجات الگ ہوں گے۔ یعنی ان کے نئے دار بھی آپ ہوں گے اور شہر سے ہی ہمیں تمام چیزوں لے کر جانا ہو گا۔ ”

” ٹھیک ہے۔ آپ فکر د کریں مسٹر رونو۔ میرے پاس کافی نقدی ہے۔ وہ مسلکا رہے۔

” تب پھر آپ یہیں تشریف رکھیں۔ ایک ہزار روپے مجھے دے دیں، میں کھانے پینے کا سامان لے آتا ہوں۔ ”

” اچھی بات ہے، لیکن دیر نہیں ہونی چاہیے۔ ”

” میں بس یہ گیا اور یہ کیا؟ اس نے کما اور رقم لے کر

چلا گی۔

پندرہ منٹ بعد وہ چیزوں سے لدا پھندا آتا نظر آیا۔ چیلیے جناب۔ یہیں تیار ہوں۔ اس نے پرست انداز میں کہا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوتے۔ اور سوالیہ نظرؤں سے اس کی

طرف دیکھا:

” جنگل تک کیسے جانا ہو گا؟ ”  
” ٹیکسی کے ذریعے۔ وہ بولا۔

ایک ٹیکسی میں وہ جنگل تک پہنچے۔ پھر نیچے اُترے، بل ادا کی اور جنگل میں داخل ہو گئے۔

” آپ کا یہ سارا جنگل دیکھا جالا ہے؟ ”  
” اپنے ہاتھ کی اس ہتھیلی کی طرح جناب۔ ” اس نے فخری انداز میں کہا۔

” بہت خوب۔ کیا اس جنگل میں کوئی پرانی سی عمارت بھی ہے۔ کافی اونچی عمارت۔ ”

” عمارت۔ اس نے بڑھانا کے انداز میں کہا، پھر جلدی سے بولا:

” ہاں جناب۔ عمارت ہے۔ ”  
” تو پھر شکار کو ڈالیے بھاڑ میں۔ مجھے قوراً اس عمارت تک لے چلیے۔ ”

"جی کیا فرمایا۔ شکار کو بھاڑ میں ڈالوں" اس نے گھرا کر کہا۔  
"ہاں! لیکن آپ گھرا کیوں گئے؟"

"اگر میں نے شکار کو بھاڑ میں ڈال دیا تو میرے پے  
کیا رہ جائے گا؟"

"اوہ۔ آپ غلط سمجھے۔ مجھے اس مکان تک پہنچانے کے بعد  
آپ آزاد ہوں گے۔ اپنا کار و بار جاری رکھے گا۔"

"لیکن، حباب۔ آپ نہیں جانتے" اس کے لمحے سے پریشان  
ٹپک رہی تھی۔

"جو میں نہیں جانتا۔ آپ بتا دیں؟"

"اس عمارت تک پہنچنا اتنا آسان نہیں۔"

"پھر آپ رہنا کیسے ہیں؟" انپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔  
"ہوں، یہ بھی شبیک ہے۔ خیر۔ چلیے۔ آپ بھی کیا یاد کریں  
گے؟"

دونوں جنگل میں آگے بڑھتے رہے۔ جنگل بہت گھنا تھا:  
"یہ تو بہت پُر سکون جنگل نظر آتا ہے۔ کوئی درندہ ورنہ  
دھکائی نہیں دیا اب تک۔" انپکٹر کامران مرزا بڑا بڑا تھا۔  
"ادھر میری طرف دیکھیے۔"

"کیا مطلبے۔ آپ کی طرف دیکھوں۔ آپ کوئی درندہ نہیں  
ہاں! میں ابھی دور نہ رہوں۔ بلکہ درندے سے زیادہ

خطرناک ہوں"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو بھئی؟" وہ سکراتے۔

"تمہارا آخری وقت آچکا ہے۔" اس نے سرسراتی آواز  
میں کہا۔

انپکٹر کامران مرزا نے پُر سکون انداز میں اس کی طرف  
دیکھا۔ وہ شکاری چاقو ہاتھ میں لیے ان سے صرف ایک قدم  
کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ دوسرا سے ہی لمحے اس کا چاقو والا  
ہاتھ اوپر آٹھا اور ان کی گردن کی طفتہ آیا۔ اس کی پھر تی  
نے ایک لمحے کے لیے انھیں چرت زدہ کر دیا۔ ان کی جگہ  
کوئی اور ہوتا تو شاید یہ دار گردن پڑا ہی پڑتا، لیکن وہ پہنے  
ہی ہو شیار تھے۔ بجلی کی سی تیزی سے نیچے بیٹھ گئے اور اس  
کی ایک ٹانگ پکڑ کر گھیٹ لی۔ وہ کمر کے بل گرا اور اس  
زور سے گرا کر چاقو بھی ہاتھ سے بکھل گیا۔ دوسرا سے ہی  
لمحے انپکٹر کامران مرزا کی ایک لات اس کے پیٹ پر لگی  
اور وہ بلبلہ آٹھا۔ ساتھ ہی چاقو ان کے ہاتھ میں نظر آیا۔

"اب کیا کہتے ہو؟"

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

"میں بے خبر نہیں تھا دوست۔ دکان میں ہی میں نے تم  
دونوں کی آنکھوں کے اشارے دیکھ لیے تھے۔ کیا تم اسی

تو چلا گی، لیکن ہم اس کے تعاقب میں لگ گئے۔ جنگل میں ہم نے اسے گھیر دیا۔ لیکن وہ ذرا بھی نہ گھرا دیا۔ اور مقابلے پر آت رہا۔ ہمارے درمیان ایک خوف ناک لڑائی ہوئی۔ ایسی خوف ناک لڑائی ہمیں پہنچ کبھی نہ رکھتا پڑی تھی۔ ہمیں اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اور پھر اس لڑائی میں ہمارا سردار اس کے مقابلے سے مارا گیا۔ اب تو ہم اور بھی غصب ناک ہو گئے۔ لیکن پروگرام کے تحت بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہم نے جان یا تھا کہ سامنے سے مقابلہ کرتے ہوئے ہم اس پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ وہ ہمارے بھاگ کھڑا ہونے پر جنگل میں آگے بڑھنے لگا۔ ہم درختوں کی اوٹ میں اس کا تعاقب کرتے رہے۔ اس نے کئی بار مُڑ کر بھی دیکھا۔ مذہب سے یہ آواز بھی نکالی کر میں جانتا ہوں، تم میرا تعاقب کر رہے ہو، لیکن تم میرا کچھ نہیں بنکار سکتے۔ تم بزدل ہو۔ اور میں بسادر اس کے الفاظ نے ہمیں اور بھی تپا دیا اور ہم نے فیصلہ کیا کہ اس کو زندہ پکڑنا ہو گا۔ اور پھر ہم نے اس پر ایک جال پھینکا۔ وہ جال میں بُری طرح چھنس گیا۔ جال تھا بھی خاص قسم کا۔ گینڈوں کو قابو میں کرنے کے لیے خاص قسم کی تاروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کو چاقو سے کاملا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس جال کو جنگل کے سب سے اوپر نچے درخت

ٹھنڈے لوگوں کو ٹھکلتے ہو۔ انہوں نے سکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ایسی بات ہے۔“ ”اور جن لوگوں کو ٹھکلتے ہو۔ انہیں اس مکان میں قید کر دیتے ہو۔“ ”نہیں۔ ہمیں قید کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ بولا۔ ”ہمیں۔ تو کیا۔ تھمارے کچھ اور بھی ساتھی ہیں؟“ ”ہاں! اس شہر میں تو شکاری لوگ آتے ہی رہتے ہیں، ہم نے بن جام کے بارے میں ایسی ایسی بے شمار خبریں اڑا رکھی ہیں جن کی وجہ سے نئے شکاری تھا۔ جنگل میں گئے کھرتاتے ہیں۔ اور ہم انہیں شکار کر لیتے ہیں۔“ ”کوئی ایسا شکاری بھی ہے۔ جس کو اس مکان میں قید کیا گیا ہو؟“ ”ہاں ہے۔ وہ ابھی قید میں ہے۔“ ”لیکن کیوں۔ اس کو قید کیوں کیا گیا؟“ ”وہ بہت صدی ثابت ہوا۔ ہمارے ساتھی دکان دار سے وہ شکار کا کچھ سامان خریدنے کے لیے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے پیش کش کی کہ رہنمائی کے لیے کسی واقع شکاری کو ساتھ لے جاؤ، لیکن اس نے بڑے فخر کے انداز میں کہا کہ اسے کسی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ سامان خرید کر وہ تو

پر سے پھینکا گیا تھا۔ پھر جال کو اوپر آٹھایا جانے لگا۔  
جال ہم نے دراصل پہلے سے سیٹ کر رکھا ہے۔ اور اس کے  
لیے جدید قسم کے الات بھی فٹ کے لئے ہیں جن کی مدد  
سے ورنی تین چیز کو جال میں پھانس کر اوپر آٹھایا جانا  
باکل آسان ہو گیا ہے۔ اس طرح ہم نے اس دیوانے  
آدمی کو مکان کی چھت پر پہنچا دیا۔ ہم نے سوچا تھا کہ سردار  
کا انتقام اس سے اس طرح لیا جائے کہ سک سک کر  
مرے۔ ہم اسے یک دم نہیں مارنا چاہتے، اس لیے اسے صرف  
ایک وقت کھانا دیا جاتا ہے۔ لیکن وہ ابھی تک زندہ ہے۔  
اور ہم کھانا دے دے کر تھک پکے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ  
خاموش ہو گیا۔

”ٹھیک ہے۔ تمہارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟“

”وہ آگے میں گے۔“

”اوہ جال۔ کیا وہ بھی آگے ملے گا۔ انپکٹر کامران مرزا  
مکرائے۔“

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا:

”ایک بات جان لو مڑ رونو۔ اگر مجھ پر جال پھینکا گیا  
 تو میرے ساتھ تم بھی جال میں پھنسو گے۔ اب میرے ساتھ ساتھ  
 پلو۔ یہ چاقو تمہاری گردن کو چھوتا رہے گا۔ اور تم بچنا بھی“

”جھا ہو گے تو اس سے بچ نہیں سکو گے۔“  
یہ کہ کر انہوں نے چاقو کی نوک اس کی گدھی سے گلا  
دی اور اسے ہلکا سا دھکا دیا۔ روشن کے منز سے چیخ بکل  
لگتی۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ انپکٹر کامران مرزا محسوس کر  
رہے تھے کہ آس پاس درختوں کی اوٹ میں کچھ اور دشمن آگے  
بڑھ رہے ہیں، لیکن وہ ان کے خلاف کیا کر سکتے تھے۔ ہاں  
سامنے آ جاتے تو دو دو ہاتھی کیے جا سکتے تھے۔

”تمہارے ساتھی کتنے بُرذل ہیں اور خود غرض بھی۔“ انہوں  
نے کچھ سوچ کر کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“

”تمیں اس حالت میں دیکھو کہ بھی سامنے نہیں آ رہے۔“  
وہ کچھ نہ بولا۔

”تم انہیں مدد کے لیے کیوں نہیں پکارتے؟“

”اس وقت جنگل میں میرا کوئی دوست موجود نہیں۔“ اس  
نے کہا۔

”بھوٹ۔ دیسے میں جیران ہوں۔ وہ بہت پہلے مجھ پر  
بیچھے سے حملہ کر سکتے تھے۔ کوئی چاقو ہی پھینک مارتے۔“

لیکن انہوں نے تو ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ اوہ۔ میں سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے؟“

"یا تو ان کے پاس کوئی چاقو نہیں ہے۔ یا پھر وہ چاہتے ہیں۔ تم میرے باتوں مرجاو۔ کیا سوار کی موت سے بعد تم ان کے سارے بن گئے ہوئے؟"

"ماں! ایسی بات ہے۔ اس نے کھونے کھوئے انداز میں کہا۔"

"تب پھر ان کی خواہش ہے۔ تم مرجاو۔"

"ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ان کے پاس شکاری پاز

ضدہ ہوتے ہیں!"

یک دم انپکٹر کامران مزا نیچے گر گئے اور رونو کی لڑکہ خیز چیخ نے جھلک کر ہلا کر دیا۔ اس کی کمر میں بیک وقت تین پا تر پیوست ہو گئے تھے۔

اور تین چاقوں کے جسم پرست گزد گئے تھے۔ انھوں نے چاقوؤں کی سناہٹ میں لی تھی اور بڑوقت نیچے گرے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے رونو دم توڑ گیا۔ اتنی دیر میں انپکٹر کامران مزا ایک درخت کی اوٹ لے چکے تھے۔ اب پستول بھی ان کے ہاتھ میں نظر آ رہا تھا۔

## لڑاکا

"لک۔ کیا ہوا بھی۔ بیرون ہے؟"

"اس وقت تو یہی کہ جائے گا کہ خیریت ہے۔ ماں! اگر ہم نے تلاشی نہیں کی تو پھر خیر نہیں تھی، آپ کی رصد گاہ بحکم سے آؤ جاتی۔ اس میں ڈائنس میٹ سیٹ کر دیے گئے ہیں۔ لیکن بہت ہی خیز انداز میں۔ شاروں اور گودسرے آلات کے درمیان انھیں اس طرح چھایا گیا ہے کہ کسی کو آسانی سے نظر نہ آ سکیں، لیکن یہ ہماری نظروں سے نہیں پڑ سکے۔ یہ دیکھیے۔ ایک تو یہ رہا۔" آفتاب نے آلات کے درمیان مستطیل شکل کے ایک بکس کی طرف اشارہ کیا۔ "تب تو حکوم ہو گیا اللہ کا۔" یہ کہ کر پروفیسر فون ک ک طرف پکے۔

جلد بی ماہرین کی فوج والی نظر آئی۔ انھوں نے پوری رصد گاہ کو چھان مارا اور جہاں جہاں ڈائنس میٹ لگا دیئے

گئے تھے۔ انہیں نکال پہنچنا۔

"میرا خیال ہے۔ اب تو یہاں ہمارا کام مکمل ہو گی۔ ہمیں اجازت دیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اگر تمہارا جانا ضروری نہ ہوتا تو ابھی تم لوگوں کو نہ جانے دیتا۔ ہمیں یہ بھی تو غور کرنا ہے کہ آگر رصدگاہ کو اڈانے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہمارے دشمن و نشاں کو۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ غدار جو سیل جامی کے میک اپ میں تھا۔ ونشاں کا جاؤں ہے۔"

"فوری خطرہ ٹھیک گیا ہے۔ ہم ذرا اپنے انکل کو چھڑا لائیں۔ پھر اس معاملے پر غور کریں گے۔ اور اس وقت آبا جان بھی ساتھ ہوں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

پروفیسر صاحب سے رخصت ہو کر وہ گھر آئے۔

"اب جب کہ انکل منور علی خان کی مدد کے لیے آبا جان رواد ہو چکے ہیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"ہمیں بھی ان کے پیچھے جانا چاہیے۔"

"گویا ہمیں بن جام کی طرف سفر کرنا ہو گا، لیکن ہم نہیں جانتے۔ بن جام کس طرف ہے اور ہمیں کون سارا ت اغفار کرنا پڑے گا۔"

"گھر میں اپنے ملک کا نقشہ موجود ہے۔ اُو۔" آصف بولا۔ وہ نقشہ پر جھک گئے، لیکن کئی منٹ تک بغور نقشہ جائزہ لینے کے بعد بھی بن جام کا نام کہیں نظر نہ آیا۔ "یہ کیا۔ یہاں تو بن جام کا نام بھی نہیں ہے۔" ت نے منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے، بن جام کا کوئی اور نام بھی ہو اور نقشے میں نام لکھا ہو۔"

"ہاں! اس کا امکان ہے۔ لیکن اب ہمیں دوسرا نام طرح معلوم ہو۔"

"انکل نے بھی تو کسی طرح معلوم کیا ہی ہو گا۔"

"وہ کسی ماہر کے پاس چلے گئے ہوں گے۔ ہم کس طرح

ہیں۔ ماہر کا نام پتا بھی تو معلوم ہونا چاہیے۔"

"وہ سورج میں ڈوب گئے۔ ایسے میں۔ سیگم کامران مرزا کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں، چند لمحے تک انہیں دیکھتیں، آخر دلیں:

"خیر تو ہے۔ خاموشی کا روزہ رکھ لیا ہے کیا؟"

"نج۔ جی نہیں تو اتمی جان۔ یہ دن خاموشی کے روزوں کہاں ہیں۔ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا خاموشی کے روزوں کے دن بھی ہوتے

"پتا نہیں: آفتاب نے کندھے اچکائے۔

"آنٹی۔ بن جام کہاں ہے؟" فرحت بولی۔

"میں کیا جانوں۔ تم نے ہی کہیں رکھا ہو گا۔"

"جی کیا فرمایا۔ بن جام۔ اور ہم نے کہیں رکھا ہو گا۔"

آپ کے خیال میں بن جام کیا ہے؟

"جام۔ جیسے اپل جام۔ جسی مرتبے کو کہتے ہیں نا۔" ہیلو انکل۔ ہمیں کسی جزا فیے کے ماہر کی ضرورت ہے، انہوں نے کہا۔

"اوہ! ان کے منڈ سے نکلا اور پھر ان کی ہنسی نکل گئی۔ مگر سکتے ہیں۔"

جب کھی کھی نے طول پکڑا تو انہوں نے برا مان کر کہا

"تو کیا بن جام کسی اور چیز کا نام ہے؟" دوسری طرف سے ڈی آئی جی

"جی۔ یہ دراصل ایک عدد جنگل کا نام ہے۔ آپ نے شب کی آواز پھر سنائی دی۔"

انکل منور علی خان والا خط نہیں پڑھا شاید۔

"اوہ نہیں۔ میں خط کا مضمون نہیں پڑھ سکی۔"

"تب پھر آپ نے بن جام کا مطلب تھیک ہی سمجھا تھا؛

آفتاب بولا۔

"آخر معاملہ کیا ہے؟"

انہوں نے جلدی جلدی ساری بات بتا دی۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ہمیں جزا فیے

کاٹے۔ دوسری بار کوشش کرنے پر نمبر مل گیا۔"

"ہیلو آصف۔ ۳، ۵۲۹ پر فون کر لو۔"

"جی شکری؟" اس نے کہا اور سلسلہ کٹنے کے بعد یہ نمبر

"ہیلو۔ میں آصف ہوں جناب۔ ڈی آئی جی صاحب کو معرفت آپ سے ایک سوال پوچنا چاہتا ہوں۔ امید ہے، محسوس نہیں کریں گے۔"

"ضرور پوچھیے۔ اس میں محسوس کرنے کی کیا بات ہے۔ دوسری طرف سے خوش اخلاق آواز سنائی دی۔"

"شکریہ جناب۔ بس آتنا بتا دیں۔ بن جام کہاں ہے۔ یا یہ کہ اس کا دوسرا نام کیا ہے؟"

"بن جام، ہمارے ملک کا ایک گھنا جنگل ہے، لیکن نام اس کا پڑانا ہے۔ نیا نام کالا جنگل ہے۔ اور یہ ملک کے جنوب میں واقع ہے۔"

"شکریہ جناب۔ بس یہی معلوم کرنا تھا۔" "کوئی بات نہیں۔"

ریسیور دکھ کر آصف ان کی طرف مردا:

"بن جام کا موجودہ نام کالا جنگل ہے۔ اب نقش دیکھو۔ وہ ایک بار پھر نقش پر جمک گئے اور جلد ہی انھیں کالا جنگل نظر آگیا، پھر انہوں نے دہان جانے کے لیے خود ہی ایک راستا تجویز کر لیا۔ اب وہ جلد از جلد بن جام کے کنارے واقعہ شہر میں پہنچ جانا چاہتے تھے۔"

"ہمیں ٹرین سے جانا ہو گا۔ یا پھر ٹیکسی کر لیتے ہیں،

یکن سفر دور کا ہے۔"

"ٹرین کا سفر ٹھیک رہے گا۔ ہمیں بن جام کے کنارے واقعہ شہر سلطان جنگ کے اشیش پر آترنا پڑے گا۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس وقت کوئی ٹرین اس طرف روانہ ہوتی ہو۔"

"ہوں۔ ابھی معاذم کر لیتے ہیں۔"

انھیں جلد کوئی ٹرین ذمہ سکی۔ آخر ٹیکسی کر کے وہ روانہ ہوئے۔ ایک طویل سفر کے بعد وہ سلطان جنگ میں داخل ہوئے۔ ایک ادھڑو گیر کے راہ گیر کو روک کر آصف نے پوچھا: "کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ کالا جنگل اسی شہر کے کنارے واقع ہے؟"

"کالا جنگل۔ یعنی بن جام۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"وہ اس شہر کے کنارے واقع ہے۔"

"کسی اچھے سے ہوٹل کا نام بھی بتا دیں؟"

"شاہ ہوٹل۔ بادشاہوں اور شہزادوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور مزے کی بات یہ کہ آج اس ہوٹل میں ایک خاص پروگرام بھی ہے، لیکن آپ لوگوں کو بھلا اس میں جگہ کہاں ملے گی۔" یہ کہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

"لیکن آپ ہم پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہیں۔" آفتاب  
نے جیران ہو کر کہا۔

"تم بھولے بھائے اور تھکے ماندے نظر آ رہے ہو۔ اور  
میں ایک رحم دل آدمی ہوں۔ بس۔ اگر تمھیں میری پیش کش  
اچھی نہیں لگی تو پھر کاؤنٹر پر جا کر کوشش کر سکتے ہو تو اس  
نے کہا ہے اچھا ہے۔"

"بڑا نہ مانیجے جناب۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔" بیٹھو  
جئی۔ آصف نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ آفتاب اور فرحت  
نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر وہ  
بھی بیٹھ گئے۔

"کیا یہاں ہر روز اتنا ہی رش ہوتا ہے؟"  
رش تو خیر ہر روز کم نہیں ہوتا، لیکن آج پچھے زیادہ  
ہی ہے۔ اور اس کی وجہ ہے۔ شاہ اعظم کا رضا کا۔  
"شاہ اعظم کا رضا کا۔ کیا مطلب؟ آصف نے جیران ہو  
کر پوچھا۔

"شاہ اعظم ایک چھوٹے سے ملک کا بادشاہ ہے، لیکن  
وہ ملک دولت مند بہت ہے۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے  
تیل کے ذخائر عطا فرمائے ہیں۔ شاہ اعظم نے اپنا ایک محافظ  
رکھا ہے۔ اس کو شاہ اعظم کا رضا کا کہا جاتا ہے۔ وہ جب  
نہیں دی سکے گی۔"

"سوال یہ ہے کہ ہمیں کسی ہوٹل میں ٹھرنے کی کیا ضرورت  
ہے۔ ہمیں تو بن جام جانا ہے۔" فرحت نے بے تابانہ انداز  
میں کہا۔

"اس طویل سفر کے بعد کچھ دیر آرام کرنا اور کچھ کا  
پی لینا بہتر ہو گا۔ اس حالت میں ہم دشمن کا کیا مقابلہ کریں  
گے؟" آصف بولا۔

"آصف کا خیال ٹھیک ہے۔ ہمیں تازہ دم ہو جانا چاہیے۔  
وہ شاہ ہوٹل پہنچ گے۔ ملکی کو درایور کو انہوں نے فارغ  
کر دیا۔ اب وہ اندر داخل ہوئے۔ ہوٹل کچھ کچھ بھرا تا۔  
ان کے قدم اچھی کاؤنٹر کی طرف اٹھنے ہی لگے تھے کہ ایک  
شخص نے انھیں ہاتھ کا اشارہ دیا۔

وہ چونک کر اس کی طرف مرے۔ اس نے پھر اشارہ دیا،  
المجن کے عالم میں وہ اس کی طرف بڑھنے لگے۔  
"ہال میں بیٹھنے کا ارادہ ہے کیا؟" اس شخص نے ان کے  
زدیک پہنچنے پر پوچھا۔

"اہ جناب۔" آصف بولا۔

"تو پھر میری میز پر بیٹھ جائیں۔ میں نے پوری میز ملک  
کردا رکھی ہے۔ اس وقت آپ کو ہوٹل کی انتظامیہ کوئی کرسی  
نہیں دی سکے گی۔"

بھی یہاں آتے ہیں۔ اس ہٹول میں ٹھرتے ہیں۔ اور دن کا اعلان ہوتا ہے، ہے کوئی جو میرے لڑاکے سے مقابلہ کر سکے، میں اس کو تیل کا ایک کنوں اپنے ملک کا انعام میں دوں گلا۔ جس میں بے حساب تیل موجود ہے۔ بہت سے لڑاکوں نے شاہ کے لڑاکے کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار منز کی کامی۔ آج ایک بار پھر یہ مقابلہ ہو رہا ہے۔ سنا ہے۔ اس بار ہٹول کی انتظامیہ نے لڑاکے کا بندوقیت کیا ہے۔ دراصل چار ماہ پہلے، ہی شاہ اعظم یہاں آمد کا اعلان کر چکے تھے۔ اور انہوں نے اس مقابلے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہٹول کی انتظامیہ کسی ایسے آدمی کی تلاش میں تھی۔ جو شاہ کے لڑاکے سے مقابلہ کر سکے:

”اس صورت میں تیل کا کنوں تو اس لڑاکے کو ملے گا۔ ہٹول کی انتظامیہ کو کیا فائدہ؟“  
”ہٹول کے مالک نے اس لڑاکے سے سودا کر لیا ہو گا؛“ اس نے کہا۔

”تب تو یہ واقعی ایک دل چسپ مقابلہ ہو گا۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ مقابلہ دیکھنے کا موقع دیا۔ آفتاب بولا۔“

”ہوں۔ کوئی بات نہیں۔ مجھے شکریے کی ضرورت نہیں۔“

اس نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن بھی۔ ہمیں بن۔“ فرحت نے کہنا چاہا۔

”ہاں ہاں۔ ہمیں یاد ہے۔ تم فکر نہ کرو۔“ آصف نے کہا۔

”کیوں جناب۔ ہم بن جام نامی جنگل میں جانا پاہتے ہیں، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”لیکن آپ لوگ اس جنگل میں کیوں جانا پاہتے ہیں۔ وہ تو منا ہے، بہت خطرناک جنگل ہے۔ اس میں داخل ہونے والے تو زندہ واپس نہیں آتے۔“

”بھی بس۔ ہم بھی ذرا اس کو دیکھنا چاہتے ہیں۔“  
”میں اسی وقت ہاں میں تیز گھنٹی کی آواز گوئی میں تھی۔ اوہ ہو۔ شاید مقابلے کا وقت ہو گیا ہے۔“

”ہم نے اب تک آپ کا نام نہیں پوچھا جناب۔“

”میں خاور جیلانی ہوں۔“

”شکریے جناب۔ یہ مقابلہ کتنی دیر کا ہو گا؟“ آصف نے پوچھا۔

”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک ان میں سے ایک گر کر بے دم نہیں ہو جائے گا۔ مقابلہ جاری رہے گا۔“

”اوہ۔ اس طرح تو ان میں سے ایک مر جی سکتا ہے۔“

”نہیں خیر۔ سنا ہے، یہ مقابلہ مرنے کی حد تک تو نہیں۔“

نے ان کے رواکے کے مقابلے میں ایک آدمی کو تیار کیا ہے۔  
اب دیکھنا یہ ہے کہ فتح کس کی ہوتی ہے۔ رواکا میرا ملزاں  
ہے۔ اسے میں نے خریدا ہوا ہے۔ گویا غلام ہے۔ اس کی  
جیت دراصل میری جیت ہو گی۔ تیل کا کنوں مجھے ملے گا،  
لہن غلام کو اس خوشی میں آزادی ملے گی۔ اور اس نے یہ  
سودا خوشی سے منظور کر لیا ہے۔ یہ بھی۔ شاہ اعظم تشریف لا  
رہے ہیں۔ امید ہے، آپ ان کا استقبال پر جوش تالیوں سے  
کریں گے۔ میں ہوں آپ کا خادم، اس ہوش کا مالک راحل۔  
ہال تالیوں سے گونجئے گا۔ انہوں نے لفٹ میں سے  
ایک شاہزاد بہاس والے کو اترتے دیکھا۔ اس کے دائیں بائیں  
خادم موجود تھے۔ وہ پتلادبلہ اور لمبے قد کا تھا۔ چہرے پر  
رُعب تھا۔

شیخ کے بالکل قریب اس کی میز خالی پڑی تھی۔ وہ  
اس پر آ کر بیٹھ گیا، تب کہیں جا کر تالیوں کا شور ملکا۔ اس  
کے خادم اس کے ہی بھی والی میز پر بیٹھے۔  
اب سب لوگ پھر شیخ کی طرف دیکھنے لگے۔ شیخ پر  
ایک میز موجود تھی۔ اس پر مختلف قسم کے ہتھیار سجائے  
گئے تھے۔ پھر شیخ کے دائیں طرف کا پروہ ہٹلا اور ایک پہلوان نما  
آدمی نمودار ہوا، اس کے جسم پر جھاروں والا بہاس موجود تھا،  
اسے تیل کا ایک کنوں انعام میں دیں گے۔ اس مرتبہ ہم

ہو گا۔ خادر جیلانی نے کہا۔  
میں اسی وقت شیخ کا پردہ آٹھنے لگا۔ ہال تالیوں سے  
گونجئے گا، لیکن انہوں نے تالی نہ بجائی۔ دوسرا طرف خادر  
جلانی نے بھی تالی نہ بجائی۔ اس پر انہیں حیرت سی ہوتی:  
”کیوں جناب۔ آپ تالی نہیں بجا رہے؟“  
”تم لوگ بھی تو نہیں بجا رہے۔“  
”میں یہ اچھا نہیں لگتا۔“

”اوہ مجھے بھی۔ خادر جیلانی مسکرا یا۔“  
”بہت خوب۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔“  
”اسی وقت ہال کے شیخ پر چھوٹے سے قد کا آدمی نمودار ہوا:  
”یہ کون ہے؟“  
”پتا نہیں۔ میں یہ مقابلہ نہ دیکھ رہا ہوں۔“  
”چھوٹے قد کا آدمی جھکا اور پھر سید عطا ہوتے ہوئے کہنے لگا:  
”خواتین و حضرات۔ ابھی پحمد منت بعد مقابلہ شروع  
ہونے والا ہے۔ شاہ اعظم بھی اپنے کمرے سے تشریف لانے  
والے ہیں۔ شاہ اعظم نے چار ماہ پہلے اعلان کیا تھا کہ اس  
باد جب وہ آئیں گے تو ان کا رواکا ان کے ساتھ ہو گا۔  
پورے شر میں سے کوئی اگر اس کا مقابلہ کر سکا تو وہ  
اسے تیل کا ایک کنوں انعام میں دیں گے۔ اس مرتبہ ہم

سب کے سامنے آ کر وہ تھوڑا سا بھکا اور پھر اپنا جمال روں والا بس آتا نے تھا۔ بس آتا کر اس نے ایک کونے میں رکھ دیا۔ اس کے جسم پر ایسا بس رہ گیا جو جسم کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔

یہ ہیں شاہِ اعظم کے رضا کے مرثی جو نی: راحل نے تعارف کرایا۔

جوں ایک بار پھر جکا اور سیدھا ہو گیا۔ اسی وقت بائیں طرف کا پردہ ہٹا اور پھٹے پرانے بس والا ایک شخص شیخ پر آ گیا۔

اس پر نظر پڑتے ہی وہ زور سے اچھے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے چیل گئیں۔

## دھکا

پھٹے پرانے بس والا شخص منور علی خان کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا تھا:

”اب - با - جان“ فرحت کے منہ سے دبی آواز میں نکلا۔

انھوں نے دیکھا، منور علی خان کی ہڈیاں نیکی ہوئی تھیں، پھرہ بالکل زرد پڑ گی تھا اور وہ برسوں کے بیمار نظر آ رہے تھے۔

”آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟“ خاور جیلانی بولا۔

”بچ - جی نہیں۔ آپ سے نہیں کہا“ فرحت ہکلائی۔

”تب پھر۔ کس سے کہا تھا؟“ خاور جیلانی نے چراں ہو کر کہا۔

”بھی - بس۔ ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا۔ آپ کچھ خیال نہ کریں؟“ فرحت گڑ بڑا کر بولی۔

”خیال کرنے کی بھی ایک ہی رہسی۔“ مجھے کیا مزورت ہے خیال کرنے کی۔ خیال کریں میرے ڈشمن۔“ خاور جیلانی کا انداز

جھلکا یا ہوا تھا۔

"اوہ۔ شاید آپ بُرا مان گئے۔ فرحت معافی مانگو۔ آمن جلدی سے بولا۔"

"لک۔ کس بات کی؟ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔  
"ہال بائلک۔ یہ بے چاری کس بات کی معافی مانگیں۔  
انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ چھوڑ دیئے، ادھر دیکھیے، سیچ کی طرف۔"

انہوں نے نظریں سیچ پر جمادیں۔ ہوٹل کے مالک کی آواز ہال میں گونج آئی۔

"اوہ یہ میں سڑ منور علی خان۔ آپ ان کے لباس پر د جائیے۔ ہم نے انہیں شاندار قسم کا لباس پیش کیا تھا، لیکن انہوں نے اسے پہنا منظور نہیں کیا، ان کا کہنا ہے۔ اسی لباس میں رٹیں گے۔ امید ہے، آپ لوگوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

ایک بار پھر تایاں گونج آٹھیں۔

"یہ دونوں لڑاکے خود طے کریں گے کہ لڑائی کس انداز سے ہو گی۔ کس ہتھیار سے ہو گی۔ سیچے میں سیچ سے ہٹ جاتا ہوں۔ تاکہ آپ اس شہر کی تاریخ کا دل چسب ترین مقابلہ دیکھ سکیں؟ یہ لک کر راحل اُنٹے قدموں پیچے ہٹنے لگا۔"

"یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں۔ کہ مقابلہ اس شہر کی تاریخیں چسب ترین مقابلہ ہو گا۔ آپ کو یہ بات کس طرح معلوم ہئی؟ ہال میں شاہ اعظم کی آواز گونجی۔ اس کے چہرے سے گاگواری کے آثار ٹیک رہے تھے۔ اس بات کو راحل نے فوراً محسوس کر لیا اور اس کے آٹھتے قدم رک گئے۔ وہ ایک بار پھر آگے بڑھا اور بولا:

"بھی ہاں ہیں غلط کر گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ مقابلہ چسب ترین ہو گا یا بور ترین۔ بہر حال یہ اور کچھ زیادہ دیر کی بات نہیں ہے۔"

اتنا کہ کہ وہ پھر پیچے ہٹنے لگا اور آخر تنہروں سے وجہل ہو گیا۔ اب شاہ کا لڑاکا اور منور علی خان ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ چند یکنڈا تک وہ ایک دوسرے کا بغور جائزہ لیتے رہے، آغرا شاہ کے لڑاکے نے کہا:

"مزا نہیں آتے گا آقا۔" یہ جملہ اس نے شاہ اعظم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا مطلب؟" شاہ بولا۔

"یہ تو میرے مقابلے میں بہت کمزور ادمی ہے۔ ایک ہاتھ کی مار ہے فقط۔"

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور۔ یہ لوگ تمہارے مقابلے میں

"اہی لا کھڑا کریں گے۔ تمہیں اسی سے مقابلہ کرنا ہو گا۔"  
حد۔ "اوے کے آتا۔ میں کیا کہ سکتا ہوں۔ ویسے آپ دیکھ رہے  
ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے بے چارے کو کھانے کو بھی دلتا ہو  
اور چلا آیا ہے میرے مقابلے کے لیے۔"

"اب ان باتوں کو چھوڑو۔ اور مقابلہ شروع کر دو۔"

"بہت بہتر آقا۔" یہ کہ کر اس نے اپنا رُخ منور علی خان  
کی طرف کر دیا۔

"ہاں مژہ۔ تم کسی ہتھیار سے لڑانا پسند کر دے گے؟"

"جس سے آپ چاہیں؟ منور علی خان کی آواز سنائی دی۔  
فرحت کا حال بُرا تھا۔"

"میں تو تم سے بغیر کسی ہتھیار کے ہی لڑاؤں گا۔ تم  
بے شک کوئی ہتھیار اٹھاوو۔"

"نہیں۔ اگر آپ ہتھیار نہیں اٹھائیں گے تو پھر میں بھی  
خالی ہاتھ ہی لڑاؤں گا۔ منور علی خان اداس انداز میں مسکرائے۔

"بہت خوب۔ تو یہ دم خم ہیں۔ آجاؤ پھر۔ خالی ہاتھ ہی  
لڑائیتے ہیں دونوں؟"

یہ کہ کر وہ شیخ کے بالکل سرے پر آ کر کھڑا ہو  
گیا۔ منور علی خان آہستہ آہستہ اس کی طرف قدم آٹھانے لگے۔  
اس سے مناسب فاصلے پر پہنچ کر وہ روک گئے۔

"کیا بیحال ہے۔ مقابلہ شروع کریں؟ لڑاکا بولا۔"

"ہاں ضرور۔"

"تو پھر سنبھلو۔ میں دار کرنے لگا ہوں۔"

"آئیے۔ منور علی خان نے پُر سکون آواز میں کہا۔

لڑاکے نے تیزی سے جھک کر ان کی طرف چلا گئے لگائی۔  
تماشا ہیوں کو یوں لگا جیسے کوئی باز کسی پھر لای پر جھپٹا ہو، لیکن  
دوسرا سے ہی لمحے انہوں نے دیکھا۔ منور علی خان مشی کے  
دوسرا سے رسے پر کھڑے تھے۔ لڑاکا اپنی ہی بھونک میں  
شیخ پر لڑھک گیا تھا۔

ہال ہایوں سے گونج آٹھا۔ شاہ حظیم کا رنگ اڈ گیا۔

"دیری گڑا۔ ان کے مذہ سے نکلا۔"

"جیرت ہے بھی۔ دیکھنے میں تو یہ صاحب بہت کمزور نظر  
اُرہے ہیں۔" خاور جیلانی نے جیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں واقعی۔ یہ تو ہے۔" آصف جلدی سے بولا۔

ادھر لڑاکا آٹھو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میرا اندازہ فلٹ تھا۔ یہ مقابلہ شان دار رہے گا۔ برابر کی  
چوٹ ثابت ہو گا۔" لڑاکے نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر۔ اب کیا پروگرام ہے؟" منور علی خان نے بہت انداز  
میں کہا۔

" تو پھر یہ کہ اب یہ مقابلہ ہتھیاروں سے ہو گا۔ تم کون سے ہتھیار سے مقابلہ پسند کر دے گے؟" لڑاکے نے پوچھا۔

" شکاری چاقو کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

" بہت خوب۔ تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔" یہ کہ کر وہ ہتھیاروں والی میز کی طرف بڑھا اور دو شکاری چاقو آٹھا لیے۔ ایک چاقو منور علی خان کی طرف آچھا دیا۔ دوسرا اپنے دائیں ہاتھ میں تھام دیا۔ منور علی خان نے بھی شکاری چاقو دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔

دونوں چاقو تو لئے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ پہلا وار لڑاکے نے کیا۔ اس کا ہاتھ بجلی کی تیزی سے ان کے پیٹ کی طرف بڑھا۔ ادھر سے منور علی خان کا چاقو والا ہاتھ حرکت میں آیا۔ دونوں چاقوؤں کے پہلے ایک دوسرے سے ملکر آگئے۔ ان کے ملکرنے سے چنگاری پیدا ہوئی اور بجھ گئی۔ اب دونوں اپنے اپنے چاقو پر طاقت صرف کر رہے تھے، ان کے پہلے ایک دوسرے پر ٹکے ہوئے تھے۔

اچانک منور علی خان نے پورا زور لگا کر لڑاکے کو دھکا دیا۔ اس کے قدم لڑکھڑائے۔ دونوں چاقو ایک الگ ہو گئے۔ لڑاکا بھٹا آٹھا۔ اس نے چاقو پیچنخ کر مارا۔ منور علی خان اپنی جگہ سے اچل گئے۔ اور چاقو ان کے نیچے سے نکل گیا۔

منور علی خان فوراً آگئے بڑھے اور چاقو کی نوک اس کی گدھی پر رکھ دی۔

" کیا خیال ہے۔ اپنی شکست مانتے ہو یا نہیں؟"

" نہیں؟ اس نے جھلات کر کہا۔

" تو پھر یہ لو۔" یہ کہ کر انھوں نے ایک زور دار لات اس کی گدھی پر رسید کر دی۔ وہ دھب سے اوندھے منہ بگرا۔ چھرہ اور پر اٹھایا تو ناک سے تنون بہ رہا تھا۔

" اب کیا خیال ہے؟" منور علی خان بولے۔

" وہی جو پہلے تھا۔" اس نے اب بھی اکڑ کر کہا۔

منور علی خان آگئے بڑھے اور اس کی گدھی پر پیرو رکھ دیا اور بولے:

" اگر تم میں طاقت ہے تو اٹھ کر دکھاؤ۔"

پورے ہال کا مارے چرت کے برا حمال ہو گیا۔ ایسے میں کسی کوتاں بجانے کا خیال آگیا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ تایاں بھیں کہ اللہ کی پناہ، لیکن اس حالت میں بھی انھوں نے تایاں نہیں بجا تیں، اب تہ اب ان کے چہرے چمک رہے تھے۔ رڑا کا آٹھنے کے لیے زور لگا رہا تھا، لیکن منور علی خان اس طرح اس کی گدھی پر پیرو رکھے کھڑے تھے جیسے کوئی چان۔ اور اس بات پر لوگوں کو چرت ہو رہی تھی۔ کہ اتنے بڑے

ڈیل ڈول والا لڑاکا کیوں ان کے پیر کو نہیں آٹھا پا رہا۔  
وہ زور لگا کر تھک گیا، لیکن اپنی کرسے ان کا پیر نے  
آٹھا سکا۔ تماشائی بھی تایاں بجا بجا کر تھک گئے۔ آخر شاہ اعظم  
نے آٹھ کر کہا:

"میں اس شخص کی فتح کا اعلان کرتا ہوں۔ تیل کا ایک  
کنوں اس کا ہوا۔ اب یہ اس کی مرضی ہے۔ اپنے پاس رکھے  
یا مستر را حل کو دے۔"

منور علی خان نے پیر اس کی کمر پر سے ہٹایا۔ لڑاکا بتا  
کر آٹھا اور اندر چھندے ان پر ٹوٹ پڑا۔ منور علی خان سوچ  
بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ شکست کے اعلان کے بعد بھی ان پر  
چھٹ پڑے گا۔ اس لیے بے خبری میں مار کھائے۔ چاروں  
شانے چت گرے اور وہ ان پر جمک گیا۔ دونوں ہاتھوں  
سے ان کی گردن دبوچ لی۔

"اے اے۔ یہ کیا۔ جوئی۔ میں تمہیں نعم دیتا ہوں۔  
اسے چھوڑ دو۔ تم ہار چکے ہو۔ اب دھوکا دے کر تم جیت  
نہیں ثابت کر سکتے۔" شاہ اعظم نے چلا کر کہا۔

جوئی نے جیسے شاہ اعظم کے افاظ سنے ہی نہیں۔ بدستور  
ان کی گردن دباتا چلا گیا:  
"یہ۔ یہ زیادتی ہے۔" فرحت نے چیخ کر کہا۔

"ہاں۔ ہم زیادہ دیر اس زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتے۔"  
معت نے بلند آواز میں کہا۔

"تو پھر یہاں کیا کر رہے ہو۔ آٹھو۔" آناب نے تملک کر  
کیا اور تینوں یک دم سیٹھ کی طرف دوڑ پڑے۔ تماشائیوں نے  
عیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ ادھر منور علی خان کا بڑا حال  
تھا۔ سافس رکنے کی وجہ سے وہ اپنی طاقت زائل کر بیٹھے  
تھے۔ آن کی آن میں وہ تینوں سیٹھ پر پڑھ گئے۔ آصف  
نے آگے بڑھ کر جوئی کے بال پکڑ لیے اور پیچھے کی طرف  
زور دار جھٹکا مارا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ہاتھ ڈھیلے  
پڑ گئے۔ ادھر آناب نے اس کی گردن میں اپنا بازو ڈال دیا  
اور لگا پیچھے کھینچنے۔

فرحت آگے بڑھی اور اس کے پیٹ میں ایک زور دار  
لات رسید کر دی۔ وہ بیللا آٹھا اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے  
اسے کھینچ لیا۔

منور علی خان گلا ملتے ہوئے آٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی  
آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں:

"تت۔ تت۔ تم لوگ اور یہاں۔"

"بھی ہاں انکل۔ یہ ہم ہی ہیں۔ انہوں نے جوئی کو رکیتے

ہوئے کہا۔

”بس بھی۔ اب اسے چھوڑ دیں۔ اب یہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اور ہاں۔ آپ لوگ کون ہیں۔ آپ کو شیخ پر نہیں آنا چاہیے تھا۔“ ہوٹل کے مالک نے کہا۔

”کیا کرتے۔ آپ لوگوں میں سے تو کوئی دخل اندازی کر ہی نہیں رہتا تھا۔“

”خیر۔ جو ہوا۔ ٹھیک ہوا۔ مestr منور علی خان۔ تم میری طرف سے آزاد ہو۔ تیل کا گنوں میں خود ہی شاہ اعظم صاحب سے حاصل کر لوں گا۔ اس قسم کی تحریر میں پہلے ہی تم سے لکھوا چکا ہوں۔“

”ہاں یہ شیک ہے۔“ منور علی خان بولے۔

”آئیے۔ ہم ہاں میں چل کر بیٹھیں۔“ فرحت نے منور علی خان کو یاڑو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

”چلو بیٹی۔“ انہوں نے جوئی پر ایک نظر ڈالی۔ شاید انہیں ڈر تھا کہ وہ پھر نہ ٹوٹ پڑے۔

”وہ خاور جیلانی کی میز پر آئے۔“

”اجازت ہے جناب۔ ہم انھیں بھی یہیں بٹھا کئے ہیں۔“ ضرور۔ کیوں نہیں۔“ وہ بولا۔

”یہ کون صاحب ہیں؟“ منور علی خان جیران ہو کر بولے۔

”مestr خاور جیلانی ہیں۔ ہوٹل میں ہی ان سے ملاقات

ہوئی ہے۔ ہم دراصل یہاں کچھ کہانے پہنچنے اور تھوڑی دیر تک آدم کرنے آئے تھے۔ انہوں نے یہ بات محسوس کر لی اور ہمیں اشارے سے اپنی میز پر بلایا، ورنہ یہاں کوئی میز خالی نہیں تھی۔“

”اوہ اچھا۔“ منور علی خان نے مطمئن ہو کر کہا، پھر بولے:

”لیکن تم لوگ یہاں کس طرح پہنچے؟“

”آپ کا خط۔ بذریعہ آندھی مل گیا تھا۔“

”اس صورت میں تو تمہیں جنگل میں جانا چاہیے تھا۔“

”ہم ابھی ابھی اس شہر میں آئے ہیں۔ سوچا۔ ذرا دم لے لیں۔ سفر بہت لمبا تھا۔“

”لیکن کامران مرزا کہاں ہیں؟“

”وہ ہم سے پہلے ہی روایت ہو گئے تھے۔ ہمیں پروفیسر غوری صاحب کی وجہ سے ڈکنا پڑا۔ ان کی رصدگاہ میں کچھ گڑا بڑا تھی۔“

”اوہ!“ منور علی خان کے مذہ سے نکلا۔

”یہیں جیران ہوں۔“ خاور جیلانی نے بے چین ہو کر کہا۔

”وہ تو ظاہر ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کرتے دیکھ کر جیران

ہی ہوں گے۔“ آفتاب مسکرا یا۔

”یہ میرے ابو ہیں جناب۔“ فرحت نے جلدی سے بتایا۔

"فل - لیکن - ان کو تو راحل اپنا غلام بتا رہا تھا"  
 "میں بن جام میں ایک مکان میں قید کر دیا گیا تھا - تین  
 دن پہلے کچھ نقاب پوش والا آتے اور انہوں نے یہ پیش کش رکھی  
 کہ اگر میں ایک رذائک سے مقابلہ کروں اور اسے شکست  
 دے دوں تو مجھے آزاد کر دیا جائے گا - دوسرا سے یہ کہ مجھے  
 شاہ ہوٹل کے مالک راحل کو اپنا آقا کہنا ہو گا - مقابلہ  
 میں بیجت کی صورت میں مجھے آزاد کرنے کا انہوں نے  
 وعدہ کیا - اور ایک تحریر بھی لکھوا لی کہ میں آزاد ہونے  
 کے بعد ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کروں گا"

"بہت خوب - لیکن ہم تو ان کے خلاف قانونی کارروائی  
 کر سکتے ہیں"

"کن کے خلاف - میں انھیں نہیں پہچانتا"

"فکر نہ کریں - ان کا سراغ لگایں گے"

"لیکن میرا خیال ہے - جب تک کامران مرزا ہم سے نہ  
 آ میں - کچھ نہیں کرنا چاہیے"

"ہم کب تک ان کا انتظار کریں گے بھلا۔ اگر وہ نہ آئے،  
 تب بھی تو ہمیں کام کرنا ہی ہو گا" فرحت نے کہا

"خیر - تمہاری مرضی - یہ خیال رہے - انہوں نے مجھے  
 سے تحریر لکھوا رکھی ہے"

"وہ تحریر بھی غیر قانونی ثابت ہو جائے گی - فکر نہ کریں"  
 "میرا خیال ہے - آپ لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا  
 پڑے گا" خاور جیلانی نے کہا

"جی - کیا مطلب؟"

"شاید - جن کا آپ کو انتظار ہے - وہ آپکے ہیں"  
 "جی - کیا مطلب - ان کے منزے نکلا اور پھر وہ یہ دم  
 دروازے کی طرف مڑے، لیکن وہاں انھیں انپکٹر کامران مرزا  
 کی شکل دکھاتی نہ دی -

"آپ ہم سے مذاق کے موڈ میں ہیں کیا؟" آفتاب نے  
 حرمت زدہ انداز میں کہا

"لک - کیا مطلب؟" خاور جیلانی نے چونک کر کہا

"دروازے میں تو کوئی بھی داخل نہیں ہوا"

"آپ کے وہ ساتھی بہت پہلے یہاں آپکے ہیں"

"کیا فرمایا - بہت پہلے یہاں آپکے ہیں - تو آپ نے پہلے  
 یکوں نہ بتایا"

"اس وقت بتانے کا موقع نہیں ملا تھا"

"لیکن آپ کو کیا معلوم - آپ کا تو ان باتوں سے کوئی  
 بھی تعلق نہیں" فرحت نے پریشان ہو کر کہا

"خیر - آپ بتا دیں - کیا تباہ ہوتے ہیں" آصف نے

بُر نظر آیا۔ کوئی کیڑا۔ کوئی

ات کی طرف پہلی مرتبہ دھیاں

## خفیہ شرط

ہاتھ آٹھا دو مرے۔ اس جنگل میں کوئی پیش نہیں جانگل چھوڑنے

کسی درخت کے پیچے سے کہا گیا۔

” تو پھر۔ کس جنگل میں پیش جا سکتی ہے۔ میں وہاں چلا جاتا

ہوں۔“ انپکٹر کامران مرا مسکراتے۔

” تم یہاں کیوں آئے ہو؟“

” جنگل والی عمارت میں میرا دوست قید ہے۔ میں اسے  
چھڑانے آیا ہوں۔“

” افسوس۔ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ یہاں سے جا

چکا ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

” کیا کہا۔ وہ یہاں سے جا چکا ہے۔“

” ہاں ہاں سے فرار کا موقع مل گی اور وہ چلا گیا۔“

” لیکن۔ اب وہ کہاں ہے؟“

” ہمیں کیا معلوم؟“

جلدی سے کہا۔

آپ کو کامران مرا نامی جن صاحب کا انتظار ہے، وہ  
انپکٹر ہیں نا۔“ خاور جیلانی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

” ہاں ہاں۔ باکل۔ جلدی بتائیے۔ آپ کو ان کے بارے  
میں کیا معلوم ہے۔ اوہ۔ کیس آپ ہی تو۔“

اصل کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ عین اسی وقت  
خاور جیلانی نے منور علی خان والی کرسی کو پوری طاقت سے  
دھکا دیا۔ ان کی کرسی دوسری طرف الٹ گئی اور وہ فرش پر  
درٹھک گئے۔

جلدی سے کہا۔  
آپ کو کامران مرزا اب اگر تم میرے راستے میں آؤ  
انپکڑ ہیں نا۔ خاور جیلا اسکراوں گا۔

ہاں ہاں۔ بالکل بہت بہادر تھا اور تم بھی۔ ہم تمہیں  
میں کیا معلوم ہیں۔ جا کر عمارت دیکھو لو۔ ناک کی سیدھی میں  
اصل ہم تمہارا راستا نہیں روکیں گے۔  
خاور جدا سکری۔ میں تمہیں آناستا نہیں چھوڑ سکتا۔ انپکڑ کامران  
دھکا مسلکا رے۔

کیا مطلب؟ دوسری طرف سے کہا گی۔

تم نے میرے دوست کو اس عمارت میں قید کیا۔  
ایک تو تمہارا یہ جرم ہو گیا۔ دوسرا جرم یہ ہے کہ تم جو یہ بھائی  
شکاریوں کو یہاں لا کر موت کے گھاث آثار دیتے ہو اور انہیں  
لوٹ دیتے ہو۔ میرے ساتھ بھی تم نے یہی سلوک کرنا چاہا۔  
لیکن ناکامی تمہارا مقدر بن چکی ہے۔ میں تم لوگوں کو نہیں  
چھوڑوں گا۔

تب پھر تم قدم پر مشکلات کا سامنا کر دیے۔  
جنگل ہمارا ہے۔

جنگل جانوروں کا ہوتا ہے۔ انسانوں کا نہیں۔  
لیکن یہ جنگل انسانوں کا ہے۔ جانوروں کا نہیں۔ کیا

یہاں تمہیں اب تک ایک بھی جانور نظر آیا۔ کوئی کیڑا۔ کوئی  
درندہ۔ وغیرہ۔

وہ دھک سے رہ گئے۔ اس بات کی طرف پہلی مرتبہ دھیا  
گی تھا۔

" تت۔ تو کیا تم نے اس جنگل کو جانوروں سے پاک کر  
دیا ہے؟"

" ہاں ہم نے چند گیسوں کے ذریعے انہیں جنگل چھوڑ  
پر مجبور کر دیا ہے۔"

" اوہ ہاں کے منزے نکلا۔

" اب کیا سوچ رہے ہو؟"  
یہی کہ تم سے مقابلہ بھر جائیں گا۔ اب میں اس  
جنگل کو تم سے پاک کروں گا۔"

" بہت خوب۔ ہماری طرف سے بھی اعلان جنگ سمجھو۔"  
ان افاظ کے فوراً بعد سانے سے گولیوں کی بوچاڑائی،  
کئی پستول ایک ساتھ پلے تھے، لیکن ان کا جلا کی بگڑتا۔  
وہ مکمل طور پر درخت کی اوٹ میں تھے۔ اور پھر وہ زمین  
پر ریکھنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک بہت تن اور درخت  
تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے چاروں طرف کا  
جاائزہ لیا۔ گولیاں اب بھی وقفہ وقفہ سے داغی ہا رہی

تھیں محفوظ سمت کا اندازہ کرتے ہی وہ اس درخت پر چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ مناسب اونچائی پر جا پہنچے۔ اب وہ چُپ سادھ کر بیٹھ گئے۔ جلد، سی انھوں نے دشمنوں کو دیکھ لیا۔ وہ بہت احتیاط سے درختوں کی اوٹ سے نکل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پہلے ان میں سے ایک نکلا، پھر دوسرا۔ تاکہ سب کے سب زد میں نہ آجائیں۔ وہ ان کی پانچھ پھول دیکھتے رہے۔ آخر وہ ان سے آگے نکل گئے۔ اب وہ ان کے پیچے تھے۔ انھیں آسانی سے نشاذ بناتے تھے، انھوں نے ایک کا نشاذ لیا اور ٹریکر دبادیا۔ اس کے مزے ایک بھی نکل پیچنے نکل اور وہ اچھل کر گرا۔ دوسروں زمین سے چپک گئے۔ لیکن وہ تو اونچائی پر تھے۔ ان کا زمین پر چکنا بعلا انھیں کیا فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ نتھیں کہ انھوں نے آن کی آن میں چار دشمنوں کو نشاذ بناؤالا۔ باقی بھاگ نکلے۔ انھوں نے دیکھا۔ بھاگنے والے تین تھے۔ انھوں نے بھاگتے دشمنوں کو بھی نشاذ بنانے کی کوشش کی۔ لیکن اتنی دیر میں وہ پستول کی پہنچ سے نکل پکے تھے۔ اب ان کے لیے یونچے اترے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یونچے اترے اور ان کا تعاقب شروع کر دیا۔

اب چُوں کہ وہ بد ہواں ہو چکے تھے، اس لیے جلد ہی

انھوں نے ان تینوں کو جایا اور تین فائر اور ہوتے۔ اب میدان صاف تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور اگر عمارت تک پہنچ گئے۔

عمارت کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ اندر سے بھی بند نہیں تھا۔ کھلا ہوا تھا۔ وہ بے دھڑک اندر گھس گئے۔ پھروری عمارت کا جائزہ لیا۔ اس میں واقعی ایک چار پالی اور اتھ والے نل کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

”اس کا مطلب ہے۔ وہ واقعی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“ وہ بڑا بڑا۔

اب وہ جنگل سے باہر نکلنے کے سوا کیا کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی انھیں اطمینان کا احساس بھی ہوا۔ ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا۔ جنگل سے نکل کر شہری آبادی کے آثار دیکھنے تو اس طرف چل پڑے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ جس طرف سے وہ جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ اس طرف سے نکل نہیں سکے تھے۔ اور پھر شہر میں داخل ہو کر انھوں نے صاف محسوس کر لیا کہ یہ وہ شہر نہیں جہاں انھوں نے اپنی جیپ چھوڑی تھی اور جس میں سے انھوں نے رونو کو ساتھ ریا تھا۔ جب کہ اس دکان دار اور شہر میں رہ جانے والے اس گروہ کے دوسرے لوگوں کو بھی قانون کے حوالے بطریں

میں گزرا تھا کہ ایک اور آدمی ان کے ساتھ والی میز پر بیٹھ گی۔ ایک بیرا فوراً اس کی طرف بڑھا اور اس کے کان میں کچھ کھنے لگا۔ ساتھ میں اس نے کوئی چیز بھی اے دی۔ اس نے وہ جیب میں رکھ لی۔ انہوں نے یہ کام انتہائی راز دارانہ انداز میں کیا۔ پورے ہال میں ان کے سوا کسی کو پتا نہ چل سکا؛ تاہم ان کی نظروں سے یہ پچھا نہ رہ سکا۔

اسی وقت ایک بیرا ان کے پاس آکھڑا ہوا:

”اہ جناب۔ کیا حاضر کروں؟“

انہوں نے کھانے کے کچھ چیزوں کا آردہ دیا۔ جلد ہی بیرا چیزیں لے آیا:

”یکوں بھئی۔ اس ہوٹل کے مینجر کا کیا نام ہے؟“ انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔

”جی۔ ماستر بون۔ یہ آپ کے ساتھ والی میز پر ہی تو بیٹھے ہیں۔ کوئی کام ہے، ان سے؟“

”نہیں۔ ایسے ہی پوچھ دیا ہے۔ شکریہ!“

”کوئی بات نہیں جناب!“ بیرے نے کہا اور میز سے دور پشت گیا۔

کھانے سے انصاف کرتے ہوئے بھی ان کی نظریں

تھا۔ انہوں نے سوچا، ان سے بھی بنت یہ جائے گا۔ اچانک ان کے آٹھتے قدم رک گئے۔ سڑک پر پڑی ایک نسی خی چیز نے ان کی تو جو اپنی طرف کھینچ لی۔ وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھے۔

یہ ایک نخا سالا تڑ تھا۔ سہری زنگ کا لامبڑا۔ وہ اسے بخوبی پہچانتے تھے۔ یہ منور علی خان کا تھا۔ اس کا مطلب تھا منور علی خان اس شہر میں مل سکتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اب بھی کسی جاں میں پھنسے ہوئے ہوں۔ انہوں نے سوچا۔ اگر کہیں اچانک سامنا ہو گیا تو منور علی خان خود پر قابو نہ رکھ سکیں گے اور کام خراب ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ واپس مرٹے اور درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ کر ریڈی میڈ قسم کا میک اپ کیا۔ اس قسم کا میک اپ انہوں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا، اس یہے انھیں یقین تھا کہ منور علی خان انھیں پہچان نہیں سکیں گے۔ اور پھر وہ شہر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ مارے تھکن کے ان کا بڑا حال تھا۔ انہوں نے سوچا۔ کسی ہوٹل میں بیٹھا جائے۔ اور پھر ان کی نظریں ایک شاندار ہوٹل پر پڑیں۔ ان کے قدم اس سمت میں آٹھنے لگے۔ ہال میں کئی میزیں خالی نظر اب وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ابھی ایک منت بھی

بدستور ماسٹر بون کا جائزہ لیتی رہیں۔ وہ گوشت کرنے میں بُری طرح مصروف تھا۔

کرنے سے فارغ ہو کر انہوں نے بیرے کو بلا یا اور بُل ادا کر دیا۔ ایسے میں نہ جانے ان کے جی میں کیا آئی۔ وہ اپنی میز سے آٹھے اور ٹھینے کے انداز میں ماسٹر بون کی میز تک پہنچ گئے۔ پھر وہ بہت بے شکے انداز میں لڑکھرانے۔ اس طرح لڑکھرانے کے مکمل طور پر ماسٹر بون پر گر پڑے۔ اور اسے ساتھ لیتے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا۔ آپ ہوش میں تو ہیں؟"

"وہ۔ معاف کیجیے گا جناب۔" انہوں نے آٹھے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں بُری طرح الجھ گئے تھے۔ آخر دو بیرے ان کی طرف پہنچے اور دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ پھر وہ معدرت کرتے ہوئے تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھے۔ بُخون ہی وہ دروازے پر پہنچے۔ پہنچے سے ماسٹر بون چلا آٹھا۔

"پکڑا۔ اسے پکڑو۔ وہ میرا بٹوہ لے اڑا ہے۔"

یہ الفاظ سُنتے ہی انہوں نے دوڑ لگا دی۔ ساتھ ہی پائیک بیرے ان کے پہنچے دوڑ پڑے۔ اس وقت تک وہ مردی پر پہنچ چکے تھے۔ بیرے ان کے پہنچے تھے۔ دوڑ جاری رہی، پھر ان پکڑ کامران مرزا نے محسوس کیا کہ پچھے اور لوگ بھی بیرون

کا ساتھ دے رہے ہیں اور وہ بیرون سے آگے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ایسے میں کسی بیرے نے کہا:

"شabaش اسے پکڑ لیں، جانے نہ پائے۔"

اسی وقت پہنچے سے ایک جیپ آئی۔ بیرے جیپ میں سوار ہو گئے۔ اب جیپ ان کے تعاقب میں تھی۔ وہ ان لوگوں سے بھی آگے نکل گئی جو بیرون کا ساتھ دے رہے تھے، پھر ان سے آگے نکل کر مرک گئے۔ اس پر سے بیرے کو د پڑے۔ یہ دیکھ کر وہ مُڑے اور واپس دوڑ پڑے۔ ایسے میں انہوں نے مُٹا۔

"خُردار۔ محمود، فاروق۔ فرزاد۔ تم اسے نہیں روکو گے۔"

وہ یہرث زدہ رہ گئے۔ کہ یہ لوگ یہاں کہاں۔ تاہم یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ انہوں نے ایک نظر ان پر ڈالی اور یقین آگیا کہ یہ وہی ہیں۔ پھر وہ آگے نکلتے چلے گئے۔ جلد ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ بیرون کو انہوں نے آجھا یا جسے۔ وہ مُسکراتے اور سر پٹ دوڑتے چلے گئے۔

جب بیرے نظر آنا بند ہو گئے تو وہ ایک گل میں مُڑ گئے اور دوسری سڑک پر نکل آئے۔ وہاں سے انہوں نے ایک میکسی پکڑی۔ اور بولے:

"بھئی شہر کے سب سے اپھے ہو ٹل چلو۔"

"تب تو شاہ ہوٹل پلیے۔ اج وہاں ایک عدد پروگرام بھی ہے"

"بھے پروگراموں سے کوئی دل چھپ نہیں، تاہم تم وہیں پہنچا دو۔ انہوں نے کہا۔

شاہ ہوٹل پہنچ کر انہوں نے ایک میز پر قبضہ کر دیا۔

"ہی ایک بیرا آدمکا،" "نہیں جناب۔ اج تمام میزین بک ہو چکی ہیں،" "کیا مطلب؟"

"اج شاہ اعظم آ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا لڑاکا بھی آ رہا ہے۔ اس لڑاکے کا یہاں کے ایک لڑاکے سے مقابلہ ہو گا۔ اس لیے تمام میزین پٹھے، ہی بک کردائی جا پچکی ہیں،" "بیرا بولا۔

"بھئی ایک میز کا انتظام تو آپ دو گوں کو کرنا، ہی ہو گا،" "وہ مسکارے۔

"سوری۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا جناب۔"

"کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔"

"کسی طرح سے آپ کا کیا مطلب؟" بیرا چونکا۔

"کسی طرح میز مل سکتی ہے یا نہیں؟"

"ایک ہی طریقہ ہے جناب۔" اس نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"آپ کو ایک ہزار روپے ادا کرنا ہوں گے، پھر آپ کو میز مل جائے گی، لیکن یہ نہیں۔ ایک دوسری میز۔" انہوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر بولے:

"خیر۔ یوں ہی سی: یہ کہ کہ انہوں نے جیب سے بٹوہ نکالا اور پھر چونک آٹھے۔ یہ بٹوہ ان کا نہیں، ماشر بون کا تھا۔ انہوں نے اس بٹوے کو پھر جیب میں ٹھوں لیا اور دوسری جیب سے اپنا بٹوہ نکالا۔ اس میں سے ایک ہزار روپے گن دیے۔

"آئیے جناب۔ میں آپ کو میز دکھا دوں۔ آپ اس میز پر اپنے دوستوں کو بھی بٹھا سکتے ہیں۔ بے شک انہیں فون کر کے بولا لیں۔"

"بہت بہتر۔ شکریہ!"

بیرا انہیں میز پر بٹھا کر چلا گیا۔ میزیں تیزی سے پُر ہو رہی تھیں۔ اچانک ان کا منہ چرت سے کھل گی۔ آفتاب، آصف اور فرحت ہوٹل کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا کر انہیں اشادہ کر دیا۔

تینوں ان کے نزدیک آگئے۔ وہ دل میں مسکاتے بغیر ذرہ سکے، کیوں کہ وہ انہیں پہچان نہ سکے۔ اور پھر انہوں نے

خود کو ظاہر کیے بغیر انھیں میز پر بیٹھنے کی دعوت دے ڈالی۔ پھر سچ والا مقابلہ ہوا اور منور علی خان ان کی میز پر آگئے۔ اور یہی وہ وقت تھا۔ جب انپکڑ کامران مرزا نے منور علی خان کو پوری طاقت سے دھکا دیا۔ اور وہ بُری طرح گرفتے۔



“ارے۔ ارے۔ یہ آپ نے کیا کیا۔ فرحت نے بوکھلا کر کہا۔ اور پھر وہ اپنے آبا جان کو اٹھانے کے لیے جگی۔ ”خیر تو ہے کامران مرزا۔“ منور علی خان نے بھی ناخوش گوار لجئے میں کہا۔

دوسرا طرف مال میں بیٹھے لوگ بھی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انپکڑ کامران مرزا نے ایسا کیوں کیا۔ یہاں تک کہ آفتاب اور آصف بھی سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھ رہے تھے۔

منور علی خان پکڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی گئی سیدھی کرنے کے بعد بیٹھ گئے، لیکن انپکڑ کامران مرزا ان میں سے کسی کی طرف بھی متوجہ نہیں تھے۔ ان کی نظریں جوں پر جھی تھیں، پھر وہ سانپ کی طرح پھنکا رہے:

”تم پوری طرح میری زد میں ہو۔ اپنی جیب میں سے ہاتھ نکال دو۔ ورنہ ڈھیر ہو جاؤ گے۔“  
”بُرج۔ جی۔ کیا مطلب؟“ فرحت حیرت زدہ رہ گئی۔  
”ہاں! اس نے میرے دوست پر بے آواز پتوں سے فائز کیا تھا۔“ وہ بولے۔

”جوں۔ کیا یہ بات درست ہے؟“  
”ہاں آتا۔ میں اس شخص کو زندہ نہیں دیکھ سکتا۔“ جوں بولا۔  
”جوں۔ میں بے اصول نہیں ہوں۔ اور تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو؟“  
”لیکن میں اس کو زندہ نہیں دیکھ سکتا۔“

”تب پھر۔ تم میری غلامی سے آزاد ہو۔ اب تم جو کچھ بھی کرو گے۔ اس کے ذمے دار خود ہو گے۔“ شاہ اعظم نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

”شکریہ آتا۔“ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ آپ مجھے آزاد کر دیں۔ اب میں مرتے دم تک اس سے لڑوں گا۔“ جوں نے کہا اور منور علی خان پر نظریں جما نے قدم اٹھانے لگا۔

”وہ۔ وہ پھر آ رہا ہے آبا جان۔“ فرحت چلا تی۔

”پرواں کرو۔ یہ اب بھی من کی کھائے گا ان شاء اللہ۔“  
”ایک منٹ جناب۔ اس طرح تو میرا فرینچر بر باد ہو گا۔“

کراکری ٹوٹے گی: ہوٹل کا ماں کر راحل آگے آتا ہوا بولا۔

"تب پھر۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ مقابلہ ضرور کریں، لیکن شیخ پر آگر۔ یا ہوٹل سے باہر جا کر۔"

شیخ ہی مناسب رہے گا۔ منور علی خان جلدی سے بولے۔

"منور علی خان۔ تم آرام کرو۔ اب اس سے میں دو دو ہاتھ کروں گا۔" انپکڑ کامران مرزا بھی آٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن کامران مرزا۔ وہ صرف مجھ سے انتقام لینے پر تُلا ہوا ہے۔" منور علی خان نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔ مقابلہ صرف اور صرف میرے اور تمہارے درمیان ہو گا۔ چلو شیخ پر۔" جونی خرایا۔

"میں اس مقابلے سے بالکل اگک ہوں۔ یہ اعلان سب لوگ سن لیں۔ شاہ اعظم نے بلند آواز میں کہا۔

"تب پھر۔ آپ یہ مقابلہ دیکھیے گا بھی نہیں۔" جونی نے من بنایا۔

"اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو میں ہرگز نہیں دیکھوں گا۔" مذہبیہ کر بیٹھ جاؤں گا۔ شاہ اعظم نے ترا مانے بغیر کہا۔

منور علی خان اور جونی ایک بار پھر شیخ پر پہنچ گئے۔ تماشا یوں کا کیا جا رہا تھا۔ وہ پھر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اور پوری دل چپی سے انھیں دیکھنے لگے۔

"منور علی خان۔ اب یہ شخص مقابلے کو لمبا کرنے کی کوشش کرے گا۔ جب کہ ہم اتنا وقت نہیں دے سکتے۔" انپکڑ کامران مرزا نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

منور علی خان نے ان کے الفاظ سن لیے اور سر ہلا دیا، اسی وقت انھوں نے دیکھا، جو نی تیر کی طرح میز کی طرف چھٹا اور ایک لمبا چھرا اٹھا کر منور علی خان پر حملہ آور ہوا۔ انھوں نے ایک جھکائی دی اور ساتھ ہی اس کی کمر پر ایک لات رسید کر دی۔

وہ دھڑام سے گرا اور منڈ سے ایک لرزہ خیز چیخ گونج آٹھی۔ تماشائی کا نپ گئے، کیوں کہ فرمائی وہ اکٹ کر گرا تو انھوں نے دیکھا کہ اس کے پیٹ سے خون ابل رہا تھا۔ اس کا چھرا خود اس کے پیٹ میں جا لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

منور علی خان نے ہاتھ جھاڑ دیے اور اپنی گرسی پر آگر بیٹھ گئے۔ پورے ہاں میں موت کا سناٹا طاری تھا۔ ایسے میں راحل کی آواز ابھری:

"آف۔ یہ کیا ہوا۔ اب پویں دخل اندازی کرے گی۔"

"لیکن اس میں آپ کا یا ان کا کی قصور۔ ہاں کے تمام

”پیشے کے لحاظ سے بھی شکاری ہوں۔ جانور شکار کر کے چڑیا گھروں کو فروخت کر دیتا ہوں۔“ انہوں نے بتایا۔  
”اوہ اچھا۔ آپ سالانہ کتنا کم لیتے ہوں گے؟“  
”کبھی حساب نہیں کیا۔ شکار دراصل میراثوق ہی ہے،  
لیکن چوں کر میں اس شوق کی وجہ سے کوئی اور کام نہیں کرتا،  
اس لیے اسے پیشے کے طور پر بھی اپنا لیا ہے۔ مجھے دولت  
کا کوئی لائچ نہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”اوہ۔ تب تو شاید آپ میری پیش کش نہ مانیں۔  
کیا مطلب۔ کیسی پیش کش؟“

”میں چاہتا ہوں۔ آپ میرے لیے کام کریں۔“  
”گویا آپ کی ملازمت اختیار کر لوں۔“ منور علی خان مسکرائے۔  
”جی ہاں!“ اس نے کہا۔  
”افسوس۔ میں کسی کی ملازمت اختیار نہیں کر سکتا۔“  
”میری عادت سے باہر ہے۔“

”شکریہ۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ ویسے اس کا یہ مطلب  
ہرگز نہیں کہ میں نے آپ کو دنیا کا بہترین لڑاکا سمجھ  
یا ہے۔“ شاہ اعظم نے آئٹھنے ہوئے کہا۔  
”میں خود بھی اپنے آپ کو دنیا کا بہترین لڑاکا خیال  
نہیں کرتا۔“ وہ مسکرائے۔

لوگ گواہ میں کہ پہلے اس نے ان پر فاترہ کیا اور پھر ٹیک  
پر مقابلے کی دعوت دی۔ پھر اصول کے خلاف چھڑا آٹھا  
لیا اور مرنے کی بات یہ کہ ان صاحب نے چہرے کو ہاتھ  
بھی نہیں لگایا۔ وہ خود اپنے ہاتھ سے مارا گیا۔ یکوں حضرات  
ٹھیک ہے تا۔“

”باشکل ٹھیک۔ یہی ہوا ہے۔“ سب لوگ چلا اٹھے۔

”اس کے باوجود پولیس کو بلانا ہو گا۔“ راحل بولا۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔“ انپکڑ کامران مرزا بولے۔

”تو ٹھیک ہے۔ کر دیں فون۔“ میں ذرا ان صاحب سے بات  
کرنا چاہتا ہوں۔“ یہ کہ کر شاہ اعظم آٹھا اور ان کی میز  
کی طرف بڑھنے لگا۔ ان کی نظریں اس پر جنم گئیں۔ آخر  
وہ ان کی میز پر آگیا۔

”اعتراف نہ ہو تو بیٹھ جاؤ۔“

”تشریف رکھئے۔“ انپکڑ کامران مرزا نے خوش گوار بھجے  
میں کہا۔

”شکریہ۔ آپ کام کیا کرتے ہیں؟“ شاہ اعظم نے منور  
علی خان کی طرف دیکھا۔

”شکاری ہوں۔“

”یہ تو آپ کا شوق ہو گا۔ کام کیا کرتے ہیں؟“

” بلکہ میں تو یہ بھی کہ سکتا ہوں کہ آپ میرے مقابلے میں ملک کر بھی نہیں دکھا سکتے۔“ شاہ اعظم نے بلند آواز میں کہا۔

” کیا مطلب - اب کیا آپ بھی مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں؟“ منور علی خان نے چونک کر کہا۔  
انپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت بھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

” ہاں ! میں چاہتا ہوں - آج یہاں ایک مقابلہ اور ہو۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ مقابلہ چند یکنڈ بھی جاری نہیں رہ سکے گا۔“

” اس قدر بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے والوں کو میں پسند نہیں کرتا۔“ منور علی خان نے برا سامنہ بنایا۔

” لیکن یہ چوں کہ حقیقت ہے۔ اس لیے میں دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوں۔ آپ بے شک تحریر کر لیں۔“

” کیا حرج ہے منور علی خان ?“ انپکٹر کامران مرزا مول آٹھے۔  
منور علی خان چونک کر ان کی طرف گھوئے:

” تو میرے دوست تم بھی یہ چاہتے ہو کہ ایک مقابلہ اور ہو۔“

” ہاں ! لیکن اس سے پہلے پولیس آکر اس لاش کو لے

جائے گی - اور شیخ کو صاف کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ مقابلہ جان یوں نہیں ہونا چاہیے۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

” ہرگز نہیں - جوئی تو بے وقوف تھا جو اس حد تک اتر آیا۔“ شاہ اعظم نے کہا۔

” مژہ شاہ اعظم - آپ کی پیش کش ہم منظور کرتے ہیں۔ لیکن میری دو شرطیں ہیں۔“ انپکٹر کامران مرزا نے پر سکون آواز میں کہا۔

” بیان کریں - میں ہر شرط مان لوں گا۔“

” میری پہلی شرط یہ ہے کہ اگر میرے یہ ساتھی آپ کے مقابلے میں ذمک کے تو آپ کو مجھ سے مقابلہ کرنا ہوگا۔“

” ضرور - کیوں نہیں - یہ تو اور بھی مزے دار صورت حال ہو گی۔“ شاہ اعظم خوش ہو گیا۔

” سب پھر - ہم پہلے پولیس کا انتظار کر رہے ہیں :“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

” لیکن ابھی آپ نے اپنی دوسری شرط نہیں بتائی۔“ شاہ اعظم نے یاد دلایا۔

” اوہ ہاں - میری دوسری شرط ذرا خفیہ قسم کی ہے۔“

” خفیہ شرط - اوہ آفتاب کے مذ میں نکلا۔“

” کیوں - تمہیں کیا ہوا ؟“ انپکٹر کامران مرزا اس کی طرف

"مم۔ مجھے فاروق یاد آگی۔ وہ ضرور ان الفاظ کو کسی  
ناول کا عنوان کر آٹھتا۔"

"تو اس کی جگہ یہاں تم جو موجود ہو۔ فرحت نے جل کر  
کہا۔

ٹھہرہ بھی۔ پہلے میں خنیہ شرط پیش کر دوں۔"  
یہ کہ انپکٹر کامران مزدانے جیب سے کاغذ اور قلم  
نکالا اور پھر ان کی نظریں بچا کر اس پر ایک جملہ لکھا۔  
دوسرے، ہی لمحے انھوں نے وہ کاغذ شاہ اعظم کو دے دیا۔  
اس نے جوں، ہی وہ جملہ پڑھا۔ انھوں میں الجھن تیرگئی۔  
اور وہ تیز نظروں سے انھیں گھورنے لگا۔ میں اسی وقت ہال  
میں پولیس داخل ہوئی۔

پولیس سید حی سیفی کی طرف گئی۔ پھر راحل انھیں واقعات  
 بتانے لگا۔ واقعات سنتے ہوئے پولیس انپکٹر نے منور علی خان  
کی طرف بھی کہی بار دیکھا، پھر اس نے ماٹھوں کو لاش کے  
ہارے میں ہدایات دیں اور خود ان کی طرف آگی۔

"مجھے آپ سے چند سوالات کرنے ہیں۔"

"ضرور جواب۔ کیوں نہیں۔"

"آپ مسٹر راحل کا حکم ماننے پر کیوں مجبور تھے؟"

"میں نے ان سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے کے  
تحت میں ان کا یہ حکم ماننے پر مجبور تھا۔"

"اور وہ معاہدہ کیا تھا؟ انپکٹر نے پوچھا۔

"معاہدہ۔۔۔ بس جوں سمجھ لیں کہ انھوں نے مجھ پر ایک  
احسان کیا تھا۔ میں اس احسان کا بدلہ آتارنا چاہتا تھا۔"

"مشکریہ جواب۔۔۔ چوں کہ سارا ہال اس واقعے کا گواہ ہے،  
اس لیے آپ پر کوئی الزام نہیں۔" اس نے کہا اور راحل کی  
طرف چلا گیا۔

خوبزی دیر بعد پولیس لاش کو لے کر چل گئی۔

"اور وہ احسان کیا تھا منور علی خان؟" انپکٹر کامران مزابو لے۔

"میں ایک عمارت میں قید تھا۔ قید سے نکالنے والوں نے  
مجھ سے یہ سودا کیا تھا کہ وہ مجھے اس شرط پر رہا کر سکتے ہیں  
کہ میں ایک بڑا کے سے مقابلہ کروں اور اسے شکست دے  
دؤں۔ میں نے یہ منظور کر لیا۔" انھوں نے بتایا۔

"لیکن یہ احسان کیسے ہوا؟"

"اب تم اسے کچھ بھی کر لو۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ راحل کا ان لوگوں سے  
ضرور کوئی تعلق ہے۔ جنھوں نے تمیں اس عمارت میں قید کیا  
تھا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ اب وہ

لوگ جنگل میں موجود تھے، زندہ نہیں ہیں:  
جی۔ کیا مطلب ہے وہ چونک آئٹھے۔

اس دران شاہ اعظم آئٹھے کر اپنی میز پر جا چکا تھا۔  
”میں انھیں ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ اور اس عمارت سکھ بھی  
ہو آیا ہوں، لیکن تم پہلے ہی دہان سے نکل چکے تھے：“

”ہاں! میں اسی شرط کے نتھے میں باہر نکلا گیا ہوں۔“  
”خیر۔ اب کیا تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ شاہ اعظم تم  
سے مقابلہ کرے：“

”ہاں! کیوں کہ میں جاننا چاہتا ہوں۔ یہ کتنے پانی میں ہے۔“  
”اور آپ نے اسے دوسری کیا شرط لکھ کر دی۔ جس کا  
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔“

”اسے جواب دینا ہو گا۔ ورنہ مقابلہ نہیں ہو گا۔ انپکڑ  
کامران مرزا نے مسکرا کر کہا اور پھر آٹھ کر شاہ اعظم کی طرف  
ڑھتے۔“

”آپ نے کیا سوچا ہے مٹڑ شاہ اعظم۔ مقابلہ جو آپ چانتے  
ہیں، کرتا ہے یا نہیں؟“

”ہاں! ضرور کروں گا۔“ اس نے کہا۔

”تب یہ حیر میرے سوال کا جواب دیں：“

”میں نے جواب اسی کاغذ پر لکھ دیا ہے۔ یہ یہ ہے۔“

اس نے کہا۔

انپکڑ کامران مرزا نے کاغذ لے کر اس کا جواب پڑھا،  
مسکراتے اور پھر دو لے:

”بہت خوب۔ واقعی یہ مقابلہ ضرور ہو گا۔“

وہ اپنی میز پر آ کر بیٹھ گئے۔ اتنی دیر میں شیخ صاف  
کر دیا گیا۔ اور راحل نے بلند آواز میں کہا:

”حاضرین! آج کا دن حیرت انگریز دل چسیاں لیے ہوئے  
ایا ہے۔ یہ بھی۔ ایک اور سنئی خیز مقابلہ دیکھیے۔ منور علی  
خان۔ مقابلہ شاہ اعظم۔ مٹڑ شاہ اعظم کو آپ نے آج تک  
لڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ یہ بات ان کی شان کے مطابق  
ہے۔ ہم تو جرأت بھی نہیں کر سکتے کہ انھیں ایسی کوئی پیش کش  
کریں، لیکن پھوں کر یہ پیش کش خود ان کی طرف سے ہوئی  
ہے۔ اس لیے۔ ہم بمحروم ہیں۔“

راحل خاموش ہو گیا۔ منور علی خان آٹھے اور شیخ پر آگئے۔

ان کے بعد شاہ اعظم بھی آٹھا اور ان کے سامنے آکھڑا ہوا:  
”میں ہتھیار کے بغیر لڑانا پسند کرتا ہوں۔“ شاہ اعظم نے

کہا۔

”ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”تو پھر میں مقابلہ شروع کرتا ہوں۔ ہوشیار ہو جائیے۔“

"میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔ آپ فاریکھے۔ میں دو کوں گا۔" منور علی خان بولے۔

شاہ اعظم حرکت میں آیا، لیکن کوئی نہ دیکھ سکا۔ نہ سمجھ سکا کہ اس نے کس طرح حرکت کی۔ اور کس انداز سے کی۔ بس وہ سیدھا جا کر منور علی خان کے بینے سے ڈکرا گیا۔ دُسرے ہی لمحے منور علی خان تڑ سے گرے اور پھر نہ آٹھ کے۔

## بِطْوَه

پورے ہال پر سکتہ طاری ہو گی۔ ان کا حال سب سے بُرا تھا۔ اس مقابلے میں واقعی چند یکنڈ بھی صرف نہیں ہوئے تھے۔ شاہ اعظم تناکھڑا تھا۔ منور علی خان اس کے پروپ کے پاس بالکل بے ہوش پڑے تھے۔ اگر اس نے کہا:

"منور علی خان کے ساتھی آ کر انہیں اٹھا لیں اور دیکھ لیں۔ یہ کہیں سے بھی نہیں ٹوٹے چھوٹے۔ بالکل صحیح سلامت ہیں۔ بس ذرا بے ہوش ہو گئے ہیں۔ تھوڑی دیر تک خود بخود ہوش میں آ جائیں گے۔ میرا خیال ہے۔ شاہ ہوش میں بیٹھنے والوں نے آج تک اتنا حیرت انگیز مقابلہ نہیں دیکھا ہو گا!"

"بالکل صحیک۔ یہی بات ہے؟ لوگ پنکار اُٹھے۔"

"اور اب۔ دھرے کے مطابق۔ میں ان دوسرے صاحب سے یہی مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے انپکڑ کامران مرزا کی طرف اشارہ کیا۔

وہ یک دم آئے اور شیخ پر آئے۔ منور علی خان کو آٹھا کر شیخ سے نیچے لے آئے۔ بیرون نے بدلی سے ایک میزان کے لیے بچا دی۔ انہوں نے منور علی خان کو میزان پر لٹا دیا اور پھر چلانگ لگا کر شیخ پر آگئے:

”ٹھیک ہے۔ میں مقابلے کے لیے تیار ہوں۔“

دونوں آئنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ہال میں موجود تمام لوگوں کی بے قراری اب اپنی انتہائی حدود کو چھو رہی تھی۔ وہ پلکیں جھپکنا تک ہجھول گئے تھے۔

”کیا خیال ہے۔ مقابلہ شروع کیا جائے۔“ شاہ اعظم نے پر سکون آواز میں کہا۔  
”ہاں۔ ضرور۔“

”تو پھر میں حملہ کرنے لگا ہوں۔ آپ تیار ہیں نا۔“

”میں بالکل تیار ہوں۔“

”شکریہ۔ یہ لیجھیے۔ میں آیا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ پھر حرکت میں آیا۔ اور بالکل اسی انداز میں حرکت میں آیا۔ جو کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔ ایک بجلی سی کونڈی۔ سب نے یہ محسوس کیا کہ شاہ اعظم ان پکڑ کامران مرزا سے جا لگرا یا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ ان پکڑ کامران مرزا بھی انتہائی تیزی سے اپنی

بگ سے ہٹتے تھے۔ اور شاہ اعظم شیخ کی دیوار سے جا لگرا یا تھا۔ تاہم دوسرा لمحہ جیران گئ تھا۔ دیوار سے ٹکراتے ہی وہ گھوما اور مُسکرا کر بولا:

”بہت خوب۔ میری زندگی کا خوش گوار ترین لمحہ تھا یہ۔“

ابھی تک کسی نے اس حد تک شان دار طریقے سے میراوار نہیں روکا۔ اب آپ کی باری ہے آپ قادر کریں گے：“  
”ضرور کیوں نہیں؟“

اتنا کہتے ہی انہوں نے بھی انتہائی پھرتی سے اس پر چھلانگ لگائی، لیکن منہ کے بل گرے، پھر گرتے ہی آئے۔ ان کے چہرے پر بھی مُسکراہٹ تھی۔  
ادھر ہال میں موت کا سنا طا طاری تھا۔ دل دھکڑا دھکڑا کر رہے تھے۔

”بہت خوب۔ میرے لیے دوسرा جیران گئ ترین لمحہ۔ آپ بھی منہ کے بل گر کر بے ہوش نہیں ہوئے۔ میرا خیال ہے، اتنا ہی مقابلہ کافی ہے۔“

”بھیسے آپ کی مرضی۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔  
دونوں شیخ سے اُتر آئے۔ اُسی وقت منور علی خان نے انہیں کھول دیں اور آٹھ گئے۔ انہوں نے دیکھا، ان پکڑ کامران مرزا راحل کی طرف جا رہے تھے۔ راحل نے انہیں اپنی طرف

آتے دیکھا تو جراث ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔  
”مرٹر رائل۔ میں آپ سے بھی چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میرا  
آپ یہیں جواب دیں گے یا کسی کمرے میں۔“  
”یہیں پوچھ لیں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”ایسا نہ ہو کہ آپ جواب نہ دے سکیں۔ اور سب کے  
سامنے شرمدہ ہونا پڑے۔“

”فکر نہ کریں۔ ایسا نہیں ہو گا۔“  
”شکریہ۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ میرے دوست منور علی خان  
کو جنگل والی عمارت میں کس نے قید کیا تھا؟“  
”مجھے نہیں معلوم۔“

”پھر آپ کی ان سے ملاقات کس طرح ہوتی؟“  
”مجھے ایک رڑاکے کی ضرورت تھی۔ جس کو میں جوئی کے  
 مقابلے میں لاسکتا۔ اس غرض کے لیے میں نے ایک رڑاکا انہیں  
سے بات کی۔ انہوں نے مجھ سے معاوضہ یا اور منور علی خان  
کو بیسحیج دیا۔ انہوں نے بس اتنا کہا تھا کہ اس شخی کو کچھ  
معاوضہ نہ دیا جائے۔ مقابلہ بیت جانے کی صورت میں  
اسے آزاد کر دیا جائے۔ میں نے اس بات کو منظور کر دیا۔“

”بہت خوب ہے اس رڑاکا انہیں کا پتا کیا ہے؟“  
”بہت بہت بہت تو ہم بھی آپ کے بُر جھنڈے سکھ لیے۔ مجھے چھین ہوں۔“

”شکریہ؟ یہ کہ کروہ مرٹرے اور سیدھے شاہ عالم کی طرف آئے۔  
اب میں آپ سے بھی چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میرا  
سال ہے۔ آپ اپنے کمرے میں چل کر جواب دینا پسند کریں گے۔“  
”ہاں۔ آئیے۔“

اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے ساتھی ان کے  
پیچھے چل پڑے۔ ہٹول کی سب سے اوپر والی منزل کے ایک  
کمرے میں داخل ہوئے۔  
کمرہ شاہزاد طرز پر سجا ہوا تھا۔ وہ اندر آکر صوفیوں پر  
بیٹھ گئے۔

”ہاں جناب۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟“

”وہی جو میں نے کاغذ پر لکھا تھا کہ آپ اصل شاہ عالم نہیں ہیں،  
اس کا جواب تو میں دے چکا ہوں۔“

”میں نے کاغذ پر لکھا تھا کہ آپ اصل شاہ عالم نہیں ہیں،  
کیوں ٹھیک ہے نا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ہاں۔ ٹھیک ہے۔  
کیا؟“ آفتاب، آصف، فرحت اور منور علی خان کے منزل سے  
نکلا۔

”۔۔۔ یہ آپ نے کس طرح اندازہ لگایا۔“ فرحت کے لمحے  
میں حیرت تھی۔

”بہت بہت تو ہم بھی آپ کے بُر جھنڈے سکھ لیے۔ مجھے چھین ہوں۔“

شاہ اعظم نے کہا۔

آپ کے چہرے پر اگرچہ میک آپ انتہائی مہارت سن کیا گیا ہے۔ اور ضرور کسی بہت ہی بہترین ماہر نے کیا ہے لیکن یہری نظروں سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی۔  
”اوہ! شاہ اعظم کے منزے نکلا۔

اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں۔ اور بے چارے شاہ اعظم کہاں ہیں۔ ان کا کیا بنا؟

شاہ اعظم بالکل خیریت سے ہیں اور آرام سے ہیں۔  
انھیں قطعاً کوئی تکلیف نہیں دی گئی۔ میرے آدمیوں نے بس انھیں بطور مہماں اپنے پاس روکا ہوا ہے:

آپ کو یہ سب پکھو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور ہاں۔  
کیا جوئی آپ کا اپنا آدمی تھا یا اصلی شاہ اعظم کا؟

وہ شاہ اعظم کا ہی آدمی تھا۔ وہ بھی اس تبدیلی کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس نے جواب دیا۔

اور آپ نے یہ سب کیوں کیا۔ آپ کون ہیں؟  
ہاں! میں نے یہ کیوں کیا۔ اور میں کون ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ۔ ایک منٹ۔ کیا میں سکریٹ سلکا سکتا ہوں؟  
میں عادی ہوں۔ اور کافی دیر ہو گئی پیے ہوئے۔

کوئی اعتراض نہیں۔ اپنکیڑ کامران مرزا ہوئے۔

اس نے جیب سے لائٹ اور سکریٹ کا پیکٹ نکالا۔ ابھی اس نے لائٹ جلایا ہی تھا کہ کمرے میں جلنے والے بلب کی روشنی یک دم بہت مدھم پڑ گئی۔  
”ارے۔ اس بلب کو کیا ہوا؟ شاہ اعظم کے منزے نکلا۔

اسی وقت بلب بُجھ گیا۔

”ٹھریے۔ میں دیکھتا ہوں۔ اس کمرے کا بلب ہی بُجا ہے یا پورے ہوٹل کی لائٹ گئی ہے۔  
یہ کر کر وہ آٹھا۔ ساتھ ہی لائٹ کا شعلہ بھی بُجھ گیا۔ اب کمرے میں گھپ انڈھرا ہو گیا۔ ایسے میں انھوں نے شاہ اعظم کی آواز سنی۔

”اوہ ہو۔ یہ تو صرف اسی کمرے کا بلب بُجا ہے۔ ضرور کوئی خرابی ہوئی ہے۔ ٹھریے میں کسی کو بلاتا ہوں۔  
انھوں نے محسوس کیا۔ شاہ اعظم کمرے سے نکل گیا  
ہے۔ پھر ایک منٹ گزر گیا، لیکن شاہ اعظم واپس نہ آیا،  
وہ بے چین ہو گئے۔

”کہاں رہ گئے یہ حضرت؟

”کہیں بھی نہیں۔ بس وہ نکل گیا۔  
نکل گیا۔ جی کیا مطلب۔ اور آپ نے اسے روکنے کی

ہو کر کہا۔

” یہ انجمن تو پورے شہر میں مشور ہے۔ جس کسی کو کرائے کے لڑاکے کی ضرورت ہو۔ یہاں آتا ہے۔“ میکسی ڈرائیور نے بتایا۔

” یہن لوگوں کو رڑاکوں کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟“  
آصف بولا۔

” ان اطراف میں ڈاکوؤں کا بہت زور ہے۔ اب فرض کیجیے، کسی کی شادی ہے۔ اس کی بارات کی حفاظت کا سند ہے۔ تو ایسے میں رڑاکوں کی اس انجمن کا خیال یہاں کے لوگوں کو آئے گا۔“

” یہن کیوں۔ پولیس کی مدد کیوں نہیں لی جاتی؟“  
” لوگوں کو پولیس پر اعتماد نہیں رہا۔ جب بھی کسی نے انجمن کی بجائے پولیس کی مدد لی۔ اس بارات یا گھر کو ضرور بولٹا گی۔ پولیس والے ڈاکوؤں سے بہت خوف زدہ ہیں۔“ ڈرائیور نے کہا۔

” ہوں۔ بہت بہت شکریہ۔“ انہوں نے کہا اور اس کا بل ادا کر دیا۔

پھر وہ دفتر کے دروازے پر پہنچے۔ وہاں ایک  
لائل پیے کھڑا تھا۔

کوشش نہیں کی۔“

” یہ بات اس وقت میری سمجھ میں آئی۔ جب اس نے کہا کہ یہ تو صرف اس کرے کا بلب بجا ہے۔ بلب کی روشنی درمیں اس لامبڑنے سلب کی تھی۔“

” جی۔“ ان کے منہ سے حیرت کی نیادتی سے نکلا۔

” یہن اباجان۔ یہ کون تھا؟“  
” افسوس۔ میں نہیں جانتا، یہن جانتے کا خواہش مند ضرور ہوں۔ آؤ۔“ اب یہاں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں، ہم اسی وقت رڑاکوں کی انجمن کے دفتر چلیں گے۔“

” اوہ ہاں ۱۱ سے تو ہم بھول ہی گئے۔“  
وہ کمرے سے نکلے۔ واقعی پورا ہوٹل روشن تھا۔ صرف شاہ اعظم والا کمرہ تاریک ہوا تھا۔ نیچے اُتر کر وہ ایک میکسی میں بیٹھے۔

” ۳۰۹ جارج روڈ۔“

میکسی چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد ایک شانہ دار عمارت کے سامنے رکلیں گے۔

” یہیے جناب۔ پڑاکوں کی انجمن کا دفتر ہے۔“ میکسی ڈرائیور ہے کہا۔

” تو آپ کو یہ بات مددوں میں۔“ انہوں نے حیران

"جی فرمائیے"

"ہمیں انہیں کے صدر سے ملتا ہے"

"اندر تشریف لے جائیے - بہترین رواکے میں گے" اس  
لئے کہا۔

وہ آنکے بڑھے - ایک کمرے کے دروازے پر صدر کا لفڑا  
بکھا نظر آیا - اندر داخل ہوئے تو بھاری میز کے پیچے ایک  
ادھیرہ عمر کا آدمی بیٹھا نظر آیا - اس کی بڑی بڑی موچیں کافی  
خوفناک نظر آ رہی تھیں :

"فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں"

"پکھ رواکے مل جائیں گے"

"ضرور - کیوں نہیں"

"لیکن شرط یہ ہے کہ رواکے ہم اپنی پسند کے میں گے -  
مطلوب ہے کہ اس وقت جتنے بھی رواکے یہاں موجود ہیں ، وہ  
سب کے سب ہمارے سامنے کھڑے کر دیں - ہم خود پُچھیں  
میں گے"

"اس صورت میں ریٹ زیادہ ہو گا"

"کوئی بات نہیں"

شیکھ ہے - آئیے میرے ساتھ - یہ وقت رواکوں کے آرام  
لے - میں خود ہی ان کے پاس لے چلا ہوں"

"اگر یہ وقت رواکوں کے آرام کا ہے تو پھر وہ کیا ساتھ  
جا سکیں گے؟"

"نہیں - جن کو آپ لے جانا چاہیں گے ، وہ ضرور ساتھ جائیں  
گے - آرام کا وقت سب کا ہے"

"شیکھ ہے" انہوں نے کہا۔

ایک براہمی کا موڑ تڑکر وہ ایک بہت بڑے ہال میں  
داخل ہوئے - یہاں پہلوں کے قریب رواکے فرش پر بچے گدوان  
پر لیٹے ہوئے تھے - انہیں دیکھ کر بھی وہ لیٹے رہے -

"ان میں سے پچھیں میں"

"منور علی خان - جب تمہیں جنگل کی عمارت سے نقاپ  
پوش نکال کر لے آئے تو پھر ان رواکوں میں سے تمہیں اصل  
تک کس نے پہنچایا تھا" انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں  
کہا۔

"کیا مطلب؟ انہیں کے صدر کے منڈ سے نکلا۔"

"راحل" - کئی رواکوں کے منڈ سے نکلا۔

"منور علی خان - حرکت میں آ جاؤ"

منور علی خان گویا خواب سے چونگئے

"اوہ اچھا"

اور وہ ایک ایک رواکے کو غور سے دیکھتے ہوئے گزرنے

نے اقرار کر لیا ہے۔

" اقرار کر لیا ہے تو پھر۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

" تو پھر یہ کہ ہمارے ملک میں انسانوں کی خرید و فروخت میں ہوتی۔ آپ خود کو قانون کے حوالے کر دیں؟"

" کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟ انجمن کے صدر نے بولا کر کیا۔

" ہاں۔ بہت دیر بعد سمجھے؟"

" یکن جناب۔ ہم نے کسی شکاری سے کوئی لڑاکا نہیں خریدا۔"

" بھی جھوٹ دبو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کی اقرار کیا گی  
ہے۔"

" یکن اس اقرار کا آپ کے پاس ثبوت کچھ بھی نہیں۔ لہذا آپ، ہم قانون کے حوالے نہیں کر سکتے۔"

" امتحن۔ پویس ایشیش کو فون کرو۔ انکھاڑی سے نمبر پڑھ لو۔"

" بہت بہتر۔"

" میں نمبر بتا دیتا ہوں، یکن فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے من بنایا کہا۔

" کوئی بات نہیں۔ آپ نمبر تو بتاویں۔"

اس کے بتائے ہوئے نمبر پر فون کیا گی۔ انھیں پندرہ منٹ تک انتظار کرنا پڑا، پھر وہی پولیس انپکٹر کامران میں داخل ہوا

لگے۔

" یہ۔ یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" انجمن کا صدر بلند آواز میں بولا۔

" فاموشی سے کھڑے رہو مرتا۔" انپکٹر کامران مزا نے سرد آواز میں کہا۔ ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک پستول نظر آیا۔

" لک۔ کیا مطلب؟" کامران لڑاکے اچل کر کھڑے ہو گئے۔

" سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ اگر کسی نے بھی حرکت کی تو گولی اس کی کھوپڑی میں داخل ہو جائے گی۔" انھوں نے کہا۔

" اور پھر آپریشن کے بغیر نہیں نکل سکے گی۔ آفتاب بول آئھا۔ ادھر منور علی خان جلدی جلدی نظری گھما رہے تھے۔

" یہ۔ یہ سب کیا ہے۔ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟"

" تم لوگوں نے ڈانگ وانگ کے شکاریوں سے کوئی لڑاکا خریدا تھا؟" انپکٹر کامران مزا بولے۔

" ہاں۔ ضرور خریدا تھا۔ اور وہی لڑاکا ہم نے راہل کے حوالے کیا تھا۔"

" یہ وہی ہیں۔ منور علی خان۔ آ جاؤ۔ انجمن کے صدر

جو شاہ ہوٹل میں بھی آیا تھا :

"اوہ ہو۔ آپ لوگ یہاں بھی موجود ہیں۔"

"جی ہاں۔ فون ہم نے ہی کیا تھا۔ لڑاکوں کی اس نجمن سے تو آپ واقعہ ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ ان سے تو سارا شر واقع ہے۔" اس نے مذہبنا یا۔

"میری اطلاع ہے کہ یہ لوگ انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔"

"کیا؟" انپکٹر چلا آٹھا۔

"جی ہاں۔" وہ بولے۔

"یہ غلط ہے۔ ہم ایسا کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں۔"

"کیوں جناب؟" پولیس انپکٹر نے سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس ثبوت ہے یا نہیں۔ آپ انھیں گرفتار کر لیں۔"

"بل۔ یہکن جناب میں انھیں کس طرح گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"بس آپ انھیں گرفتار کر لیں۔ عدالت میں ثبوت پیش کرنا میرا کام ہے۔"

"افسوس۔ میں اس طرح گرفتار نہیں کر سکتا۔"

"اچھا تو پھر یہ کاغذ پڑھ لیں۔ انھوں نے تنگ آ کر اپنی حیب سے خصوصی اجازت نامہ نکالا۔

انپکٹر نے جوں ہی اجازت نامہ پڑھا۔ اس کی آنکھیں بیڑت اور خوف سے پھیل گئیں، پھر اس کے منہ سے نکلا:

"آ۔ آپ۔ آپ۔"  
ہاں؛ میں۔ اب ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ان کے فرشتوں کو بھی گرفتار کروں گا۔" اس نے پڑھو ش انداز میں کہا اور پھر ان لوگوں کو ہتھکڑیاں لگائی جانے لگیں۔ دہاں سے واپسی پر انپکٹر کامران مرزا ان سے کہ رہے تھے:

"اس کا مطلب ہے۔ منور علی خان۔ تمہیں ڈاکو قسم کے لوگوں نے پڑا کہ صرف اپنے سردار کے قتل کا بدلا یعنی کے لیے قید نہیں کیا تھا، بلکہ یہ دیکھ کر قید کیا تھا کہ تم بہترین رٹنے والے ہو۔ اور انھیں معلوم تھا۔ سلطان جنگ میں رٹا کوں کی ایک نجمن ہے اور اس شہر میں ہر چند ماہ بعد ایک شاہ بھی آتا ہے۔ جس کے لڑاکے سے رٹانے کے لیے شاہ ہوٹل کے مالک کو بھی رٹا کے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بس یہ چکر تھا۔ یہکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نقلی شاہ اعلیٰ

کون ہے۔ اسے یہ چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اصل شاہ عالم  
کہاں ہے۔ وہ کہتے چلے گئے، پھر چونک کر بولے:

”ارے۔ میں اسے تو بھول ہی گیا۔  
کس کو؟ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”بب۔ بٹوے کو۔“

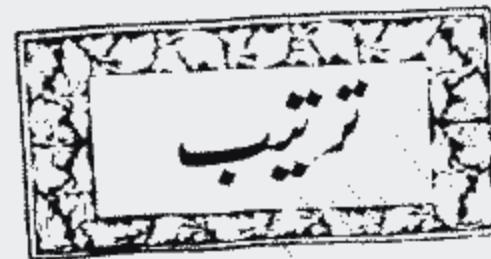
آنخوں نے بٹوہ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا اور  
پھر دھک سے رہ گئے۔ ماسٹر بون کی جیب سے آنخوں نے جو  
بٹوہ آٹا یا تھا۔ وہ اب جیب میں نہیں تھا۔



تیراحست

# غلط سکم

”شوکی! نیں نے ایک ہول ناک خواب دیکھا ہے: ان کی  
اتمی جان نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔  
” ہول ناک خواب کی تعبیر ہول ناک نہیں ہوتی اتمی جان،  
لہذا آپ کو نکر مند ہونے کی ضرورت نہیں: شوکی خوش ہو گیا۔  
” میرا مارے نکر کے برا حال ہے اور تم خوش ہو رہے ہو،  
تو بھی اس حالت میں کہ ابھی خواب سنا بھی نہیں: ان کی والدہ  
نے برا سامنہ بنایا۔  
” میں اس لیے خوش ہو رہا ہوں کہ تعبیر بہت خوش کن  
ہو گی۔  
” تب پھر پھٹے آپ خواب سُن لیں: آفتاب نے بے چین  
ہو کر کہا۔  
” ہاں ٹھیک ہے۔ مٹائیے اتمی جان خواب۔  
” میں نے دیکھا۔ آسمان سے سورج اچانک غائب ہو گیا۔



- ❖ نسل بگم
- ❖ نتی مصیبت
- ❖ راشی خانم
- ❖ کان او ہر کریں
- ❖ مقابد
- ❖ عاد شریعت بچے

اور بہت پڑے بڑے سیاہ بادل چاگئے۔ پھر وہ سیاہ بادل  
نپے آنے لگے۔ یوں لگا جیسے پھر اب کے پھر نپے آرہے ہوں  
اور پھر ان بادلوں کی بارش ہونے لگی:

"بپ۔ بادلوں۔ کی بارش۔ یہ آپ کیا کہ رہی ہیں اتنی  
جان۔" اخلاق کانپ آٹا۔

"بھی۔ وہ خواب سنادری ہیں۔ خاموشی سے سُن۔" اشغال  
جل گی۔

"مل۔ لیکن۔ ذرا سوچو۔ بادلوں کی بارش۔"

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔ اور پھر ہم تو  
یہ بھی کہ سکتے ہیں۔ یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے  
مُسکرا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنی باتوں میں آجھ کر خواب کو  
گول کر دو گے: ان کی اتنی نے جھلا کر کہا۔

"تو کیا اتنی جان۔ خواب چوکور بھی ہوتا ہے۔ آفتاب بولا۔

"بل۔ اب آپ کہ چکیں بیان۔ خواب۔" شوکی نے  
آفتاب کو گھوڑا۔

"کیوں۔ کرنے کو کیا ہے۔ اتنی جان پوری طرح آزاد ہیں۔"  
اخلاق نے فوراً کہا۔

"جب تک تم تینوں اپنی زبانوں کو قابو میں نہیں کر دو

گے، اس وقت تک اتنی جان پوری طرح آزاد کس طرح ہو سکتی  
ہیں۔" شوکی نے پاؤں نپھے۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم ابھی ہونٹ بند کر لیتے ہیں۔  
وہ بھی اس مضبوطی سے کہ ذرا بھی نکھل سکیں اور صاف ظاہر ہے،  
جب ہونٹ مضبوطی سے بند ہوں تو پھر زبان بے چاری نہیں  
چل سکتی۔" اشغال بولا۔

"مجھے تو نظر نہیں آتا کہ تم ہونٹ بیٹھنے لو گے۔" شوکی بولا۔  
اس میں نظر آنے یا نہ آنے کی کیا بات ہے۔ ہاتھ  
کنگن کو اُرسی کیا۔ یہ دیکھ لیں۔ ہم نے ہونٹ بند کر لیے  
ہیں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔  
اور کمرے میں مکمل خاموشی چاگئی۔

"جیرت ہے۔ آج پہلی بار اتنی آسانی سے انہوں نے ہونٹ  
بند کیے ہیں۔"

"وہ اس لیے کہ ابھی ہم نے خواب مکمل نہیں سنائی۔" اشغال  
نے کہا۔

"لیجیے۔ پھر بول پڑے یہ حضرت۔ میں نے تو پہلے  
ہی کہ دیا تھا۔"

"تو پھر آپ کو یہ جھڈ کئے کیا ضرورت تھی۔ کہ جیرت  
ہے۔ آج پہلی بار۔" اخلاق نے منہ بننا کہا۔

فرما کر اپنا خواب بیان کریں۔  
”بیان کیا خاک کروں۔ تم کرنے دو تب نا۔ انھوں نے  
بھٹا کر کہا۔

”اب ہم میں سے کوئی نہیں بولے گا۔ لیجھیے ہم وعدہ  
کرتے ہیں۔ اشراق نے فوراً کہا۔  
پکا وعدہ نہ وہ بولیں۔

”ہاں۔ بالکل پکتا۔“ شوکی بولا۔  
”چلو شیک ہے۔ ہاں تو میں کہ رہی تھی کہ میں نے دیکھا۔  
اوہ۔ اب یاد آیا۔“ وہ کہتے کہتے ڈک گئیں۔

وہ چاروں خاموش رہے۔ دیسے یہ پوچھنے کے لیے بڑی  
طرح بے چین ہو گئے تھے کہ انھیں اپ کیا یاد آگیا ہے۔  
ادھر انھیں خاموش دیکھ کر ان کی والدہ نے یہ تہ بھری نظریں  
ان پر ڈالیں اور پھر بولیں:

”بات دراصل یہ ہے کہ میں بالکل بھول گئی۔ کیا کہ رہی  
تھی۔ اب تمہیں یاد کرانا ہو گا۔ ورنہ میں آگے نہیں بڑھ  
سکوں کی۔“

”کہ کہ وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ چاروں اب بھی  
خاموش رہتے۔  
وہ بسمی۔ تم نے خاموش رہنے کا پکا وعدہ کر لیا ہے،

”ہاں یہ میری غلطی تھی۔ آئینہ ایسی غلطی نہیں کروں  
گا۔“ شوکی نے تسلیم کیا۔

شوکی میں یہ بہت اچھی بات ہے کہ اپنی غلطی فوراً مان  
لیتا ہے۔ ان کی امی بولیں۔

”اب آپ اپنا خواب مکمل کریں۔“  
”ہاں تو۔ میں نے دیکھا۔ میں نے دیکھا۔  
امی جان اٹکنے لگیں۔

”آج آپ گراموفون پر کوئی ریکارڈ تو نہیں سُفتی رہیں  
امی جان۔“ آفتاب نے یہ تہ زدہ انداز میں کہا۔

”نہیں تو۔ لیکن تم نے یہ کیوں پوچھا؟“ انھوں نے یہ تہ  
بھرے انداز میں پوچھا۔

”اس یہے کہ گراموفون کی سوئی بھی اسی طرح ٹکریتے ہے۔  
اور ایک بھی بول بار بار کتابی دیتا رہتا ہے۔ جب تک کہ ہاتھ  
سے سوئی کو آگے نہ کر دیا جائے۔“

”لیکن تم نے یہ بات کیوں کہی۔ اگر میں نے گراموفون  
ستا بھی ہوتا تو پھر۔ اس سے کیا؟“ وہ بولیں۔

”میں نے سوچا۔ شاید۔ آپ کو اس لمحے گراموفون کا  
امکن یاد آ گیا ہے۔“ آفتاب بولا۔

”میں بھا۔ آپ بھی کس کی باتوں میں الجھ گئیں۔ میربانی۔

"میں۔ میں۔ خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"بُری بات ہے۔ وہ بھی کون آدمی ہے۔ جو خود پر قابو  
نہ رکھ سکے۔ شوکی بولا۔

"ہاں اُتی جان۔ پھر کیا ہوا۔"

"پھر۔ لوگ ان خونی پتھروں کو دیکھ کر بھاگنے لگے، لیکن  
وہ۔ وہ بھاگ نہ سکے۔"

"بھاگ نہ سکے۔ کیا مطلب؟"

"وہ پتھران کے پیچے دوڑ پڑے۔"

"یہ آپ کیا کہ رہی ہیں اُتی جان۔ پتھر لوگوں کے پیچے  
دوڑ پڑے۔" شوکی کے منزل سے نکلا۔

"بھائی جان۔ شاید آپ بھی اپنے آپ پر قابو نہیں  
رکھ سکے۔" آفتاب شوخ آواز میں بولا۔

"ہاں۔" شوکی کے منزل سے نکلا۔

"شکریہ۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اور تم شکریہ کس بات کا ادا کر رہے ہو۔" شوکی  
اس کی طرف پڑا۔

"بہت خوب سن یجھے۔ کہیں اُتی جان پھر نہ مجھوں جائیں۔"  
اُنکے نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ ہاں تو اُتی جان۔ آپ

خیر۔ اس حد تک میں تمھیں اجازت دیتی ہوں۔ کہ مجھے یاد کراؤ،  
میں کیا کہ رہی تھی؟"

"آپ بارلوں کی بارش کا ذکر کر رہی تھیں۔ اگرچہ ہمارے  
خیال میں ایسی بارش نہیں ہو سکتی۔ آفتاب نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے۔ خواب میں بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ انہوں  
نے تیز نظروں سے آفتاب کو دیکھا۔

"بھی نہیں۔ خواب میں تو شاید سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"آفتاب۔ اب خاموش ہو جاؤ۔" ہمیں خواب سننے دو۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ تو میں نے دیکھا۔ بادل اس طرح زمین  
کی طرف آرہے تھے جیسے پھاڑ گر رہے ہوں اور پھر جب وہ  
زمیں پر گرے تو۔ اللہ کی پناہ۔" وہ کانپ کر رہ گئیں۔  
ہم نے ہونٹ اور مفبوطی سے بند کر لیے کہ پھر کوئی نہ  
بول پڑے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگیں :

"بسی واد۔ آج تو ریکارڈ توڑ رہے ہو خاموش رہنے کا۔

خیر۔ تو میں نے دیکھا۔ وہ بادل نہیں تھے۔ بلکہ بہت بڑے  
برڑے پتھرتے۔ اور ان پتھروں میں سے خون نہکل رہا تھا۔

"خُن۔ خُون۔ نہکل۔ رہا تھا۔" یہ آپ کیا کہ رہی ہیں اُتی  
جان۔ آفتاب پھر نہ رہ سکا۔

"افوس۔ تم پھر بول پڑے۔" شوکی نے اسے گھورا۔

کیا کہ رہی تھیں؟

"پتنا نہیں۔ میں کیا کہ رہی تھی۔ تھیں تو ایک خواب سنانا بھی جان جو کھون کا کام ہے۔ اس سے تو بہتر تھا۔ میں یہ خواب تمہارے ابا جان کو سننا دیتی۔"

"مٹت۔ تو کیا آپ نے ابھی تک خواب انھیں نہیں سنایا۔

"نہیں۔" وہ بولیں۔

"لیکن کیوں۔" شوکی چیران ہو کر بولا۔

"اس لیے کہ وہ صرف اتنا کہ دیتے۔ تھیں وہم ہوا ہے۔"

"لیکن خواب کا وہم سے کیا تعلق۔ خواب خواب ہے اور وہم وہم۔ اشفاق بولا۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ آج کی تاریخ میں ہم خواب مکمل نہیں سکیں گے۔" شوکی نے حیرت زدہ لمحے میں کہا۔

"کیوں۔ ابھی تو شام کے صرف پانچ بجے ہیں۔ گویا آج کی تاریخ ختم ہونے میں پورے سات گھنٹے باقی ہیں۔"

"لک۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سات گھنٹے میں تو پورا خواب نہیں ہیں گے؟ اسی جان نے بوکھلا کر کہا۔

اور ان کی ہنسی نکل گئی۔ پھر اپنی اتمی جان کی آنکھوں میں شدید غصہ دیکھ کر وہ مجری درج سہم گئے۔ ہونٹ ایک دوسرے

پر مضبوطی سے جم گئے۔

"اب اگر تم میں سے کوئی بولا۔ تو میں خواب نہیں سناؤں گی اور پھر کوئی بھی خواب کو نہ جان سکے گا۔ خواب کا راز راز ہی رہ جائے گا۔"

آفتاب کا بھی چالا۔ پکار آٹھے:

"خواب کا راز۔ بھی وہ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

لیکن اتمی کے غصہ نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے سنا، وہ کہ رہی تھیں:

"لوگ بے تھاشا دوڑ رہے تھے اور پتھران کے پیچے دوڑ رہے تھے۔ پھر پتھروں کی رفتار بہت بڑھ گئی۔ وہ لوگوں تک پہنچنے لگے۔ اور اس کے بعد میں نے اور بھی چوں ناک منتظر دیکھا۔ پتھر جس انسان کو بھی چھو گئے۔ وہ تڑپے گلا اور پانی بن کر ہے گی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزار ہا انسان پانی بن گئے۔"

"ارے باپ رے۔ آفتاب سے پھر نہ رہا گی۔"

"دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا۔ تم لوگوں کو خواب سنانا بھی پھاڑ توڑنے کے برابر مشکل ہے۔ خیر۔ اب تو خواب کا مکمل ہو گی۔ آئینہ اگر میں نے کوئی خواب دیکھا تو تم سے

ہرگز ذکر نہیں کروں گی !  
”شکریہ اتھی جان۔ آپ نے کیا فرمایا۔ خواب مکمل ہو گیا۔  
گویا اس کے ساتھ ہی آپ کی آنکھ کھل گئی۔ یکوں۔ یہی بات  
ہے تما۔“ اشفاق جلدی جلدی بولا۔

”ہاں ! مکمل ہو گی۔ لیکن ایک آخری بات رہ گئی۔ وہ  
بھی سُن لو۔ لوگ دھڑا دھڑ مر رہے تھے کہ ایک عجیب سی  
شکل صورت والے آدمی کو میں نے ہوا میں آڑ کر آتے  
دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ تیرتا ہوا آرہا ہو۔ اس کے ہاتھ  
میں ایک سیاہ رنگ کا کوڑا تھا۔ اس نے نزدیک آ کر اپنا کوڑا  
لہرا�ا۔ اور پھر یہ حیرت ناک منظر دیکھنے میں آیا کہ پتھر دک  
گئے۔ ان سے خون بہنا بند ہو گیا۔ کوڑا لہرانے والے  
نے کہا :

”بس۔ اب تم میرے اشاروں پر چلو گے۔ وہ زیر پتھر  
پھر تم لوگوں کو بچانے لگیں گے۔ یہ کہ کہ اس نے پتھر کوڑا لہرا�ا  
اور کوڑے کی نوک میرے من پر لگ گئی۔ اس کے ساتھ ہی  
میری آنکھ کھل گئی۔ یہاں تک کہ کہ وہ خاموش ہو گئی۔

چند سینکڑ تک کمرے میں مکمل ناموشی طاری رہی، اگر شوک  
نے کہا :

”اس میں شکر نہیں کہ خواب واقعی ہول ناک ہے اور

کہ اسرار بھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس خواب کی تعبیر کس  
کے معلوم کریں؟“

”تعبیر۔ تعبیر کے لیے ہمیں انکل فارانی سے ملتا ہو گا،  
ان کے ایک دوست ہیں۔ اچھے عالم ہیں۔ نہ ہے، وہ خواب  
کی تعبیر ہی بتاتے ہیں۔ شوکی نے کہا۔

”تو پھر چلیے۔ اسی وقت پہلے ہیں۔ آفتاب بولا۔

”یکوں اتھی جان۔ اجازت ہے۔ کوئی اعتراض تو نہیں؟“

”اعتراض کیسا۔ میں تو خود اس خواب کی تعبیر جاننے کے  
لیے بے چین ہوں۔ بلکہ مارے بے چینی کے میرا بُرا حال  
ہے۔“ وہ بولیں۔

”ٹھیک ہے۔ آپ اندر چلیں۔ ہم اسی وقت تعبیر پوچھنے کے  
لیے چاتے ہیں۔ اور آگر۔“

شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت کبھی  
نے دروازے پر آ کر کہا تھا :

”کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“

غیر ارادی طور پر ان کے منہ ادھر گھوم گئے۔ یہاں تک کہ  
ان کی اتھی جان نے بھی چونک کر ادھر دیکھ یا۔ لیکن پھر  
فواؤ منہ اندر ہوئی دروازے کی طرف پھیر یا۔ ساتھ ہی ان پرکی  
کاپنیتی اواز منائی دی :

"شش۔ شش۔ شوکی۔"

"لک۔ کیا ہوا اتنی جان؟" شوکی بھی ہمکلایا۔

"مجھ سے بات کیے بغیر۔ ان صاحب سے کوئی بات نہ کرنا۔" انھوں نے تصریح کا پنچت اور دلی آواز میں کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟" شوکی چونکا۔

"پہلے اسے بخواہ۔ پھر میری طرف آؤ۔" انھوں نے کہا اور اندر وہی دروازے کی طرف برٹھ گئیں۔

"آئیے جناب۔ تشریف لائیے۔" آفتاب نے با اخلاق انداز میں کہا۔

"وہ اندر آگیا۔ اس کی ششکل صورت عجیب و غریب سی تھی۔ شاید وہ کسی دوسرے ملک کا باشندہ تھا۔ اندر آگر وہ شوکی کے سامنے والی گرسی پر بیٹھ گیا۔"

"جی فرمائیے۔ ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"ایک عجیب معاملہ ہے۔ یوں سمجھ لیں۔ بلکہ عجیب کیس ہے، جو میں آپ لوگوں سے حل کرانا چاہتا ہوں۔"

"تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ یہ ہمارے بھائی جان تشریف رکھتے ہیں۔ ان سے بات کر لیجیے۔" آفتاب نے شوکی کی خوف اشارہ کیا۔

"بات دراصل یہ ہے جی کہ۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"ایک منٹ جناب۔ معاف کیجیے گا۔ میں ابھی آیا۔" یہ ہمکر لوک آٹھ کھڑا ہوا۔

"خیریت تو ہے بھائی جان۔ اشغال بولا۔ دراصل وہ یہ نوں ہنی اتنی کے انفاظ نہیں سن سکے تھے۔

"ہاں۔ فکر نہ کرو۔ اور مہربانی فرمائ کر ذرا دیر کے لیے ب لوگ خاہوش رہیں۔" شوکی نے کہا اور اندر وہی دروازے کی طرف رکھ گیا۔

وہاں اس کی اتنی موجود تھیں:

"شوکی اندر چلے آؤ۔"

"جی کیا مطلب۔ پہلے تو آپ ہمیشہ دروازے پر کھڑے رہ کر بات کرتی رہی ہیں۔"

"ہاں؛ لیکن اس وقت میں خوف محسوس کر رہی ہوں۔" "اوہ۔ اچھا!" شوکی نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

اس نے دیکھا۔ اس کی والدہ کے چہرے پر واقعی ہوا یا اڑ رہی تھیں۔ بدن میں پلکی بھی تھی۔ اسی وقت دوسری طرف کے دروازے کی گھنٹی بھی:

"اوہ۔ تمہارے آبا جی آگئے۔ ٹھہرو۔ میں پہلے ان کے لیے دروازہ کھول دوں۔"

یہ کہ کر وہ دروازے پر گئیں اور اسے کھول دیا۔

اسلام علیکم! شوکی نے اپنے ابا جان کی آواز سنی، پھر وہ بولے:

"اوے۔ بیگم۔ خیر تو ہے۔ تمہارا چھرو تو دودھ کی طرح سفید ہو رہا ہے۔ کیا کوئی بہت خوف ناک بات ہو گئی ہے؟"

"جی ہاں۔ یہی بات ہے؟"

"اوہ شوکی۔ تم جی یہاں موجود ہو۔ تب تو ضرور کوئی بات ہو گئی ہے۔ وہ پریشان ہو گئے۔"

"گویا شوکی یہاں نہ ہوتا تو پھر میری بات پر شک کیا جاسکتا تھا؟ شوکی کی والدہ نے بتتا کر کہا۔"

"اوہ نہیں۔ مم۔ میرا۔ یہ مطلب نہیں تھا۔ ہاں۔ یعنی کہ وہ گرفڑا گئے۔"

"اگر آپ کا یہ مطلب نہیں تھا تو پھر کیا مطلب تھا؟" وہ جلا کر بولیں۔

"اوہ ہو۔ چھوڑو بھئی۔ یہ بتاؤ۔ پریشانی کیا ہے؟" "پریشانی یہ ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے؛ شوکی کی اُتی جان نے کہا۔

"یہ بھی کوئی پریشانی کی بات ہے۔ لوگ دن رات خواب دیکھتے ہیں۔"

"لیکن میں نے ایک بہت خوف ناک خواب دیکھا ہے۔"

"اس میں بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بعض خواب اُتی بہت خوف ناک ہوتے ہیں، لیکن ان کی تعبیر کچھ اور یہی ہوتی ہے۔ اس لیے بلا وجد پریشان نہیں ہو جانا چاہیے۔" وہ بولے۔

"اوہ ہو۔ پہلے آپ سن تو لیں۔"

"میں خواب ضرور منزو گا، لیکن کھڑے رہ کر نہیں۔ اطمینان سے بیٹھ کر۔"

"بانکل ٹیک۔ چلیے اندر۔"

"اُتی جان۔ پہلے آپ مجھے تو فارغ کر دیں۔"

"ایسے نہیں۔ پہلے میں خواب سناؤں گی۔ اور پھر تم سے بات کروں گی۔ وہ تملکا کر بولیں۔"

"کیا معاملہ ہے شوکی۔ تم کیوں پریشان ہو۔" وہ اس کی طرف

مرٹے۔

"دفتر میں ایک ملاقاتی تشریف فرمائیں، لیکن اُتی جان کا حکم ہے کہ جب تک میں ان سے بات نہ کروں، اس وقت تک اس سے کوئی بات نہیں کی جائے گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی بیگم؟" شوکی کے والد نے آنکھیں نکالیں۔

"پہلے سن لیں۔ پھر بات کریں کہ کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں۔ کیا آپ کا خیال ہے، میں بے پر کی اڑاتی رہتی

ہوں یا بات بے بات مذہ سے بات نکالتی رہتی ہوں؟

”اوہ۔ اچھا۔ اب آپ محاوروں پر اتر آئیں۔ آدھی شوک۔ پہلے ان کا خواب سن لیں۔ تھارا ملاقاتی اتنی جلدی میں بھی نہیں ہوگا۔“ وہ بولے۔

”جی۔ میں کچھ کہ نہیں سکتا۔ وہ جلدی میں ہے یا نہیں، اس سے بات کرنے کا تو انہوں نے موقع ہی نہیں دیا۔“

”ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ آؤ۔“

وہ اندرولی کمرے میں آبیٹھے۔ شوکی کی امی جان نے اپنا خواب بیان کرنا شروع کیا۔ درمیان میں ان کے اباجان بھی دو تین مرتبہ بولے بیفرز رہ سکے۔ جس پر شوکی کی اتنی نے انھیں بھی تیز نظروں سے گھودا اتنا ہم رکے بیفر خواب بیان کرتی چل گئیں۔ وہ چاروں پُرخوں کر پہلے ہی خواب سن پچھے تھے۔ اس لیے شوکی باہکل ناموش رہا۔ اور پھر ان کی اتنی جان ناموش ہو گئیں۔

”واقعی۔ بہت عجیب و غریب خواب ہے۔ میں ابھی ہو لوی صاحب کے پاس جاتا ہوں۔“ وہ آٹھتے ہوئے بولے۔

”جی۔ مولوی صاحب کے پاس۔ کیا مطلب؟“ شوکی نے بولکھلا کر کہا۔

”ہاں! وہ آگر تھاری اتنی کو دم کر دیں گے۔“ وہ بولے۔

”یہ ایک ہی رہی۔ ادھر ملاقاتی بیٹھا ہے اور یہ جا رہے ہیں مولوی صاحب کو بُلانے۔ میں کہتی ہوں۔ مجھے دم کرانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے۔ مجھے وہم نہیں ہوا کہ آپ دم کرانے کے بارے میں سوچیں۔ اور میں اس بات کا ثبوت پیش کر سکتی ہوں کہ میں نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے۔“

”غلط بیگم۔“ شوکی کے والدہ چلا آٹھے۔

”آپ۔ آپ نے مجھے غلط بیگم کہا۔“ شوکی کی والدہ نے چڑا کھانے والے لمحے میں کہا۔

”ن۔ نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ بیگم تم نے غلط کہا۔ کوئی شخص یہ بات ثابت نہیں کر سکتا کہ اس نے واقعی رات یہ خواب دیکھا ہے۔“

”لیکن میں ثبوت پیش کر سکتی ہوں اور کروں گی۔“ پہلے آپ ثبوت سن لیں۔ تاکہ شوکی بھی جا کر ملاقاتی سے بات کر سکے۔ پھر آپ بھی جو جی میں آئے کرتے رہیے گا۔ چاہے کسی مولوی صاحب کے پاس جائیں۔ یا کسی عالم فاضل کے پاس۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”ہوں! اٹھیک ہے۔ ثبوت پیش کرو۔“ وہ بولے۔

”اس وقت شوکی کے دفتر میں جو شخص بیٹھا ہے۔“ وہ

باکل وہی شخص ہے۔ جس کو میں نے خواب میں دیکھا ہے؟  
”کیا؟“ دونوں پوری توت سے چلاتے۔

کم از کم انہیں یہ بات سخنے کی ہرگز امید نہیں تھی۔  
ان کی آنکھیں چرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ اور وہ انھیں گھومنے  
لگے۔

## تینی مصیبت

کتنے ہی لمحے سنائے میں گزر گئے۔ آخر شوک کے آباجان

بولے:

”بب۔ بیگم۔ تم پچ کہ رہی ہو؟“

”اور مجھے جھوٹ بولنے کی جدلا کیا ضرورت ہے؟“

”ہوں۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ آپ تو اس سے  
ملاقات کے بعد ہی کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جاؤ شوک۔  
تم جا کر اس سے پوچھو۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ لیکن ہمارے علم  
میں لائے۔ بغیر اس سے معاملہ طے نہ کر بیٹھنا۔ پتا نہیں کیا چکر  
ہے۔“ وہ بولے۔

”جی۔ بہتر۔ آپ فکر نہ کریں۔“

شوک یہ کہ کر آٹھا اور اپنے دفتر میں آگی۔ وہاں  
ملاقات سر جھکائے بیٹھا تھا۔ قدموں کی آواز سن کر اس کی طرف

تمڑا:

"اوہ۔ آپ آگئے۔ لیکن میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔" اس نے کہا۔

"ارادہ بدل دیا ہے۔ کیا مطلب؟"

"اب میں آپ کی مدد حاصل نہیں کروں گا، کیونکہ آپ تو پہلے ہی مرضی میں وعدہ خلاف ثابت ہو گئے ہیں۔"

"وہ خلاف اور ہم۔ ہم نے کیا وعدہ خلافی کی ہے جناب۔" شوکی نے چرت بھرے لمحے میں کہا۔

"آپ ایک منٹ کے لیے اجازت لے کر گئے تھے، لیکن آئے، میں چھے منٹ بعد۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ یہ تو ہے۔ لیکن جناب۔ ایک بہت بڑی بجھوڑی پیش آگئی تھی۔ بہرحال اگر آپ ہم سے کیس حل نہیں کروانا چاہتے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"خیر۔ اگر بڑی بجھوڑی پیش آگئی تھی تو میں اپنا ارادہ بدل دیتا ہوں؛" اس نے کہا۔

"شکریہ۔ تو پھر فرمائیے۔ ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"آپ لوگوں کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ یہاں میں کچھ دینا منظور کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ۔ میں چند منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔" یہ کہ کر شوکی آٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ بھی نہیں بتا سکتے۔"  
"کیا مطلب۔ آپ کچھ بتا بھی سکتے ہیں یا نہیں؟" شوکی نے بتنا کر کہا۔

"نہیں۔ یہاں نہیں۔ وہاں۔" اس نے کہا۔

"کام کیا ہے۔ اشارتاً بھی نہیں بتا سکتے۔"  
"نہیں۔" اس نے کہا۔

"کچھ معاوضے کے بارے میں بھی بات کر سکتے ہیں یا نہیں۔"  
آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"ہاں؛ اس موضوع پر بات ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر کم از کم یہی طے کر لیں۔ آپ ہمیں معاوضہ کی دیں گے۔"

"یہ آپ بتائیں۔"

"ہم کم از کم معاوضہ بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپے لیں گے، لیکن اگر آپ بات یہاں بتا دیں گے تو شاید ہم پانچ ہزار روپے میں معاملہ طے کر لیں۔"

"نہیں۔ میں یہاں نہیں بتا سکتا۔ بیس ہزار روپے یا زائد دینا منظور کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ۔ میں چند منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔" یہ کہ کر شوکی آٹھ کھڑا ہوا۔

” اُمیٰ جان - آپ کم از کم سن تو لیں : ”  
 ” خیر مسناو ! انہوں نے مُذکور نیا۔  
 ” وہ کم از کم بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپے  
 دینے کے لیے تیار ہے :

” اوہ ہو۔ اچھا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔  
 ” یکوں بیگم۔ اب کیا ہوا ؟ شوکی کے آبا جان مسکرانے۔  
 ” لگک - کچھ نہیں - دراصل نہیں وہم کا شکار ہو گئی ہوں،  
 آپ مولوی صاحب کو لے آئیے جا کر ، نہیں دم کر داہی لوں۔  
 ” ٹھیک ہے - نہیں لے آتا ہوں، میکن پہلے شوکی سے بات  
 تو ختم کر لو :

” ہاں شوکی - نہیں ضرور اس شخص کے بارے میں وہم کا شکار  
 ہو گئی ہوں - تم ضرور اس کے ساتھ چلے جاؤ :

” شش - شکریہ اُمیٰ جان : ” شوکی نے حیران ہو کر کہا۔  
 ” خیر تو ہے شوکی - بہت حیران نظر آ رہے ہو۔  
 ” آپ مولوی صاحب کو لینے نہیں جا رہے - شوکی کی والدہ  
 جلدی سے بولیں۔

اور شوکی مسکراتا ہوا دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ اندر داخل  
 ہو کر اس نے کہا :

” چلیے جاپ - ہم چلنے کے لیے تیار ہیں ”

” یہ چند منٹ - کیس چند گھنٹے ذہن جائیں ”  
 ” اس صورت میں آپ چلنے جائیے گا ” شوکی نے مسکرا کر  
 کہا -

اور وہ اندر داخل ہوا۔ اس کے آبا جان اور اُمیٰ جان  
 اُسی کرے میں بیٹھے تھے :

” ہاں شوکی - کیا رہا ؟ ”  
 ” وہ یہاں کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں ” شوکی بولا۔  
 ” سب تم اس کے ساتھ ہرگز نہ جانا شوکی - میں خوف  
 محسوس کر رہی ہوں ”

” میکن - اُمیٰ جان ” شوکی نے کہنا چاہا۔  
 ” میکن و میکن کچھ نہیں - بس تم اس کے ساتھ نہیں چاؤ گے ”  
 ” وہ بولیں -

” بہت بہتر - ہم نہیں جائیں گے - جب تک کہ آپ اجازت  
 نہ دے دیں ” شوکی بولا۔

” اور میں اجازت کیوں دینے لگی جب کہ خود منع کر  
 رہی ہوں ”  
 ” ابھی آپ نے یہ بات نہیں سنی کہ وہ معاوضہ کیا دے  
 گا ” شوکی نے کہا۔

” کچھ بھی دے - نہیں کیا ” اس کی اُمیٰ بولیں۔

"بہت خوب؟ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ جائیں گے کیسے؟ شوکی نے کہا۔

"میں اپنی کار پر آیا ہوں۔"

"شکر یہ؟" شوکی نے کہا اور وہ آٹھ کھڑے ہوئے۔

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے شوکی نے ارشد کو انہوں ہی انہوں میں کہا:

"ہمارا تعاقب کرو۔"

ارشد نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ وہ باہر نکلے۔ تو دروازے سے کچھ ہی فاصلے پر ایک بزرگ کی بڑی سائز کی کار کھڑی تھی۔ اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ چاروں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اب اس نے ڈرائیونگ سیٹ بنھالی اور کار پل پڑی:

"آپ نے اب تک اپنا نام بھی نہیں بتایا جتاب؟"

"را۔ را۔" وہ اٹک گیا اور ایک لمحے کے لیے مژکر شوکی کی طرف دیکھا، پھر فداً سامنے نظریں جھادیں اور بولا:

"بہت خوب۔ کافی پالاک ہیں آپ۔ روائی میں مجھ سے نام پوچھنا چاہتے تھے۔ اور میرے منزے سے نام نکلنے، ہی لگا تھا۔ نیز۔ نام بھی وہیں چل کر بتاؤں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ وہاں پہنچ کر تو بتائیں گے ہی۔"

"ہاں ضرور۔ ساری بات آپ کو بتائی جائے گی۔ فکر نہ کریں۔"

"آپ ہمیں شر سے باہر کیں لے جانا پاہتے ہیں؟ آنکھ  
نے فکر منداز انداز میں کہا۔

"یہی سمجھ لیں۔"

"اگر بات نہ بن سکی تو ہم واپس کس طرح آئیں گے؟" اشنا  
بڑھتا یا۔

"فکر نہ کریں۔ بات ضرور بنے گی۔" اس نے پہلی بار مسکرا کر  
کہا۔

"آپ اس بات پر مسکرائے کیوں؟" شوکی نے الجن کے  
عالم میں کہا۔

"مسکراتا میری عادت ہے۔"

"میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ مریاں فرمائیں ہمیں یہیں

آتا دیں۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ وہم نہ کریں۔ آپ کو کسی خطرے

کا سامنا نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر آپ معاکیوں بننے ہوئے ہیں۔

یا تو بات واضح کریں۔ ورنہ ہمیں یہیں آتا دیں۔"

"میں بات اس لیے واضح نہیں کر رہا کہ آپ انکار کر  
دیں گے۔" اس نے صاف بات کی۔

” تو پھر۔ انکار تو ہم وہاں جا کر بھی کر سکتے ہیں؟ ”

” نہیں۔ وہاں انکار نہیں کر سکیں گے۔ ”

” وہ یکوں ۔ اشناق نے لمحرا کر کہا۔ ”

” جلد معلوم ہو جائے گا۔ ”

” اچھا۔ اللہ مالک ہے۔ اخلاق نے کندھے اچھاتے۔ اور پھر کار میں خاموشی چھا گئی۔ چند منٹ بعد اس نے ہی مُذکوہوا۔ ”

” یکوں بھئی۔ خاموش یکوں ہو گے۔ ”

” اب کیا بات کریں۔ کرنے کے لیے بات رہ ہی کیا گئی ہے۔ آپس کی باتیں ہی شروع کر دو۔ مجھ سے بے شک بات نہ کرو۔ ” اس نے ہنس کر کہا۔ ”

” ایسے میں آپس کی باتیں بھی مُذہ موڑ لیتی ہیں۔ ” شوکی ہنپے بل بھن کر کہا۔ ”

” بہت خوب۔ جحمد پسند آیا۔ ”

” جحمد گی بھاڑیں۔ ” اخلاق بولا۔ ”

” بھئی عورتوں کی طرح کے جملے نہ بولو۔ ”

” یکوں۔ اس قسم کے جملے سن کر آپ کے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا۔ ” شوکی نے حیران ہو کر کہا۔ ”

” نہیں۔ مُذہ ضرور پہنانا پڑتا ہے۔ اور میں مُذہ بنانا پسند ”

” میں کرتا۔ ”

” اچھا۔ کمال ہے۔ یہاں تو بات بات پر مُذہ بنتے ہیں۔ ”

” اور بگڑتے بھی ہیں۔ ”

” تو۔ ہم شہر سے باہر نکل رہے ہیں۔ اپنے شہر پر ”

” الوداعی نظر ڈال لو۔ ”

” الوداعی یکوں۔ کیا ہم اب کبھی یہاں واپس نہیں آئیں گے۔ ”

” پتا نہیں۔ کب آتا نصیب ہو۔ ” اس کے لمحے میں سختی آگئی۔ ”

” ایسی بات ذکریں۔ ہمارے والدین تو بے موت مُر جائیں گے۔ ”

” اپنی کچھ نہیں ہو گا۔ تم لوگوں کے ہاتھوں کے لکھنے ہوئے خطوط انھیں باقاعدہ ملتے رہیں گے۔ ان خطوط انھیں ”

” صرف اور صرف خیریت کی خبریں ہوں گی۔ ”

” آپ لوگوں کا پروگرام کیا ہے؟ ”

” چھر وہی بات۔ اس کے علاوہ تم اور کچھ نہیں پوچھ سکتے۔ ”

” بس۔ اب ہم اور آگے ہرگز نہیں جائیں گے۔ کار روک لیں۔ اگر نہیں روکیں گے تو ہم چلتی کار سے چلا گئیں ”

لگا دیں گے۔

"ہڈی پسل ایک ہو جائے گی؟ وہ بولا۔

"تو تمہارے ساتھ جا کر کی ایک نہیں ہوگی تا اشناق نے جل کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم چلانگیں لگا رہے ہیں۔ شوکی نے گویا دھمکی دی۔

"لگا دو۔ تم بھی کیا یاد کرو گے؟"

ان الفاظ کے ساتھ، ہی کار اور بھی تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ شوکی نے کار کا دروازہ کھولنا چاہا، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے ہاتھ جھے رہ گئے۔

"یکوں بھائی جان۔ کیا ہوا؟"

"دھداوازے لاک ہیں۔ کھل نہیں سکتے۔ شاید یہ آٹو میلنگ کار ہے۔"

"باقل ٹھیک اندازہ لگایا۔ باہر سے اگرچہ یہ باکل عام سی کار ہے، لیکن ہے بہت خاص قسم کی کار۔ اس نے فرنے انداز میں کہا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ شوکی نے پرستکوں آواز میں کہا۔ یکوں کہ اسے اسی وقت ارشد کا خیال آ گیا تھا جس کو وہ تعاقب کرنے کی بدایت دے چکا تھا۔

اسی وقت کار والے کے چہرے پر اجھن کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر وہ بولا:

"اوہ۔ میں اس ٹیکسی کو بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں، ضرور یہ ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ مہر شوکی۔ کیفیت اس قسم کا انتظام کر کے چلے تھے؟"

لہاں آشوکی نے فوراً کہا۔ ظاہر ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

"خوب۔ تم واقعی بہت چالاک ہو۔ اس نے کہا۔ اور پھر کار کے ٹیزرنگ میں لگا ایک بُن دبا دیا۔ فوڑا انہوں نے بوچھاڑ پڑنے کی آواز سنی۔ مُڑ کر دیکھا تو سڑک پر تیل کی تباہی پڑھنے کی آواز تھی۔ وہ کانپ آئے۔ کار کے دروازے چوں کر مکمل طور پر بند تھے۔ اس لیے ان کی آواز باہر نہیں جاسکتی تھی، ورنہ وہ چلا کر ہی ٹیکسی ڈرائیور کو خبردار کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ بے بسی کے حامل میں پیچھے دیکھتے رہ گئے۔ اسی وقت ٹیکسی تیل کے پاس پہنچ گئی۔

اور پھر انہوں نے ٹیکسی کو پہنچے بلکہ رفتار سے چکاتے اور پھر آئٹھے دیکھا۔

"افوس۔ یہ مُرا ہوا۔" شوکی نے غم زدہ انداز میں کہا۔

" تو تم لوگوں کو تعاقب کروانے کی ضرورت کیا تھی؟  
جو شخص ہمیں پُر اسرار انداز میں کہیں لے جاتا ہے۔ ہم  
اس کا تعاقب ضرور کر دلتے ہیں۔"

" یہیں میری باری میں تم ناکام ہو گے۔ تعاقب جاری نہیں  
رہ سکا۔ لہذا اب تم لوگوں کے بارے میں کسی کو کوئی خبر نہیں  
لے گی۔"

" اوه! ان کے مذہبے نکلا۔

کار اب بھی بلا کی رفتار سے جا رہی تھی۔ آخر دو  
گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ایک پہاڑی علاقے میں داخل  
ہوئے۔ انہوں نے دیکھا۔ اونچی پہاڑیوں پر رائل بردار  
پہرے دار کھڑے تھے:

" یہ لوگ اتنی اونچائی پر کیوں کھڑے ہیں؟

" تاکہ کسی کو فراز نہ ہونے دیں۔"

" تو کیا۔ یہاں ہم جیسے اور لوگ بھی ہیں؟

" ان گنت؟"

" اوه۔ کیا یہ کوئی خرکار کمپ ہے؟"

" آخر تم نے اصل بات بوجھ ہی لی۔"

" اُن مالک۔ ہم خرکاروں کے چنگل میں پہن گئے۔ شوک  
کے مذہبے نکلا۔"

" ہاں! اب تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہنا ہو گا!"

" نیز۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اشفاق بولا۔

" کیا نہیں ہو سکتا؟"

" یہ کہ ہم یہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں۔ مرنے کے بعد  
تو تم لوگ ہمیں یہاں نہیں رکھ سکو گے۔"

" میری تھارے دشمن۔ تمہیں زندہ رہنا ہو گا۔ اس  
واڈی میں موت کو نہیں آنے دیا جاتا۔"

" کس قدر غلط بات کر رہے ہو تم۔ جلا موت کو کون  
روک سکتا ہے؟"

" مطلب یہ کہ اگر کوئی خود گشی کرنا چاہے۔ تو ہم  
اسے کامیاب نہیں ہونے دیتے۔"

" اور اگر کوئی فرار ہونا چاہے؟

" اسے فرار نہیں ہونے دیتے۔"

" کسی کو فرار ہوتے دیکھو تو تو؟

" تو اسے پکڑ لیتے ہیں؟"

" اگر کوئی تم لوگوں کی پہنچ سے بکر چلا جائے تو

کیا کرتے ہو؟"

" تب بھروسہ اسے گول کا نشاد بھنا دیا جاتا ہے۔"

" اسی نے کہا۔"

”گویا میں نے تمہاری یہ بات غلط ثابت کر دی کہ تم  
موت کو اس وادی سے دور رکھتے ہو؟“  
”اوہ؟ اس کے منزے سے نکلا۔  
اسی وقت اس نے کار کو بریک لگائے۔

## راضی خانم

انھوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا :

”آپ کے منزے سے یہ اوہ کس خوشی میں نکلا۔“  
”مع۔ معلوم ہوتا ہے۔ پھر کوئی واردات ہو گئی ہے۔“

وہ بڑا بڑا یا۔

”واردات۔ کیا مطلب۔ کیا یہاں بھی وارداتیں ہوتی رہتی

ہیں؟“  
”اگر یہاں نہ ہوتا تو عاصی طور پر تم لوگوں کو یہاں  
لائے کیا ضرورت تھی۔ تم سے زیادہ صحت مندوں  
آسانی سے پکڑ کر یہاں لائے جا سکتے تھے۔ اس نے کہ  
”بم سمجھے نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ شرک کے لئے  
میں حیرت تھی۔

”اگر تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھے تو پھر کہیں کہ  
حل کر سکتے ہو؟“

کرو گے۔ لہذا مطلب یہ کہ تم ہمیں ہرگز نہیں جانے دو گے،  
ہاں ہمارا دل ضرور خوش کر رہے ہو۔ آفتاب کہتا چلا گی۔

”تت۔ تم لوگ بہت چالاک ہو۔ اور شاید اسی وجہ سے سڑک  
نے تمھیں یہاں لانے کا حکم دیا تھا۔ ورنہ شہر میں ز جانے کتنے  
پڑا یویٹ جاسوس پڑے سڑ رہے ہیں۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔ اشفاق نے خوش ہو کر کہا۔

”یکن وہ بات سمجھیں نہیں آئی۔ کہ آج شاید چھریاں کوئی  
داردات ہو گئی ہے۔ اخلاق نے کہا۔

”او۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔“

وہ کار سے اُتر آئے۔ جانے کس طرف سے وہ ملک

آدمی نکل کر کار کی طرف آگئے۔

”اسے یہاں سے لے جاؤ۔“

”او کے سر“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

وہ کار میں بیٹھ کر ایک سمت میں چلے گئے۔

”تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔ اور ہاں جانے کی کوشش بے ہود  
ہو گی۔ پس ایک پر کھڑے پہنچے دار اس وقت تم لوگوں کو  
بھی زد میں لے چکے ہیں۔ اگر یقین نہیں تو اور پر دیکھو تو۔“  
انھوں نے ایک ساتھ اوپر دیکھا۔ واقعی۔ انھیں ان  
کی قدر پہلی اٹھنی انظر آئی۔

”لک۔ بیکس۔ ابھی تو آپ کہ رہے تھے۔ تم لوگ خرکار  
ہو اور یہ خرکاروں کا کیمپ ہے۔“ اشفاق کے مذہب سے نکلا۔  
”اور میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ بات یہی ہے۔ ہاں  
تم سے یہ مذاق ضرور کیا تھا کہ تم لوگ بھی یہاں ہمیشہ رہو گے۔  
”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں یہاں ہمیشہ نہیں  
رکھا جائے گا۔“

”یہی بات ہے، کیوں کہ تم یہاں کے کام کے نہیں۔  
یہاں بہت سخت کام لیا جاتا ہے۔ جب کہ تم بہت نازک قسم  
کے کام کرنے کے عادی ہو۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔ اخلاق جلدی سے بولا۔  
لہذا ہم نے یہی طے کیا ہے کہ کام لے کر تم لوگوں کو  
جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔“

”بھی کیوں ہمارا دل خوش کر رہے ہیں۔ ایسا تو نہ کریں۔  
آفتاب نے مذہب بنایا۔

”کیا مطلب۔ کیا نہ کروں۔“

”ہمیں یہاں تک لاتے ہوئے بماری آنکھوں پر کپڑا نہیں  
باندھا گیا۔ اب اگر تم لوگوں نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم کسی نہ  
کسی طرح واپس چلے جائیں گے اور پھر پوہیں کو اس کیمپ  
کی اخلاق دے دیں۔ لکھنے والوں نے تم سے تجھست پر پسند نہیں

"اور یہ رانفیں بہت طاقت ور ہیں۔ دو کلو میٹر تک مار کر تی  
ہیں۔ کار والے نے کہا۔  
"اب ہمیں اور ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم پہنچے ہی کافی  
ڈر پکھے ہیں۔ آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا اور کار والے  
اسے گھور کر رہا گیا۔

"تم لوگ تو کسی طرف سے بھی جا سوں نہیں لگتے۔ حرث  
بے۔ سڑار تھارے بارے میں اتنا پُر یقین کیوں تھا:  
"کسی ہے و توف نے دلا دیا ہو گا انھیں۔ آفتاب نے مر  
بنایا۔

"کیا دلا دیا ہو گا؟ کار والہ جراث ہو کر بولا  
یقین۔ اور کیا۔ آپ اتنا بھی نہیں بھختے۔  
"اچھا، اس۔ خاموش رہو۔ میں اپنا دماغ خالی خالی خسوں  
کرنے لگا ہوں۔"

"اوہ۔ تب تو آپ کو فوراً کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل  
کرنا چاہیں۔

ہمارے پاس ڈاکٹر بھی موجود ہیں۔  
کیا ڈاکٹروں کو بھی پکڑ کر لاستے ہیں?  
نہیں۔ انھیں باتفاق اعلان زکار بھاتا ہے، تھوڑا اتنی دن  
چلتی ہے کہ کسی اور بچکر دوسرے بھر کر نہیں کی سکتے۔ کار والے

نے کہا۔

اب وہ ایک گھری کھائی میں اتر رہے تھے۔ ایک طرف  
انھیں کچھ لوگوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا اور شود بلند ہو رہا تھا۔  
"معلوم ہوتا ہے۔ آج سردار کا پارہ گرم ہے۔" کار والہ  
بڑھا یا۔

"ہمیں تو آپ بھی سردار ہی لگ رہے ہیں۔"  
"میں نائب سردار ہوں۔ اس نے بھٹاکر کہا۔  
"اور آپ کا نام کیا ہے، جناب؟"

"ہاں! اب نام بھی سنن لو۔ میں راضی خانم ہوں۔"

"عجیب نام ہے۔ خیر ہمیں کیا۔ غریب سا ہوتا تب  
بھی تم کیا کر رہتے۔ آفتاب بولو۔  
اے۔ خروار۔ تم میرے نام کو عجیب اور غریب بتانے  
واسطے کون ہوتے ہوں؟ وہ عڑایا۔

چاروں سسم گئے۔ اور پھر وہ جمعے کے قریب پہنچ گئے۔  
"راضی خانم آگئے۔ ایک شور سا گونج۔ لوگ کافی کی طرح  
چھٹ گئے۔

وہ آگے بڑھے۔ لوگوں کے درمیان میں سرخ رنگ کا  
اور خوف ناک شکل والا بھئے پڑھے قد و قامت کا آدمی ہاتھ  
میں کھڑا ہیسے کھڑا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس ایک بچہ ہوشی

راضی - میری آگ ابھی ٹھنڈی نہیں ہوں آدمی فرار ہوا ہے۔  
میں پھر شروع ہو جاؤں گا۔" اس نگاہ دو۔ جہاں سے  
”لیکن یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی۔“  
کس جگہ سے ہو رہے ہیں۔ کیا اب بھی معلوم نہیں ہو سکتے  
راضی نے پریشان ہو کر کہا۔

”نہیں۔ اسی لیے تو ان لوگوں کو بلایا ہے۔“ اس نے  
شوکی کی طرف دیکھا۔

میں اُسی وقت بالم نے کراہ کر کروٹ لی اور پھر انہیں  
کھول دیا :

”تم ہوش میں آگئے بالم۔“

”ہاں آگئی۔“ اس نے بے خوف ہو کر کہا۔  
کیا خیال ہے۔ اب بھی بتاتے ہو یا نہیں۔“ سردار نے  
سرد آواز میں کہا۔

”نہیں سردار۔ جان تو نکل سکتا ہے۔ پر میں بتاؤں گا  
نہیں۔“ بالم کا لمحہ پر عزم تھا۔

سردار پھر بے تھاشا کوڑے بوسانے لگا۔ بالم کے منہ  
سے بخلنے والی چیزوں نے وادی کو لرزادیا۔ اور جلد ہی وہ  
پھر بے ہوش ہو گیا۔

”یوں کام نہیں چلتے گا۔“ اُو راضی۔ ان لوگوں کو بھی میرے

آدمی اونڈھا پڑتا تھا۔ اس کی کمر پر سے قمیں بالکل پھٹ گئی  
تھی۔ اور جگہ جگہ سے نون رس رہا تھا۔ نلاہر ہے۔ کمر پر  
کوڑے بوسائے گئے تھے۔

”تم آگئے راضی خام۔ ان لوگوں کو لے آئے۔ کسی نے  
تعاقب تو نہیں کیا۔“

”ایک میکسی نے تعاقب کیا تھا، لیکن میں نے تیل پھینک  
کر اسے آٹا دیا۔“ راضی خام نے کہا۔

”بہت خوب۔ لیکن ادھر بہت بڑا ہوا۔“

”کیا کوئی اور آدمی فرار ہو گیا؟“

”ہاں راضی۔ آج تو ایک بہت ابھی آدمی فرار ہو گی۔  
و۔ اس کو دیکھو۔ یہ کہ کہ سردار جھکا اور بے ہوش آدمی کو سر  
کے بالوں سے پکڑ کر نیزدھا کر دیا۔

”ارے۔ یہ تو بالم ہے۔“ راضی نے چونک کر کہا۔

”ہاں۔ کیا سمجھے؟“

”تو یہ آج پھر کامیاب ہو ہی گی اپنے دوست کو فرار  
کروانے میں؟“ راضی نے تملانے ہوئے لمحے میں کہا۔

”ہاں اشامی پورے کیمپ میں ایسی بھی نہیں ہے۔ اس  
نے جان پر کھیل کر اسے فرار ہونے میں مدد دی۔ اور اب مسکرا  
مسکرا کر کوڑے کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا، لیکن

آدمی اوندھا پڑا تھا۔ سے یہیں بے ہوش پڑا رہنے دو۔ سردار نے  
تھی۔ اور جگہ جگہ لے لگا۔

کوئی بوسان کے پیچے چلتے ایک خیسے میں داخل ہوئے۔  
سافی پڑا تھا۔ اس میں دس کے قریب آرام گزیاں بچھی  
تھیں۔ سردار کے اشارے پر وہ گزیوں پر بیٹھ گئے۔

تم نے انھیں صورتِ حال سمجھا دی راضی ہے۔ سردار نے پوچھا۔  
”نہیں سردار۔ آپ کی بدایت یہ تھی کہ ان لوگوں کو کچھ بتائے  
 بغیر یہاں تک لا لیا جائے۔“

”میرا مطلب ان کے دفتر میں کچھ بتانے سے تھا۔ کار میں  
تو تم بات کرہی سکتے تھے۔ نیزاب بات میں کروں گا۔  
سُنے بھی۔“ تم نے ابھی جس جگہ بے ہوش آدمی کو دیکھا۔ اور  
جس پر میں نے کوئی برسائے۔ اس کا نام بالتم ہے۔ یہ  
بدبخت۔ اس وقت تک تیس آدمیوں کو فرار ہونے میں مدد  
دے چکا ہے، یہیں ہم ابھی تک اس ذریعے کا پتا نہیں چلا  
سکے۔ جس سے یہ انھیں فرار میں مدد دیتا ہے۔ تم لوگ جاؤں  
ہو۔ ابھی لیلے بلائے گئے ہو۔ بس مجھے اتنا سراغ لگا دو کہ  
بالتم کی مدد سے ہمارے شکار کس راستے سے فرار ہو رہے ہیں۔  
ایک آدمی روز فرار ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا چلا گیا۔  
”اور یہ سلسہ کتنے دنوں سے جاری ہے؟“

”پورا ایک ماہ ہو چلا ہے۔ آج تیسواں آدمی فرار ہوا ہے۔  
ہم یہ چاہتے ہیں۔ تم لوگ اس جگہ کا سراغ لگا دو۔ جہاں سے  
لوگ فرار ہو رہے ہیں۔ اور مذہب انگلہ انعام پا لو۔“  
”معاوضہ یہیں ان سے طے کر چکا ہوں سردار۔“ راضی نے  
جلدی سے کہا۔

”کم از کم میں ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپے۔  
یہیں جناب۔ ہم یہ معاوضہ یہیں گے کس سے۔“ آفتاب نے  
ہڑا سامنہ بنایا۔

”مujھ سے۔ میں دون گناہ۔ اس نے پیسے پر ہاتھ مارا۔  
یہیں آپ نہیں یہاں سے جانے کیوں دیں گے۔  
ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم لوگ یہاں سے واپس نہیں جا سکو  
گے۔ معاوضہ تمہارے والدین کو ادا کر دیا جائے گا۔ بے فکر  
رہو۔“ اس نے کہا۔

”یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟ اخلاق کا رنگ اڑا گیا۔  
راضی کو پاہی سے تھا۔ تمہاری آنکھوں پر پٹی ہاندھ کر  
لاتا، یہیں یہ تم لوگوں کو اسی طرح لے آیا۔ اب اگر ہم نے  
تم لوگوں کو آزاد کر دیا تو تم فوراً پولیس کو یہاں لے کوئے  
یہاں آئنے کا راستا بڑا ہی پیدا ہے، یہیں ہو سکتا ہے۔“ تھیں

یاد رہ جائے۔ اس لیے تم لوگوں کو اب بیس رہنا ہو گا۔ ہاں تھارے والدین کو معاوضہ ضرور مل جائے گا۔ بے فکر رہو۔

” بے فکر رکھنے کا یہ اچھا طریقہ ہے۔ آفتاب نے جل بھن کر گما۔

” کیا کیا جائے بھئی۔ مجبوری ہے۔ اب طریقہ کار سنو۔ شاید تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ تھارا کیا جاتا ہے۔ تم سُراغ نہیں لگاؤ گے۔ تو میرے پیارو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تھیں سُراغ لگانا ہو گا۔ بلکہ تھارے فرشتے بھی سُراغ لگائیں گے۔

” تب پھر آپ کو چاہیے تھا۔ ہمارے فرشتوں کو ہی یہاں لے آتے۔ آفتاب بولا۔

” انہوں نے تھارے بغیر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ” راضی خامم ہنسا۔

” ہاں تو میں طریقہ بتا رہا تھا۔ صحیح سویرے تم کام شروع کرو گے۔ آج رات کیمپ میں سماں رہو گے۔ کل سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اگر تم سُراغ نہ لگا سکے تو تمیں صرف دس دس کوڑے لگائے جائیں گے، پھر دوسرے دن مہلت دی جائے گی اگر اس روز بھی ناکام رہے تو میں میں کوڑے مارے جائیں گے۔ اس طرح اگلے دن تیس تیس اور پھر چالیس چالیس اور پھر۔۔۔

” بس کیجیے جناب۔ ہم سمجھ گئے۔ شوکی نے روز کر کما۔

” اچھا ہی ہے کہ سمجھ گئے۔ سردار مسکرا یا۔

” ہمیں سُراغ لگانے کے لیے مٹر بالم سے گفت گو کرنا ہو گی۔ پورے کیمپ کا جائزہ لینا ہو گا۔ یہ کتنے رقبے میں چیلا کر گما۔

” ہوا ہے؟

” ایک مریع کلویٹر میں تو ضرور ہو گا۔ اس کے گرد خاردار تاریں لگی ہیں۔ وہ اس قدر اوپنجی ہیں کہ ان پر چڑھو کر دوسرا طرف آترنا آسان کام نہیں اور پھر پھاڑیوں پر کھڑے پھردار ہر وقت چاروں طرف نظر رکھتے ہیں۔ رات کو سرچ لائٹ پھکراتی رہتی ہے، لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ جب بھی کوئی فرار ہوا ہے۔ رات کے وقت ہی ہوا ہے۔ اور اس کا پتا لگتا ہے۔ دن کے وقت۔

” کیوں۔ دن کے وقت کیوں؟

” سب کی حاضری صحیح شام دونوں وقت لگتی ہے۔ آج جب صحیح حاضری لی گئی تو بالم کا دوست شامی غائب پایا گیا۔ جب بالم سے پوچھا گیا تو وہ قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا۔ اب تم لوگ شامی کو نہیں پاسکو گے۔ اور پھر اس نے بتایا کہ یہ سارا پچھر اسی کا چلایا ہوا ہے۔

” اور آپ نے بتایا تھا۔ اس وقت تک تیس آدمی فرار ہو

پکے ہیں؛ شوکی کے لجھے میں بلا کی جھرت درائی۔  
”ہاں کیوں۔ کیا بات ہے؟“

”یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تیس آدمی فرار ہو پکے ہیں اور ان میں سے ایک بھی پولیس کو لے کر یہاں نہیں پہنچا۔ اور آپ لوگ بھی اطمینان سے بیٹھے ہیں۔“ شوکی کی آنکھوں میں بے پناہ امتحن نظر آ رہی تھی۔

”ہاں؛ ہمیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وجدہ اس کی یہ ہے کہ رات کے وقت یہاں سے فرار ہونے والا بُری طرح بدھواں ہوتا ہے۔ اس کی توبس ایک کوشش ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح یہاں سے دُور بہت دُور بکل جائے۔“

اس حالت میں وہ راستے کی طرف دھیان کسی طرح دے سکتا ہے۔ وہ تو انداخہ دھنڈ بھاگتا چلا جاتا ہے۔ اور جب کسی دُکسی طرح اپنے گھر پہنچتا ہے تو اسے یہ یاد نہیں رہ جاتا کہ وہ کہاں کہاں سے ہو کر آیا ہے۔ پھر اگر وہ پولیس کو لے کر کیکپ کی تلاش میں نکلتا ہے تو بھی یہاں تک نہیں پہنچ پاتا۔ دیسے بھی کیکپ کا راستا حد درجے پیچیدہ ہے۔ اس لیے ان میں میں سے کوئی یہاں تک پولیس کو لے کر نہیں پہنچ سکا۔ کئی ایک تو پولیس کے پاس لگتے بھی نہیں ہوں گے۔“ سردار نے کہا۔

”ہوں۔ ہم سمجھ گئے۔ آپ کی بے خوفی کی وجہ کیا ہے۔  
کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمیں بھی رات کے وقت یہاں سے جانے دیا جائے؟“

”نہیں۔ تم لوگ ذہین ہو۔ اور ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم راستے کو یاد نہ رکھ لو۔ پہلے بھی راضی غلطی کر چکا ہے جو تمہاری آنکھوں پر پتی باندھ کر یہاں نہیں لا لایا۔“

”یہاں ان لوگوں سے کام کیا لیا جاتا ہے؟“  
”پھر تڑادے جاتے ہیں۔ جس سوچ نکلنے سے کام شروع اور سوچ عذوب ہونے پر کام بند۔ درمیان میں ایک گھنٹا کھانے کی چھٹی۔ دوپھر کو کھانا دیا جاتا ہے اور رات کو بھی۔“  
”اور بس۔ اس کے علاوہ اور کچھ۔“

”اگر کوئی بھاگنے کی کوشش کرتا ہوا پکڑا جائے تو پندرہ دن تک اسے صرف ایک وقت کھانا دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ڈرویز بدر پکڑا جائے تو ایک ماہ تک ایک وقت کھانا۔ اسی طرح۔ معاملہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔“

”ہوں۔ آخر آپ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ تنخواہ پر ملازم رکھ کر جائز طریقے سے یہ کام کیوں نہیں کرتے؟“ شوکی نے امتحن کے عالم میں کہا۔  
”مرد۔ تم عقل سے پیدل تو نہیں ہو۔“ راضی خامنے کہا۔

" نہیں ۔ ابھی تک تو یہ بات نہیں کہی جا سکتی ۔ ہاں ۔  
یہاں رہنے کے بعد شاید ہو جائیں ۔"  
سیکڑوں لوگوں کو تنخواہ نہیں دینا پڑتی ۔ انھیں روکھی  
مولکی روٹی پر ٹرفا دیا جاتا ہے ۔ اس طرح بچت ہی بچت ہے ۔  
لیکن اس بچت کو آپ لوگ کیا کریں گے ۔ کیا قبروں  
میں ساتھ لے کر جائیں گے ۔ اشناق نے جمل کر کہا ۔  
" بکو مت ۔ ہمارا ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ۔"

" موت بھی کے ارادوں کی پابند نہیں ۔ " شوکی نے کہا ۔  
" راضی ۔ تم ان لوگوں کو ان کا خیر دکھادو ۔ اور ایک  
نگران ان کے سروں پر بٹھا دو ۔ اس نگران کو ہدایت کر  
دینا کہ یہ جہاں بھی اور جس کے پاس بھی جانا چاہیں ۔ لے  
جائے ۔ لیکن انھیں نظروں سے لوجہل ہرگز نہ ہونے دے ۔"  
تفیش کے دوران بھی ہم اخلاق نے پوچھا ۔

" ہاں ۔ تم دوسروں سے جو بھی لگفت گو کر دے گے ، نگران  
کی موجودگی میں کرو گے ۔ " سردار بولا ۔

" تب تو ہم لگا چکے سُراغ ۔ " شوکی نے جرا سامنہ بنایا ۔  
لیکا مطلب ہے ۔

" نگران اگر ہمارے سروں پر مسلط رہا ۔ تو ہم کچھ بھی معلوم  
نہیں کر سکیں گے ۔ اگر وہ کچھ فاصلے پر موجود رہے تو ہم بہت

جلد کا میاب ہو جائیں گے ۔"  
" خیر یوں ہی سی ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ " اس نے کہا ۔  
وہ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ راضی خانم انھیں ان کے نیچے  
میں لے آیا ۔ یہ چھوٹا سا تھا اور ان چاروں کے لیے ناکافی  
بھی ، لیکن وہ کہہ کیا سکتے تھے ۔  
" میں ایک بات جان چکا ہوں ۔ کیا آپ ہمیں کچھ بتائیں گے ؟  
شوکی بولا ۔

" میں جاسوس نہیں ۔ نائب سردار ہوں ۔"  
" تو پھر سردار کی جگہ کب لے رہے ہیں ؟ " شوکی مسکرا دیا ۔  
" کیا ۔ کیا مطلب ہے ؟ راضی خانم زور سے اچھلا ۔ اس کی آنکھیں  
حیرت اور خوف سے پھیل گئیں ۔



چند لمحے وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھوٹتا رہا ۔  
آخر بولا :

" سڑک شوکی ۔ تم نے یہ کیا کہا ۔ "

" میں نے اس دوران تھارے اندر جھانک کر دیکھ لیا  
ہے ۔ " شوکی بولا ۔

"جب کہ میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں۔" شوکی مسکرا یا۔

"کیا؟ راضی خانم اچھل پڑا۔"

"ہاں! میں اس بات کو ثابت کر سکتا ہوں، لیکن تمہارے سامنے نہیں۔ سردار کے سامنے۔"

"اب تم سردار کے سامنے نہیں جا سکو گے۔"

ان الغاذ کے ساتھ ہی چاقو کی کڑا کڑا ہٹ گونج آئی۔  
آن کے روپنگئے کھڑے ہو گئے۔

"کیا مطلب؟" شوکی نے کانپتی آواز میں کہا۔

"وہ وقت نہیں آئے گا۔ جب تم سردار کو یہ بات بتائیں ہو گے۔ میں تمیں ابھی موت کے گھاث اتارے دیتا ہوں۔"

"لیکن۔ تم سردار سے کیا کو گے؟"

"یہ کہ تم چاروں اچانک جھو پر ٹوٹ پڑتے اور خود کو بچانے کے لیے مجھے چاقو نکالنا پڑے گیا۔"

"اور کیا سردار تمہاری بات پر یقین کر لے گا؟"

"اسے یقین کرنا ہی ہو گا۔" اس نے مضبوط لمحے میں کہا۔

"اور فزاد کے ذریعے کام سُرانغ کس سے لگاؤ گے۔" شوکی نے طنزیہ لمحے میں کہا۔

"کسی اور کو پکڑ لاؤں گا۔ یہ کام میرے لیے فرا بھی مشکل نہیں ہو گا۔" اس نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

"اور تم نے میرے اندر کیا دیکھا؟"

"مزاد بننے کی خواہش بُری طرح پنپ رہی ہے۔"

"بکواس۔ جھوٹ۔"

نیز۔ مجھے ضرورت بھی نہیں اس بات کو ثابت کرنے کی۔  
شوکی بولا۔

"آخر تم نے یہ اندازہ کیں بنا پر لگایا؟"

"تم جانتے کے لیے کیوں بے چین ہو۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شوکی نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی بات جانتے کے لیے بے چین ہونا قدر تی بات ہے۔"

"کیا سردار کو تم پر پورا پورا اعتماد ہے؟"

"ہاں باصل۔ وہ مجھ پر شک کر ہی نہیں سکتے۔"

"کیوں۔ ایسی کیا بات ہے؟ اخلاق کے لمحے میں یہ رت در آئی۔"

"اس لیے کہ میں سردار کا بیٹا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔"

"تب تو مجھے اور بھی یہ رت ہے۔" شوکی نے کہا۔

"اور بھی یہ رت کیوں؟"

"بیٹا ہو کر تم باپ کی جگہ لینے پر تسلی ہو۔"

"میں کہ چکا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ایک بات اور رہی جاتی ہے۔ اخلاق نے جلدی سے کہا۔  
"وہ کیا؟"

"یہ کہ سردار کو بھی آپ پر شک ہے۔ اخلاق نے کہا۔  
"نہ۔ نہیں۔" وہ زور سے کانپا۔

"میں یہ بات یقین سے کہ سکتا ہوں۔"  
"وہ کیسے۔ ذرا ہم بھی تو سئیں۔"

"مجھے میں جب کسی نے کہا تھا کہ راضی خانم آگئے تو یہ  
الفاظ سُستہ ہی سردار کے چہرے پر ناخوش گوار آثار نظر آتے  
تھے، حالانکہ ہر باپ اپنی اولاد کی آمد کی خبر سن کر خوش ہوتا  
ہے۔"

"بس۔ تم اسے ثبوت کھتے ہو۔ راضی خانم ہے۔

"اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو، تم ایک بہت پُختہ ثبوت بھی دے  
سکتے ہیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"اپنے کارروں کو غور سے دیکھو۔ ان میں جو بُن آپر  
کی طرف لگے ہوئے ہیں۔ وہ دراصل بُن نہیں ہیں۔ آواز  
پکھ کرنے کے انتہائی طاقت ور آئے ہیں اور ان کے ذریعے  
سے سردار اپنے خیجے میں یہاں ہونے والی گفتگو بھی سُن  
رہے ہیں۔ اگر سردار کو تم پر شک نہیں تو پھر انھوں نے یہ

جدید ترین انتظام کیوں کیا۔"  
"نہ۔ نہیں۔ نہیں۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

آسی وقت ایک آواز اُبھری:

"یہ لوگ ٹھیک کر رہے ہیں راضی۔ خیسہ اب میرے آدمیوں  
کے گھرے میں ہے۔ ہاتھ اور پٹھانے باہر نکل آؤ۔ اور چاقو  
گرا دو۔" باہر سے سردار کی آواز سُنانی دی۔  
راضی خانم کا رُنگ اڈ گیا۔ بدن میں تھر تھری دوڑ گئی۔  
چاقو ہاتھ سے نہکل گیا۔ اور پھر اس کے قدم خیجے سے باہر کی  
طرف اٹھنے لگے۔

## کان ادھر لائیں

وہ نیسے میں ساکت کھڑے رہ گئے، پھر سردار کی آواز  
اہمی:

”تم چاروں بھی باہر نکل آؤ۔“

وہ ڈرتے گھراتے باہر نکل آئے۔ سردار کے چہرے پر  
غصتے کی بجائے مسکراہٹ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔

”بہت خوب۔ میں تم لوگوں کو اتنا عقل مند خیال نہیں  
کرتا تھا۔“

”تت۔ تو پھر کتنا عقل مند خیال کرتے تھے جناب؟“  
”میں کافی دنوں سے راضی کی حرکات اور سکنات کا جائزہ  
لے رہا ہوں۔ یہ کسی نہ کسی طرح مجھے موت کے گھاٹ آتا نہیں  
کی نظر میں تھا، لیکن تم لوگوں نے بدھی اس بات کو نظاہر  
کر دیا۔ درمیں ابھی کچھ دن اور اس کی نگرانی کرتا۔“

انہوں نے بیکاری پر چار کامی راضی کو رسیدوں سے بُری طرح

بگڑ رہے تھے اور اس کا چہرہ اب بالکل تاریک ہو چلا تھا۔  
”کل سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی راضی کو پھانسی دے  
دی جائے گ۔ اس کا پوری طرح دھیان رکھنا۔“

”یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ تو آپ کا بیٹا ہے۔“  
شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”بیٹا ہے تو کیا ہوا۔ ہے تو غدار۔ اور غدار کی اس یکپی میں  
یہی سزا ہے، اس سے پہلے بھی غداری کرنے والوں کو موت  
کی سزا ہو چکی ہے۔ اب اگر میں نے اسے یہ سزا نہ دی تو  
دوسرے کیا کہیں گے؟“

”ہوں۔ اس قدر بُرا کام کرنے کے باوجود آپ با اصول  
ہیں، یہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔“

”بُرا کام۔ تو تم اسے بُرا کام کر رہے ہو۔ اتنے پے شمار  
لوگوں کو میں دو وقت روٹی دیتا ہوں۔“

”لیکن یہ لوگ اپنے گھروں سے دور ہیں۔ ان کے ماں  
باپ، بہن بھائی۔ بیوی بچے ہیں آخر۔ ان کے دلوں پر کیا  
گزرتی ہو گی؟“

”ایسی باتیں میں کبھی نہیں سوچتا۔“

”شاید اسی لیے قدرت بھی آپ سے آپ کا بیٹا چھین رہی ہے،  
ذرا اس پہلو پر بھی غدر کر لیں۔“

"اوہ" سردار دھک سے رہ گیا۔

پہنچ لمحے تک ملکلی باندھے دیکھتا رہا، پھر سر جھٹک کر بولا:

"اوہ۔ نہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ تم لوگوں کی بُنگرانی سُرخا کرے گا۔" اس نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

"میں حاضر ہوں جناب" ایک زرد رنگ کا آدمی آگے آ گیا۔

"نام سُرخا اور رنگ زرد"

"ہاں! یہاں ایسے ہی نام رکھے جاتے ہیں۔ سُنوبھئی۔" ان کی پوری طرح بُنگرانی کی جائے گی۔ یہ جہاں بھی جانا چاہیں، جا سکتے ہیں۔ جس سے ملنا یا بات کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔

کوئی روک ٹوک نہیں، گویا یہ پوری طرح آزاد، میں"

"آپ کا مطلب ہے۔ اگر یہ لوگ کمپ سے باہر جانا چاہیں تو کیا میں انھیں باہر بھی جانے دوں؟"

"نہیں احمد۔ یہاں جو کام بھی ہوتا ہے۔ کمپ کے اندر ہوتا ہے۔"

"اوہ کے سر۔ آپ غفران کریں۔"

"دوسرے یہ کہ یہ لوگ بہت پالاک ہیں۔ کہیں تم سے کوئی چال نہ چل جائیں۔"

"ان کے فرشتے بھی نہیں چل سکتے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"لے چلو اسے زندان کی طرف۔" سردار نے ان سے کہا جنھوں نے راضی خانم کو پکڑ رکھا تھا۔

وہ انھیں جانتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے او جمل ہو گئے تو سُرخا بولا:

"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"ہم ابھی اور اسی وقت اپنا کام شروع کر رہے ہیں۔"

آرام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اگر کل سورج غروب ہونے تک سُراغ دلگا کسے تو دس دس کوڑے کھانا پڑیں گے۔ اور ہماری جان تو ایک ایک کوڑے سے نکل جائے گی۔ باقی نو نو کوڑوں کا ہم کیا کریں گے؟"

"کس چیز کا سُراغ؟"

"قیدی کس ذریعے سے فرار ہو رہے ہیں۔ ہمیں اس ذریعے کا سُراغ لگانا ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ بہت پریشان کُن مسلّہ ہے۔" سُرخا بولا۔

"لک۔ کہیں اس کام میں راضی خانم کا ہاتھ تو نہیں ہے۔" اخلاق نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں۔ اس کام میں اس کا ہاتھ تو ہرگز نہیں ہو سکتا، وہ سردار بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے لیے قیدیوں کو فرار میں مدد دینے کا کیا فائدہ۔" شوکی نے کہا۔

"ہوں۔ یہ بات بھی صحیح ہے۔"

"مطہر سرفرا۔ آپ ہمیں ذرا بالم کے پاس لے چلیں۔"

"بالم۔ وہ جس نے اپنے دوست شامی کو فرار ہونے میں مدد دی ہے اور اس سے پہلے بھی لوگوں کو فرار ہونے میں مدد دے چکا ہے۔"

"ہاں۔ مُوہری۔"

"کیوں نہ تم لوگ رات کے وقت آرام کرو۔ صبح جہاں چاہو گے، لے چلوں گا۔"

"ہم وقت ضائع کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ صبح تک تو شاید، ہم اس ذریعے کا سُراغ لگائیں گے۔"

"اوہ اچھا۔ چلو۔ میں لے چلتا ہوں۔"

"آخر تھیں پریشانی کیا ہے مطہر سرخ؟"

"اور تو کوئی نہیں۔ میں ذرا رات کے وقت جائے گا کہ عادی نہیں ہوں۔"

"تم ہمیں بالم کے خیمے تک پہنچا دو۔ اس کے بعد سو جانا۔ اشFAQ نے مسکرا کر کہا۔"

"یہی تو مشکل ہے۔ اب میں سوکھ طرح سکتا ہوں۔"

"ہماری طرف سے آپ بے نظر ہیں۔ فرار ہونے کی کوشش کم از کم آج رات نہیں کریں گے۔ شوکی نے مسکرا کر کہا۔"

"ادھر ادھر کی رہاں گو۔ میں ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"آپ کی مرضی۔ چلیے۔ ہمیں اسی وقت بالم سے ملانا ہے۔"

"چلو۔" اس نے بھٹکا کر کہا۔

وہ ایک سمت میں چل پڑے۔ یکمپ اب تاریکی کی پیٹ میں تھا۔ کیسی بھی روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔

"کیا یکمپ میں لاٹیں دیگرہ نہیں جلانی جائیں؟"

"نہیں۔ رات ہونے کے بعد بس سو جانے کا حکم ہے۔ اس لیے روشنی کی ضرورت نہیں۔ ہاں۔ یکمپ کے چاروں طرف نظر رکھنے کے لیے سرچ لائٹ ضرور روشن کی جاتی ہے، لیکن اس کی روشنی یکمپ کے اندر نہیں آتی۔"

"ہم اندر ہرے میں راستا تو نہیں بھٹک جائیں گے۔"

"نہیں۔ تم آج ہی آئے ہو نا۔ اس لیے یہ بات کر رہے ہوئے اور زمین میں تو آنکھیں بند کر کے چل سکتا ہوں۔"

"اوہ ہو اچھا۔ ذرا چل کر دکھائیں۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"بھی نہیں شکری۔ مجھے پوری طرح ہو شیار رہنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ ادھر میں آنکھیں بند کر دوں اور ادھر تم لوگ مجھے کسی کھاتی میں دھیکل دو۔ ذباہا۔"

"جب تک ہم مطہر بالم سے نہیں مل لیتے۔ اس وقت تک

اطلاع دیتا۔ نیر۔ آپ یوں کریں کہ دوڑ کر سردار صاحب  
کے پوچھ آئیں۔

”میں ڈیوٹی چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔“

”تو کیا آپ چوبیس لمحتے ہماری نگرانی کریں گے؟“

”نہیں۔ بعض دوسرا آدمی ڈیوٹی پر آجائے گا۔ دات کو  
پھر یہ مردی ڈیوٹی ہو گی۔“

”خیر۔ تم آپ کے ساتھ سردار تک پلیں گے۔ یہ تو ہو  
سکتا ہے نا۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“

”مرٹر بالم۔ آپ سونہ جائیں گا۔ ہم جلد لوٹیں گے۔“

”آپ۔ آپ لوگ کون ہیں؟“

”اگر بتاتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ اس نے کہا۔“

وہ باہر نکل کر پھر سرخے کے ساتھ قدم آٹھانے لگے۔  
اور آخر سردار کے خیمے تک پہنچ گئے۔ دوسرا بھی لمحے ان کے  
کان کھڑے ہو گئے۔ اشستھ قدم رک گئے۔ انہوں نے کان  
لگا کر ٹھنا۔ اندر سے سیکھوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ حیرت زده رہ گئے۔ ایسے میں سرخے نے کہا:

”سردار سے کیا ہم اندر آسکتے ہیں؟“

پکھ نہیں کریں گے۔

”مجھے اس سے کیا۔“ اس نے کندھے اچھائے۔

آخر پانچ منٹ بعد وہ ایک نیچے کے دروازے پر پہنچے۔

”مرٹر بالم۔ یہ لوگ تم سے ملا چاہتے ہیں۔“

”مم مجھ سے۔ ملا چاہتے ہیں۔ لگ۔ کون۔ کون لوگ۔“

اندر سے بوکھلا کر کہا گیا۔

”اوہ بھئی۔ اندر آ جاؤ۔“ اس نے کہا۔

اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ اندر سے میں بالم انھیں ایک

سایہ سانظر آیا۔ وہ نیچے کی زمین پر اونڈھے مزیدہ ہوا تھا۔

کمر کے بلیٹ بھی کس طرح سکتا تھا۔ کمر تو بے چاری زخمی تھی۔

”کیا ڈاکٹر آپ کے زخموں پر پہنچ کر چکا ہے۔“

”زخموں پر پہنچی۔ کیا بات کہی ہے۔ یہاں اتنا رحم کس

میں ہے۔“ بالم بولا۔

”مرٹر سرخے۔ آپ ذرا فاصلے پر چلے جائیں۔ ہم ان

سے علیحدگی میں بات کریں گے۔“

”مجھے ایسی کوئی ہدایت نہیں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”اوہ ہاں۔ یہ ہدایات تو راضی خانم کو دی گئی تھیں۔ اور

راضی خانم کو آپ کی ڈیوٹی ہمارے ساتھ لگانے سے پہلے، ہی

گرفتار کر لیا گیا۔ ظاہر ہے۔ وہ بے چارہ آپ کو کس طرح

"اوہ سرخے تم۔ ہاں آ جاؤ۔ کیا بات ہے؟" سردار کی آواز گونجی۔ ساتھ ہی سکیاں رُک گئیں۔

"میرے ساتھ یہ چاروں ہیں؟"

"کوئی ہرج نہیں۔ اندہ آ جاؤ۔"

پانچوں اندر داخل ہوئے۔

"سردار۔ یہ آپ رہ رہے تھے؟"

"ہاں؛ مجھے جوان بیٹے کی موت نے ٹُلا دیا ہے۔ آخر کل راضی خانم کو پھانسی دے دی جائے گی۔"

"آپ اپنا فیصلہ واپس لے سکتے ہیں سر۔"

"نہیں سرخے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں۔ تم لوگ کیسے آئے؟"

"آپ نے اسے یہ ہدایات نہیں دیں کہ جب ہم کسی سے

گفت گزرنے لگیں تو یہ دہان سے قدرے فاصلے پر چلا جائے۔"

"ہاں سرخے۔ یہ صحیک ہے۔ میں تمہارے لیے یہ ہدایات

راضی کو دے چکا تھا۔"

"شکریہ سردار۔" اس نے کہا، پھر ان کی طرف مڑا۔

"اوہ جھنچی چلیں۔"

وہ نیچے سے نکلے ہی تھے کہ سکیاں پھر گونجنے لگیں،

انہیں عجیب سا احساس ہونے لگا۔ نیچے سے دُور ہونے کے

ساتھ ساتھ سکیوں کی آواز ماند پڑتی چلی گئی۔

"سردار بھی عجیب ہے۔ خود ہی بیٹے کو پھانسی دے رہا ہے، وہ خود ہی رو رہا ہے۔" سرخے نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"اصول اسی کا نام ہے۔ ہم تو چران ہیں۔ اس بے رحم سر زمین میں اصول کہاں سے ٹپک پڑا؟"

"بے رحم آدمی بھی با اصول ہو سکتا ہے۔" سرخا بولا۔

"لیکن اس کے اصول اسے رحم دلی کا بعن بھی تو دیتے ہوں گے۔" افلاق نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"پتا نہیں۔ یہ تو سردار کو ہی معلوم ہو گا۔" سرخے نے کندھے اچکائے۔

ایک بار پھر وہ بالم کے نیچے میں پہنچے۔ لاٹھیں روشن کی گئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا:

"اوہ۔ تم لوگ آگئے۔ معاملہ کیا ہے؟"

"ابھی بتاتے ہیں۔ مژہ سرخے۔ آپ اتنی دُور پلے جائیں کہ آپ ہماری آواز نہ سن سکیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اگرچہ یہ بات مجھے پسند نہیں آئی۔"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ آپ کو کیا بات پسند آتی ہے اور کیا ناپسند۔ ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔ اشراق نے مذہب بنایا۔"

سرخا دُور چلا گیا۔

"ہاں مژہ بالم۔ پچ پچ بتا دیں۔" شوکی نے سخت بجھے

میں کہا۔ ساختہ، سی اس نے جیب سے کاغذ قلم نکال لیا۔ اور  
کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔

"کیا مطلب۔ کیا بتا دوں پچ پچ۔"

"اس راستے کے بارے میں جس سے قیدی فرار ہوتے ہیں۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ یہ بات تو مجھ سے سردار بھی

نہیں اگلوں سکا۔" اس نے بھتنا کر کہا۔

"معاف کیجیے گا۔ آپ غصے میں آگئے۔ ہم آپ سے اگلا  
نہیں، صرف پُرچھنے آئے ہیں۔ وہ بھی اس لیے کہ اس میں آپ  
کا، سی فائدہ ہے۔"

"میرا فائدہ۔ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"آپ کا سے مطلب ہے۔ اس کیمپ کے تمام قیدیوں کا۔  
شوکی نے جلدی سے کہا۔

"آئے ہو تم سردار کی طرف سے۔ اور بات کر رہے ہو،  
قیدیوں کی ہمدردی کی۔ یہ کس قدر عجیب سی بات ہے۔"

"عجیب ہے، لیکن غریب تو نہیں ہے۔ آفتاب نے مذہبنا یا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ہمیں یہاں زبردستی لایا گیا ہے۔ ہم پرائیویٹ جاسوس ہیں۔  
شوکی نے رازدار انداز میں کہا۔

"پرائیویٹ جاسوس اور تم۔ کیوں مذاق کرتے ہو۔" اس

کے لمحے میں حیرت در آئی۔

"مذاق تو آپ کر رہے ہیں۔ اخلاق نے مذہبنا یا۔"

"میں نے اتنے اتنے سے جاسوس بھی نہیں دیکھے۔"

"تو پھر کتنے لکنے سے جاسوس دیکھے ہیں۔ پچھے یہ بتائیں۔"

اشفاق نے اسے تیز نظرؤں سے دیکھا۔

"ہاں! یہ بھی شیک ہے۔ میں نے تو کسی بھی قسم کے

جاسوس نہیں دیکھے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ اب بات آپ کی سمجھ میں آ

گئی ہو گی۔ ہمیں یہاں زبردستی لایا گیا ہے۔ تاکہ ہم اس

راستے کا سڑاگ گائیں۔ جس سے قیدی فرار ہو رہے ہیں۔"

"اس راستے کا میرے سوا کسی کو علم نہیں۔ میں نے ہی

وہ راستا بنایا ہے۔ اور یہ پختہ ارادہ کر رکھا ہے کہ جب تک تمام

قیدی فرار نہیں ہو جاتے، اس وقت تک خود فرار نہیں ہوں

گا، کیوں کہ میں فرار ہو گی تو باقی لوگوں کو راستا کون بتائے گا؟"

"بعنی واد۔ آپ کا جذبہ قابل قدر ہے۔"

"اسی لیے میں کہتا ہوں۔ مجھ سے اس راستے کے بارے

میں نہ پوچھو۔"

"آپ نے ایک پہلو پر خود نہیں کیا۔" شوکی نے فکر منداز

انداز میں کہا۔

جو آپ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے گے۔ آپ ہمیں دیتا تھیں۔ یہی مناسب رہے گا، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کوئی ایسی ترکیب سوچیں کہ تمام قیدی ایک ہی بار فزاد ہو جائیں۔ اس طرح تو ان لوگوں کو ایک مدت گزر جائے گی۔

”ہاں! میں اس پہلو پر مسلسل سوچ رہا ہوں۔ لیکن کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی۔“

”کاش۔ آپ ساری بات ہمارے سامنے رکھ دیتے۔ اس صورت میں ہم شاید کوئی ترکیب سوچ سکتے۔“

”نہیں۔ میں تمہیں ساری بات نہیں بتا سکتا۔ بہر حال تم لوگ سردار کی طرف سے آئے ہو۔“ اس نے مذہباً کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اُو بھی چلیں۔“

”وہ آٹھ کھڑے ہوئے۔ بالم انھیں خیسے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر اچانک اس کی آواز آہری:

”ظہرو بھی۔ ایک منٹ۔“

”وہ اس کی طرف متڑے اور اس کے چہرے پر نظری دوڑائیں:“

”ذہ جانے کیا بات ہے۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ تم لوگوں پر اعتبار کر لوں۔“

”کون سا پہلو۔ اب مجھے کسی اور الجھن میں مبتلا کرنے کا پروگرام ہے کیا؟“ ”وہ بڑا بڑا یا۔“

”نہیں۔ ہم تو آپ کی الجھنیں دود کرنا چاہتے ہیں۔ بشرطیک آپ ہمارا ساتھ دیں۔ ساتھ نہ دیا تو یہ ہم سب کی بد قسمتی ہو گی، لیکن کہ اب ہم بھی یہاں قیدی ہی ہیں۔ اور اگر راستے کا سراغ نہ لگا سکے تو پھر ہم بھی پتھر توڑتے نظر آئیں گے۔“

”خیر۔ پہلے اس پہلو پر بات ہو جائے۔“

”سردار جانتا ہے کہ اس راستے کے بارے میں صرف آپ کو معلوم ہے۔ اسی لیے کوئی صرف آپ پر بڑے ہیں۔ اگر اس نے غصتے میں آکر کسی دن آپ کو ختم کر دیا تو پھر باقی قیدیوں کا یہ بنتے گا۔“

شوک کی بات مبن کر بالم مسکرا یا اور پھر بولا:

”میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔“

”اور وہ کیا تھا؟“

”میں نے اپنے ایک بہت ہی با اعتماد ساتھی کو راستے کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اور اگر مجھے ختم کر دیا گی تو سب سے پہلے وہ کام کرے گا کہ ایک تیرے با اعتماد ساتھی کو راز بتائے گا۔ اس کے بعد فرار میں مدد دینا شروع کرے گا۔“

”ہوں۔ ٹھیک ہے۔ یہ واقعی ایک بہت بڑا جہاد ہے،“

" تو کر لیں نا۔ " آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

ٹھیک ہے۔ میرے قریب آ کر بیٹھ جاؤ۔ سب سے بڑی  
الجن بھی یہ ہے کہ کہیں ہماری لگفت گو سردار کسی طرح نہیں نہیں۔  
اوہ ہاں! اس کا امکان ہے سردار کے پاس جدید قسم کے  
آلات ہیں۔ خیر آپ نکر د کریں، پھر ہم اس نہیں کی اور آس  
پاس کی اچھی طرح تلاشی لیں گے اور اس کے بعد آپ کو ایک  
اور ترکیب بتائیں گے۔"

" تو پھر جلدی کرو۔"

انھوں نے پورے نہیں کو اچھی طرح دیکھا جالا۔ اور  
پھر نہیں کی آس پاس کی زمین کا بھی جائزہ لیا۔ انھیں نہیں  
سے باہر دیکھ کر سرخان کے قریب آگیا۔

" یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

" سرڑ۔ آپ ہمارے نزدیک کیوں آئے۔ کیا آپ سردار کی  
ہدایت مخول گئے؟"

" یہیں تم لوگوں کو نہیں کے باہر دیکھ کر نزدیک آیا ہوں۔  
اس نے جلدی سے کہا۔"

" کچھ بھی ہو۔ جب تک ہم آپ کو نزدیک آنے کا اشارہ  
نہ کریں۔ آپ کو اسی جگہ رہنا چاہیے۔ ہائی۔ درز ہم سردار  
سے شکایت کریں گے۔"

" نہیں نہیں۔ ایسا نہ کہیجیے گا؛ اس نے گھبرا کر کہا اور دوڑ  
چلا گیا۔

اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ پھر نہیں میں داخل ہوتے۔

" سردار نے یہاں کوئی اکر فٹ نہیں کر دکھا۔ لہذا آپ  
بے فکر ہو کر بتائیں۔"

" اس کے باوجود میں آواز بہت نچھی رکھوں گا۔"

" ہاں ڈیکھ کر ہے۔ احتیاط بہتر ہے۔ خیر۔ اب ہماری یہ حیرت  
دوڑ کر دیں کہ ایک رات میں صرف ایک آدمی کیوں فرار ہوتا  
ہے؟"

" سنو۔ بات دراصل یہ ہے کہ قیدی رات کے وقت فرار  
نہیں ہوتے۔ اس کی آواز حد درجے نیچی ہو گئی۔"

" لگ کیا مطلب؟ ان کے منہ سے ایک ساقہ نکلا۔

" میں وضاحت کرتا ہوں۔ اس کیمپ کے گرد خاردار تار  
اوپنجاٹی تک لگائی گئی ہے۔ کسی کے لیے اس باڑھ کو پار  
کرنا آسان نہیں۔ دوسرے یہ کہ رات کے وقت سرچ لائٹ  
کی مدد سے کیمپ کے چاروں طرف نظر رکھی جاتی ہے۔

ان حالات میں فرار ہونا انتہائی مشکل ہے۔ بلکہ جان جو کھوں  
کا کام ہے۔ دن میں ہمیں کیمپ سے باہر پہاڑیوں پر لے  
جایا جاتا ہے۔ پھر وہاں توڑے جاتے ہیں۔ اور تھوڑے

تحوڑے فاصلے پر نگران کھڑے رہتے ہیں۔ ان کی عقابی نظریں چاروں طرف کا جائزہ لیتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں سلگین لگی رانقلیں ہوتی ہیں۔ ان حالات میں کون فرار ہونے کی حراثت کر سکتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جب سے میں یہاں لایا گیا ہوں۔ اس وقت سے اب تک صرف دو ادمیوں نے رات کے وقت فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ بھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ بالم یہاں تک کہ کر خاموش ہو گیا۔

”کیا مطلب۔ ذرا وضاحت کریں؟“ شوکی نے چونک کر کہا۔

”انہوں نے کیا یہ کہ اپنے اپنے پھاؤڑے اٹھا کر خاردار تار تک چلے گئے۔ اور اس جگہ تک وہ یعنی کے بل رینگ کر گئے۔ پھر اڑوں پر یعنی کے بل رینگنا بھی کچھ کم مشکل نہیں، لیکن ان کی بہت کی داد دیتا پڑتی ہے۔ وہ رینگتے ہوئے خاردار تار تک پہنچ گئے۔ اور پھر دونوں نے ایک ساتھ پھاؤڑے خاردار تاروں پر دے مارے، پھر وحشیانہ انداز میں پھاؤڑے بر ساتھ چلے گئے۔ ظاہر ہے۔ اس سے آواز پیدا ہوئی ہو گی۔ ادھر سرچ لائٹ گھومتی ہوئی ان کی طرف آمد ہی تھی۔ آوازیں من کرنگران بھی دوڑ پڑتے تھے۔ اور اس سے پہلے کہ سرچ لائٹ ان تک پہنچتی۔ تار ٹوٹ گئے اور انہوں نے اس طرح بننے والے راستے میں سے باہر

کی طفتہ چلانگیں لگا دیں۔ لیکن افسوس۔ اسی وقت بگران وہاں پہنچ گئے اور وہ دونوں گویوں سے چلنی کر دیے گئے۔ کیمپ میں موجود تمام لوگ جاگ گئے۔ سب پر بلا کی وحشت خاری ہو گئی۔ سردار نے ان دونوں کی لاشیں خاردار تاروں کے ساتھ لٹکوا دیں۔ اور وہ بہت دونوں تک وہیں نٹکتی رہیں۔ لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر خوف زدہ ہوتے رہتے۔ یہاں تک کہ ان سے بے تھاشا بُو چیلنے لگی۔ تب انھیں کہیں دُور چینکا گیا۔

ان کی موت کیمپ کے لوگوں کو آج تک یاد ہے، پھر کسی نے اس طرح فرار ہونے کی حراثت نہیں کی۔ ”بالم کی آواز غم کے بوجھ تک دب گئی۔

”افسوس؟ ان کے منڈ سے نکلا۔“

”کیمپ کے لوگ انھیں دو شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور واقعی وہ دونوں شہید ہیں۔“ بالم بولا۔

”ہاں! اس میں کیا شک ہے؟“

”کاش۔ ان جیسی بہادری، تم سب میں پیدا ہو جائے، پھر یہ لوگ اتنے لوگوں کو ہرگز نہیں روک سکتے۔“

”بہادری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام ہم کریں گے۔“ آفتاب نے پرہیز انداز میں کہا۔

”یہ کام بہت مُنگل ہے۔“

”پہلے پوری بات سن لیں۔ ہاں تو میں کہ رہا تھا کہ کیمپ میں آتے ہی سب کی حاضری لگتی ہے۔ اور جب اس آدمی کا نام پکارا جاتا ہے جسے میں کہوہ میں چھپا آتا ہوں تو اس کی جگہ میں حاضر جناب کو دیتا ہوں اور وہ بھی اس کی آواز میں۔ بالم نے مسکرا کر کہا۔

”اس کی آواز میں کیا مطلب؟“

”میں آوازیں نقل کرنے کا ماہر ہوں، لیکن یہ بات یہاں کسی کو معلوم نہیں۔ چنانچہ جس قیدی کو فرار کرنے کا پروگرام ہوتا ہے۔ اس کی آواز دن میں توجہ سے سنتا رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ نقل کرنے کے قابل ہو جاتا ہوں۔ اس طرح حاضری یعنے والے کو معلوم نہیں ہوتا۔ اپنی باری پر میں اس جگہ سے کچھ دُور پہنچ کر حاضر جناب کو آشنا ہوں۔ بعض حاضری کے وقت فرار ہونے والے کی حاضری نہیں بولتا۔ اس طرح یہ سمجھتے ہیں کہ قیدی رات کو فرار ہوا ہے۔ آج بسچ جذبات میں آکر بتا بیٹھا کہ ذ صرف شامی کو میں نے فرار ہونے میں مدد دی ہے بلکہ تمام قیدی میری وجہ سے فرار ہوئے ہیں۔“

”اوہ۔ آپ تو جاؤں میں اچھے جلتے۔“

”نہیں۔ جاؤں تو نیھر آپ ہیں۔“ شوکی مسکرا یا، پھر بولا: ”آپ کی ترکیب اچھی ہے، لیکن ایک تو اس میں ایک

”کوئی مشکل نہیں۔ اگر آپ لوگوں نے ہماری ترکیب پر عمل بدلک اس کام میں وقت بھی باکمل نہیں لگے گا۔“

”آخر کیسے؟ بالم کے لمحے سے یہ رت پلک پڑی۔

”پہلے آپ اس بات کا جواب دیں کہ ایک رات میں صرف ایک آدمی کیوں فرار ہوتا ہے۔ کئی یا سب کیوں نہیں فرار ہوتے؟“ شوکی نے کہا۔

”اس کے لیے میں نے ایک انوکھی ترکیب موضی ہے۔ یہ کیمپ سے باہر پہاڑیوں میں جہاں ہم کام کرتے ہیں۔ میں نے ایک کہوہ سی بنادی ہے۔ اس کہوہ میں ایک آدمی آسانی سے چھپ سکتا ہے۔ جس آدمی کو میں ہوشیار کر دیتا ہوں کہ کل فرار ہوئے کی باری تھماری ہے۔ وہ میرے ساتھ پتھر توڑتا رہتا ہے، اور موقع پا کر میں اسے اس کہوہ میں چھپنے کا اشارہ دیتا ہوں۔ کہوہ کے منڈ پر چھوٹے چھوٹے پتھر لٹھا دیتا ہوں۔ اس طرح کسی کو معلوم نہیں ہو پاتا کہ وہاں ایک قیدی چھپا ہوا ہے۔ شام کو سورج غروب ہونے پر سب لوگ کیمپ میں آ جاتے ہیں۔ جہاں سب کی حاضری لگتی ہے۔“

”اس صورت میں تو حاضری یعنے والے کو اس وقت ہی پتا لگ جانا چاہیے۔ جب کہ پتا الگے دن بسح لگتا ہے، جب بسح کو حاضری ہوتی ہے۔“ شوکی نے بالم کی بات کاٹ دی۔

مدت لگ جائے گی۔ دوسرے جوں لوگ کم ہوں گے۔ آپ کی ترکیب کا بھانڈا پھوٹنے کے امکانات زیادہ ہوتے جائیں گے۔ اس لیے اب آپ لوگوں کو ہماری ترکیب پر عمل کرنا چاہیے۔ ”اور وہ کیا ہے؟“

”کان ادھر لائیں۔ اور صحیح اس پر عمل شروع کر دیں۔“ شوکی نے رازدارانہ انداز میں کہا اور اپنا منہ بالم کے کان سے لگا دیا۔ اشناق، اخلاق اور آفتاب اسے بُری طرح گھورنے لگئے، یکوں کہ اس طرح ان کے پلے کچھ نہیں پڑ سکتا تھا۔

## مقابلہ

دو گھنٹے بعد شوکی برادر بالم کے خیجے سے نکلے۔ انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر سرفا پونک آٹھا اور ان کی طرف آیا:

”یکوں جناب۔ فارغ ہو گئے۔“

”ہاں۔ لیکن زیادہ کامیابی نہیں ہوتی؛ تاہم ہم بالکل ناکام“

بھی نہیں رہے۔ سردار کو خوش خبری سننا ہی دیں گے۔

”کیا مطلب؟“ پیچھے سے بالم کی جھلکی ہوتی آواز سنائی دی۔

”وہ پونک کر مڑے۔ بالم خیجے کے دروازے پر کھڑا انہیں کھا جانے والی نظرؤں سے گھور رہا تھا۔“

”تت۔ تو۔ تم جھوٹ بول رہے تھے۔“ وہ پختکارا۔

”کچھ بھی سمجھو تو مژہ بالم۔“ شوکی نے کندھے اچکائے۔

”مم۔ میں تمیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ اس نے غرما کر کر

اور شوکی پر چلانگ لگا دی۔

شوکی دھڑام سے گرا اور وہ اس کے سینے پر چڑھ گیا۔  
ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ شوکی کے گلے پر جاویہ:  
”ارے ارسے۔ چھوڑو۔ اسے چھوڑو۔ سرخا چلا یا۔

اشفاق، اغلاق اور آفتاب بالم کی طرف چھٹے۔ اور اس  
کے بازوں کو پکڑ کر زور زور سے جھٹکے مارنے لگے، لیکن اس  
کے ہاتھ شوکی کے گلے پرے نہ ہٹے۔ آخر سرخا آگے بڑھا،  
اس نے ایک دھماکہ بالم کے سر پر دے مارا۔

بالم بدلہ آٹھا۔ اور چیچے کی طرف الٹ گیا۔ شر کی جلدی  
سے آٹھ کھڑا ہوا:

”اُن ماںک۔“ وہ گھبرا کر بولا۔

”اب آؤ۔ سردار کے پاس۔“ سرخا بولا۔

”یکوں۔ سردار کے پاس یکوں؟“

”اس نے مجھے ہدایت دی تھی کہ جب تم وگ اس سے  
فارغ ہو جاؤ تو میں تیس ان کے سامنے پیش کر دوں۔“

”لیکن، ہم نے تو سردار کو ہدایت دیتے ہوئے نہیں سننا۔“

”اشاروں میں ہدایت دی تھی۔“

”خیر دی ہو گی۔ ہمیں کیا۔ چلو چلتے ہیں۔“

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے سردار کے نیچے میں داخل

ہوئے۔ وہ جاگ رہا تھا:

”ہاں بھئی۔ کیا رہا؟“

”پھاس نی صد کامیابی۔“

”کیا مطلب؟“

”ہم نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ قیدی کس طرح فرار ہوتے ہیں۔“

”کیا واقعی؟“ وہ چکتا۔

”ہاں۔ یہ صحیح ہے سردار۔ لیکن شاید یہ اب اس سے پچھلوم

ڈکر سکیں۔“ سرخا بول آٹھا۔

”کیا مطلب؟“

انھوں نے بالم کے اٹ پڑنے کے بارے میں سردار کو

بتا دیا۔

”سرشوکی۔ تیسیں چاہیے تھا۔ بالم سے کافی دھڑا کریہ بات

کرتے۔“ سردار بولا۔

”نکر دے کریں۔ ہم بہت جلد راستے کا سراغ لگا کر آپ کو

دکھا دیں گے۔“

”خیر جو کچھ معلوم کی ہے۔ وہ تو بتاؤ۔“

”لیکن یہ بہتر نہیں ہو گا۔ کہ آپ کو مکمل معلومات حاصل

کرنے کے بعد بتایا جائے۔“

”نہیں۔ اس طرح تو میں خیال کر سکتا ہوں کہ تم کوڑوں سے

پختے کے لیے جھوٹ کا سہارا لے رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ نیچر نہیں۔ ہم نے بالم سے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ قیدی رات کے وقت فرار نہیں ہوتے۔"

"کیا مطلب؟ سردار زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھیں چرت سے پھیل گئیں۔"

"بھی ہاں! قیدی رات کی بجائے دن میں غائب ہوتا ہے۔ بالم نے کہپ سے باہر ایک کھوہ بنا رکھی ہے۔ وہ ایک قیدی کو اس کھوہ میں چھپا دیتا ہے۔"

"تل۔ یہی اندر آنے کے بعد تو سب کی حاضری لی جاتی ہے۔ سردار پہنچایا۔"

"جس قیدی کو وہ چھپا کر آتا ہے، اس کی آواز منہ سے نکال کر حاضر جناب کر دیتا ہے۔ اور اپنی باری میں اپنی آواز میں بول اٹھتا ہے۔"

"اوہ! سردار دھک سے رہ گی، پھر جھلک کر بولا:

"میں ابھی اسے گویوں سے چھلنی کروتا ہوں۔ یہ کہ کروہ اٹھ کھدا ہوا۔"

"ارے ارسے۔ ایسی بھی کیا جلدی۔ اگر آپ نے اسے گویوں سے چھلنی کرو دیا تو راز راز ہی رہ جائے گا اور ہم اس کھوہ کا سراغ کبھی نکلا سکیں گے۔ شوکی نے چلنا کہا۔"

"اوہ! سردار دھک سے کُرسی میں گر گیا اور بولا:

"تب پھر کیا کیا جائے؟"

"عیسیں ایک دن کی مہلت اور دیں۔ کل پھر ہم اس سے ملاقات کریں گے۔"

"یہیں اب وہ تم لوگوں سے کیوں بات پیش کرنے لگا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے طریقے بہت عجیب و غریب ہیں۔" شوکی نے کہا۔

"خیر۔ یوں ہی سی۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔"

"اب ہم آرام کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ سرخا تم لوگوں کے ساتھ جائے گا اور نیچے سے پاہر پڑہ دے گا۔ دن میں دوسرے آدمی کی ڈیوٹی لگادی جائے گی۔ سرخا سوئے گا۔"

"عیسیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"دوسری رات سرخا پھر ان کے سروں پر مسلط کر دیا گی۔"

"آج رات تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟ سردار نے پوچھا۔"

"ہم سب سے پہلے بالم سے ملاقات کریں گے، پھر آپ کو روپورٹ دیں گے۔ اور کل سورج نکلنے پر آپ کو تمام راز سے آگاہ کر دیں گے۔"

"بہت خوب۔ تم تو واقعی جاسوس ہو۔"

”جی خیر۔ واقعی تو نہیں۔ یوں ہی سے ہیں“ اشراق نے شرما کر کہا۔

اور ان کے قدم بالم کے نیچے کی طرف اٹھنے لگے۔ نزدیک پہنچ کر شوکی نے کہا:

”مistranslate۔ آج ہم آپ کے بغیر اس کے نیچے میں نہیں جائیں گے؟“

”یکوں۔ ڈر گئے ہیں۔“  
”دریں۔ تو کیا کریں۔“ کل تو اس نے میرا گلا، ہی گھونٹ دیا تھا۔ شوکی نے منہ بنایا۔

”خیر۔ فکر نہ کرو۔“ میں تھمارے ساتھ رہوں گا۔ مسخر گا بولا۔  
اور پھر وہ اس کے ساتھ نیچے میں داخل ہوئے۔  
اپانک چار آدمی تھرے پر ٹوٹ پڑے۔ اس کی راکفل اس کے ہاتھ سے بخل گئی۔ ایک نے اس کے منہ پر ہاتھ جا دیے۔ دوسرے نے گلا دونوں ہاتھوں میں جکڑا۔ باقی دو نے اس کے ہاتھ پکڑا۔

”مرنا لگا زور لگانے، لیکن ان کی گرفت سے زبائل سکا۔ پھر اس کا بدن تڑپنے اور پھر لکنے لگا۔ آخر سرہ ہو گیا۔“  
”یہ ٹھنڈا ہو گیا بالم۔“  
”یہ ہماری پہلی کامیابی ہے۔“ بالم نے کہا۔

”ان شار الہ ابھی اور کامیابیاں ہوں گی۔“ اشراق نے خوش ہو کر کہا۔

”یکوں م斯特 بالم۔ کیسی رہی۔ اگر، تم ایک دوسرے سے بڑھنے کا ڈرامہ نہ رچاتے تو یہ تُرخنا اس قدر آسانی سے قابو میں نہ آتا۔“

”ہوں۔“ تم لوگ واقعی عقل مند ہو۔“  
”اب ہمارے پاس ایک راکفل موجود ہے۔ گیا تمام قیدی خبردار ہیں؟“

”ہاں! اس وقت وہ خاردار تاروں کی باڑھ کی طرف رینگنا شروع کر پکھے ہیں۔ اپنے اپنے پھاؤڑے ان کے پاس ہیں۔“

”اور آپ نے انھیں بتا دیا ہے کہ۔“  
”ہاں! اگر میں یہ بتاتا تو شاید۔“ بالم کہتے کہتے رک گیا۔  
”ٹھیک ہے۔ نشانجی کا کیا رہا؟“

”وہ یہ رہے۔ یہ طریقی میں ہیں۔ بہت اچھے نشاز باد۔ چھٹی گزار گھر جا رہے تھے کہ انھیں راستے سے اغوا کر لیا گیا۔ ان کی کہانی سن کر میں نے اُسی وقت فیصلہ کر دیا تھا کہ ان سے کسی وقت کام لیا جا سکتا ہے۔ اور آخر وہ وقت اج آہی گیا۔“

”آپ کو اپنے نشانے پر پوری طرح اعتماد ہے نا۔  
یکوں کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہو گا۔“  
”نکر نہ کریں۔“ اس نے کہا۔

”تو پھر اس رائفل کو اچھی طرح دیکھ بحال لیں۔“  
فوجی رائفل کو دیکھنے لگا۔ آخر خودزی دیر بعد اس نے  
کہا:

”یہ بالکل صحیک ہے۔“

”تو پھر اب ہمیں بھی اپنا سفر شروع کر دینا چاہیے۔  
ہمیں صحیک ہے۔ رات بھی تاریک ہے۔ اگر چاند نکلا ہوا  
ہوتا۔ تو مشکل ہوتی۔“

وہ بخیسے سے نکل آئے اور یعنی کے بل رینگنے لگے۔

”بھائی جان۔ میرزا مالم نے قیدیوں کو کیا بات بتا دی ہے؟“  
آفتاب نے بے تاباد انداز میں کہا۔

”جو ہمیں نے بتانے کے لیے کہا تھا۔“ شوکی مُسکرا�ا۔

”وہی تو ہم باتنا پاہتے ہیں۔“  
”اس وقت بونا مناسب نہیں۔ بالکل ناموشی سے آگے  
بڑھو۔“

وہ رینگنے رہتے۔ یہاں تک کہ خاردار تک پہنچ گئے۔  
سرچ لائٹ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ایسے میں فوجی نے رائفل کی نال سرچ لائٹ کی طرف  
کر دی۔ پوری احتیاط سے اس نے نشانہ بیا اور پھر اللہ کا  
نام لے کر ٹریگر دبا دیا۔

ایک دھماکا ہوا۔ اور گھنگوڑ انڈھیرا پھیل گیا۔ ساتھ ہی  
ایک نیک شکاف نعرہ لگا:  
”فقرة سبکبر“  
”اللہ اکبر۔“

اور پھر پھاؤڑے خاردار تاروں پر برنسے لگے۔ پھر جگہ در  
پیغ گئی۔ کیمپ کی طرف سے بے شمار آوازیں اُبھریں:  
”جہزادار۔ رُک جاؤ۔ درد گولی مار دیں گے۔“

یکن اب کون رُکتا۔ سرپٹ دوڑنے کی آوازیں گونجئے  
لگیں۔ پھاؤڑوں کا بیند کوٹا جانے لگا۔ دشمنوں کی طرف سے  
ایک بھی گولی نہ چلائی گئی۔

”بھائی جان۔ اب تو بتا دیں۔ آپ نے ان سے کیا کہا  
تھا۔“

”یہ کہ سردار اور اس کے ساتھیوں کی رائفلوں پر پہنچے  
ہی تقصیہ کیا جا چکا ہو گا۔ وہ لوگ ان پر گولیاں نہیں برسا  
سکیں گے۔“

”اور آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟“

سے آزاد ہو گئے تھے۔ کسی دلکش طرح بجا گئے دوڑتے جملکتے آخرہ  
اپنے گھروں تک پہنچ، ہی جانے والے تھے۔  
دوڑتے دوڑتے جب وہ تھک گئے تو دوڑنا بند کر کے  
صرف پہلتے رہے۔ آرام کرنے کا ابھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے  
تھے۔

اور پھر دن بیکل آیا۔ اخون نے خود کو ایک جنگل میں پایا،  
جنگل کافی گھنا تھا، لیکن اس میں بازور وغیرہ نظر نہیں آ رہے  
تھے۔ سفر باری رہا۔ یہاں تک کہ دن ختم ہونے کے قریب  
ہو گیا۔

”جنت ہے۔“ کس قسم کا جنگل ہے۔ نہ پرندہ، نہ پرندہ  
اور نہ درندے۔ آفتاب بڑھ رہا۔

”پلو اچھا ہی ہے۔ آرام سے جنگل عبور کر لیں گے۔“ شوک  
لئے مسکرا کر کہا۔

ان کے قدم اٹھتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ جنگل ختم  
ہو گیا اور انھیں ایک شہر کے آثار نظر آنے لگے۔ شہر میں  
دو شنبیاں نظر آ رہی تھیں۔

”پتا نہیں یہ کون سا شہر ہے؟“

”کوئی بھی ہے۔ ہمارے ٹلک کا شہر تو ہے نا۔“

”اب ہم اپنے شہر تک کس طرح پہنچیں گے۔“ اشFAQ نے

”تاکہ ان کا خوف دور ہو جائے۔ یہ خوف ہی تو تھا جو  
انھیں فرار ہونے سے روک رہا تھا۔“

”اوہ۔“ ان کے مذہبے نکلا۔

”اور ایسا جھوٹ آدمی بول سکتا ہے۔ جس سے دوسروں  
کی بھلانی کا پہلو نکلا ہو۔“

”گویا یہ لوگ صرف خوف کی وجہ سے اتنا عرصہ یہاں  
قید رہے۔ ورنہ سب مل کر تو کسی وقت بھی بغاوت کر سکتے  
تھے۔“ اخلاق بولا۔

”ہاں؛ ان میں ایک بالم صاحب ہیں۔ جنہوں نے کوئی  
کام دکھایا۔ میر بالم۔ آپ ہمارے ساتھ ہی ہیں نا۔“ شوک نے  
قدارے بلند آواز میں کہا۔

لیکن بالم کی آواز سنائی نہ دی۔

”شاید وہ ہم سے بچھوڑ گئے۔ ہمیں چاہیے۔ باتیں کرتے  
رہیں۔“ تاکہ ایک دوسرے سے دور نہ ہو سکیں۔

کئی گھنٹے تک ان کا دوڑنا جاری رہا۔ اپنے خیال کے  
مطابق وہ کمپ کو کئی سکوڈ میڑ پیچے چھوڑ چکے تھے۔ اور اس  
وقت شوکی براذرز اپنے دلوں میں زبردست الہینان محسوس  
کر رہے تھے۔ بے پناہ خوشی کا اظہار انھیں ہو رہا تھا، کیونکہ  
ان کی وجہ سے سیکڑوں بے اگاہ اور منظوم آدمی اس قید خا

ہریشان ہو کر کہا۔

”پچھے ن پچھو تو ہو ہی جائے گا۔ جب قدرت نے اس کیمپ سے نکال دیا تو اس شہر سے بھی نکال ہی دے گا۔“ شوکی نے ملکا کر کہا۔

شہر میں داخل ہو کر انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اور پھر آگے بڑھنے لگے۔

اپانک ایک نوجوان آدمی دوڑتا ہوا ان کے پاس سے گزر گیا۔ ڈور کیمیں سے چند مضم آوازیں ان کے کافوں میں آئیں:

”پکڑو۔ چور ہے۔ جانے د پائے۔“

”اوہ۔ یہ حضرت تو پھر ہیں اور شاید چوری کر کے بھاگے ہیں۔“ شوکی نے چونک کر کہا۔

”تب تو ٹھیک ہے۔ مزا آگیا۔“ آفتاب بول آٹھا۔

”مزا آگیا۔ کہاں ہے مزا۔“ اشناق نے چاروں طرف دیکھا۔

”بھی اگر ہم اس چور کو پکڑ کر اس شخص کے حوالے کر دیں جس کی اس نے چوری کی ہے تو مزدور وہ ہمیں پچھہ انعام دے گا یا کم اذکم ہمارا شکریہ ہی ادا کرے گا۔“ آفتاب نے کہا۔

”اوہ بھی دوڑنے لگے۔ پھر انہوں نے اس آدمی کو ایک ٹیکسی میں بیٹھنے دیکھا۔“ وہ بھی ایک ٹیکسی میں لد گئے اور تعاقب جاری رکھا۔ اپانک انہوں نے دیکھا۔ وہ ٹیکسی سے اُتر کر

ایک عالی شان ہوٹل میں داخل ہو رہا تھا۔ اور اس ہوٹل کا نام شاہ ہوٹل تھا۔

”وہ نوجوان اس ہوٹل میں گھس گیا ہے۔ اور ہم ہوٹل میں داخل نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ ہمارے پیڑے میلے اور میلے خراب ہو چکے ہیں۔ لہذا ہم باہر رہ کر ہی اس کا انتظا کیوں نہ کریں۔“

”یہی مناسب رہے گا۔“

وہ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ووگ دھڑا دھڑ اندر جا رہے تھے، نکل کوئی نہیں رہا تھا۔

پھر پیکر پر ایک آواز اجھرنے لگی:

”خواتین و حضرات۔ ابھی چند منٹ بعد مقابد شروع ہونے والا ہے۔ شاہ اعظم اپنے کمرے سے تشریف لانے والے ہیں۔“

”وہ اعلان سننے چلے گئے۔“

”تو یہاں کوئی مقابلہ ہو رہا ہے۔ کیوں نہ ہم کسی طرح یسیج تک پہنچنے کی کوشش کریں۔“ آفتاب نے پُر جوش انداز میں کہا۔

”اندر تمام میزیں بھری نظر آ رہی ہیں۔“ شوکی بڑھا یا۔

”تو پھر ہم پھر طرف سے یسیج کے اندر ولنی سختے پر تو جا رہی سکتے ہیں۔“ آفتاب نے کہا۔

”کہیں پھنس نہ مائیں۔“ شوکی بولا۔

” آئیے۔ خرکار کمپ سے زیادہ کیا پہنیں گے۔ یہاں سے تو ہم اپنے شہر فون بھی کر سکتے ہیں۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔“ افتاب نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

مجوہر آنھوں نے بھی قدم آٹھا دیے۔ اور چکر کاٹ کر ہوٹل کے پچھلی طرف پہنچ گئے۔ اس طرف بھی ایک دروازہ تھا۔ دروازے پر ایک پاورڈی پہرے دار کھڑا تھا۔ انھیں دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر بھی جوں کا ٹوں کھڑا رہا، یہاں تک کہ وہ دروازے تک پہنچ گئے۔

” تم لوگ کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو۔ معلوم نہیں آج صرودت سے زیادہ برتن دھونے ہیں۔“ اس نے برا سا مز بننا کر کہا۔

” جی۔ بس آگئے ہیں۔“ افتاب بولا۔

” چلو چلو۔ جلدی کرو۔“

اور وہ اندر سرک گئے۔ باورچی خاذاب ان کے سامنے تھا۔ اس میں ایک طرف بہت سے برتنوں کا ڈیمیر لگا ہوا تھا اور ان کے ہم عمر بہت سے روکے جلدی جلدی برتن دھو رہے تھے۔ باورچی خانے کے دروازے پر بھی ایک بگران موجود تھا۔

” یکوں۔ برتن دھونے کا ارادہ نہیں ہے۔ اس نے پوچھا۔

” نہیں۔ آج تو ذرا مقابلہ دیکھنے کا موڑ ہے۔“

” یکوں اپنے دو دو روپے ضائع کرتے ہو۔ جب ان سب کو دو دو روپے میں گے اور تم خالی ہاتھ ہوٹل سے باہر جاؤ گے تو پتا چلے گا مقابلہ دیکھ کر کیا ملا۔“

وہ سمجھ گئے کہ یہاں جو لڑکے برتن دھونے کے لیے آتے ہیں، انھیں دو دو روپے دیتے جاتے ہیں اور ظاہر ہے۔ ایسے روکے گھروں سے بھاگے ہوئے ہوتے ہیں۔

” نہیں جناب۔ آج تو ہم مقابلہ ہی دیکھیں گے۔“

” بیسے تمہاری مرضی۔ تمہارے بیسے چار سو پھرے اور مقابلہ دیکھنے پڑے گئے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ ہی جائیں۔ ناک کی سیدھی میں پڑے جاؤ، لیکن شیخ میں سے سرنگالنے کی کوشش نہ کرنا۔ درز ہال میں بیٹھے تماشا تھیں دیکھ لیں گے۔“

” فکر نہ کریں۔“ شوکی نے کہا۔

اور وہ آگے بڑھ گئے۔ دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ کتنا آسانی سے کام بن گیا۔ ان چار روکوں کے پاس پہنچ کر وہ بھی زمین پر بیٹھ گئے۔ اس جگہ سے شیخ صاف نظر آ رہا تھا۔ بلکہ وہ شیخ کے بالکل ساتھ ہی تھے، لیکن یہ پچھلا حصہ تھا۔

اونچھر ایک روکا کا شیخ پر پہنچ گیا۔ کوئی شخص اس کے بارے

میں پسیکر پر بتانے لگا، پھر دوسری طرف سے ایک آدمی سینج پر آیا۔ اسے دیکھ کر ان چاروں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں، کیوں کہ وہ منور علی خان تھے۔

ان کے دل زور زور سے دھونکے لگے۔ انہوں نے پہنچ پہنچی آنکھوں سے ان دونوں کا مقابلہ دیکھا اور پھر منور علی خان کی جیت پر ان کے چہرے کھل آئے۔

یہیں یہ مقابلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ اس کے بعد منور علی خان کو پھر لڑائی سے مقابلہ کرنا پڑا۔ منور علی خان گر پڑے۔ اور جب ان کی مدد کے لیے آفتاب، آصف اور فرحت آتے تو ان کی حیرت اور بڑھی۔ اور پھر لڑائی کا مارا گیا۔ پولیس آئی اور اسے آٹھا لے گئی۔ اس کے بعد منور علی خان کا شامان بیاس پہنچے ایک اور شخص سے مقابلہ ہوا۔ اس نے منور علی خان کو فوراً ہی شکست دے دی۔ اب ان کے مقابلے میں ایک اور صاحب آئے۔ چاروں اسے دیکھ کر نہ پہچان سکے اتنا ہم نہ جانے کیوں۔ اسے دیکھ کر ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ انھیں یہیں لگا جیسے اسی کا تعاقب کرتے وہ آتے ہیں۔ اور پھر دوسرے شخص کا اس سے مقابلہ شروع ہوا۔

مقابلہ انتہائی حیرت انگیز تھا۔ انہوں نے اتنا سننی خیز

مقابلہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اچانک دونوں لڑانے والوں میں سے کسی ایک کی جیب سے کوئی چیز بکل کر ٹیک پر گر پڑی۔ شوکی نے سب سے پہلے یہ بات محض کی۔ باقی تو صرف لڑانے والوں کی طرف متوجہ تھے۔ اور جوں کہ پہلے تک نہیں چک رہے تھے۔ اس لیے وہ نہ دیکھ سکے۔ شوکی کا دل دھڑک آٹھا۔ اس نے دیکھا۔ فرش پر ایک بٹوہ پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بٹوے کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاوا۔ نیچے کی طرف جھکا اور پھر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ دوسرے ہی لمحے بٹوہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ سیدھا ہوتے ہوئے اس نے بٹوہ اپنی جیب میں ٹھوٹیں یا "بھائی جان۔ م۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ آفتاب نے سرگوشی کی۔

"کیا دیکھ لیا ہے؟"

"آپ نے۔ بٹوہ اٹھایا ہے۔"

"چُپ رہو۔ بھئی لڑتے ہوئے تو میں ان کی توجہ بٹوے کی طرف نہیں دلا سکتا۔ مقابلے کے بعد بٹوہ ان کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ جس کا ہو گا لے لے گا۔" شوکی نے بڑا سا منہ بننا کر کہا۔

"ہوں۔ بات تو شیک ہے۔" اشفاق بولا۔

"میں نہ آٹھتا۔ اور میری بجائے کوئی اور آٹھتا تو شاید وہ واپس کرنے کا خیال سمجھ دل میں نہ لاتا۔ بس اس خیال سے میں نے اٹھایا ہے۔"

اور اوھر اسی وقت مقابلہ ختم ہو گیا۔ یہ مقابلہ برابر رہتا، تماہم دل چپ اور سفٹ نیز اس قدر تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"ارے۔ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔ چلو آٹھو۔"

ایک سرد آواز نے انھیں چونکا دیا۔

## چار شریف پچھے

انھوں نے پونک کر اوھر دیکھا۔ ایک بھے قد کا آدمی انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا، شاید وہ ہیڈ بیرا تھا۔

"جی، ہم۔ مم۔ مقابلہ دیکھ رہے ہیں۔"

"دامغ تو نہیں چل گیا۔ تمہیں مقابلہ دیکھنے کی اجازت کس نے دی۔ چلو۔ جاؤ۔ بتوں کا ڈھیر لگا پڑا ہے۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر وہ ڈھیر صاف نہ ہوا تو آج کوئی پیس نہیں ملے گا۔"

"بچ۔ جی۔ بہتر۔" شوکی نے ہمکلا کر کھا۔ وہ افراتفری کے عالم میں آئے۔ ان کے ساتھ دوسرے بھی آئے۔ اور پھر وہ بادپچی خانے کی طرف بڑھ گئے۔ لیکن بھلا وہ کیوں دہان رکتے۔ بیرونی دروازے کی طرف پل پڑے۔ ان سے پہلے جو شیع کے پاس جمع تھے۔ وہ

برتوں کے ذمہ کی طرف پڑے گے۔

"کیوں بھی۔ کیا آج برتن دھونے کا ارادہ نہیں؟" دروازے پر موجود نگران بولا۔

نہیں جناب۔ اتنا سنتنی نیز مقابلہ دیکھنے کے بعد برتن دھونے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ آفتاب مسکرا یا۔

"تم نے اب تک کام کرنے کے لیے نام تو نہیں لکھا یا؟" "جی نہیں۔ ابھی نہیں لکھا یا۔"

"ٹھیک ہے۔ تب تو تم جا سکتے ہو۔ کل آ جانا۔" "جی ہاں کیوں نہیں۔ کام جو یہی ہوا۔" شوکی نے برا سامنہ بنایا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ تیز تیز قدم آٹھاتے صدر دروازے کی طرف آئے۔

"کیا خیال ہے۔ یہاں ٹھہر کر ان کا انتظار کرنا بہتر ہو گا یا اندر جا کر بٹوہ پیش کر دیں؟" اخلاق نے پوچھا۔

"ابھی ہم آفتاب دغدغہ کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پتا نہیں کیا چکر ہے اور یہ لوگ کس سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ ہم یہیں چھپ کر ان کا انتظار کریں گے۔" شوکی نے جواب دیا۔

"تو پھر ذرا ایک طرف کو ہو کر کھڑے ہو جانا بہتر ہے لگا۔ ورنہ لوگ یہیں عجیب نظرؤں سے گھوڑیں گے۔" اشناق نے

مشورے کے انداز میں کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

وہ ایک طرف کو ہٹھنے لگے۔ پھر ایک مناسب سی جگہ پر آ کر رک گئے۔ اس جگہ چند لمحے درخت بالکل ساتھ ساتھ تھے۔ ان کے پیچے کھڑے ہونے کی صورت میں ہوٹل سے بکھلنے والا کوئی شخص اپنیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔

"یہ بہترین جگہ می ہے۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔"

"میکن۔ اب یہاں زبانے کب تک انتظار کرنا پڑے گا۔" اخلاق بڑھ رہا۔

"جب تک کہ ان میں سے کوئی بارہ نہیں نکل آئے۔" شوکی نے کہا۔

"اور اگر ان میں سے کوئی بیچ تک باہر نہ نکلا۔" اخلاق بگرا کر بولا۔

"تب بھی ہم بیچ تک یہیں موجود رہیں گے۔"

"جب کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں پاہیزے تھا۔ اندر جا کر ان کے سامنے پہنچ جاتے، اس طرح اچانک ملاقات ہو جاتی۔ بہت لطف رہتا اور پھر ہم اس بٹوے کا معاملہ ان کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ تو نہیں رکھا کوئی سے پوچھ دیا جاتا۔ جو بٹوے کی نشانی بتا دیتا، اس

کے حوالے کر دیتے۔ اشناق نے جلدی بدلی کہا۔

"ہوں۔ اس پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ شوکی بڑا بڑا یا۔

"یکن غور کرنے میں بہت وقت لگ سکتا ہے، آفتاب نے پہنچنے ہو کر کہا۔

"تمہارا تو بس نہیں چل رہا۔ ورنہ دوڑ کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اخلاق نے اسے گھورا۔

"م۔ مگر۔ میں۔ ارسے۔ یہ کر۔"

دوسرا ہی لمحے شوکی کی آنکھیں جرت اور خوف سے پھیل گیکیں۔ اس نے ایک جیرت انگلیز ترین منظر دیکھا تھا۔

ہوٹل کی درمیان والی منزل کی ایک کھڑکی سے کسی نے یونچے چلانگ لگائی تھی۔ اور یونچے پاؤں لگتے ہی دوڑ پڑا تھا۔

"او۔ جلدی کرو۔" شوکی نے کانپتی آواز میں کہا۔

دھم کی آواز ان یمنوں نے بھی سنبھلی تھی، لیکن وہ کھڑکی میں سے اسے چلانگ لگاتے نہیں دیکھ سکے تھے؛ تاہم اب اسے دوڑتے ہوئے فرور دیکھ رہے تھے۔

"خیر تو ہے جائی جان؛ آفتاب نے دوڑتے ہوئے کہا۔

"تم نے شاید دیکھا نہیں۔ اس نے ہوٹل کی درمیانی منزل کی ایک کھڑکی سے یونچے چلانگ لگائی تھی۔

"کیا؟" یمنوں کے مذہ میں نیکلا۔

"ہاں، اور اس سے بھی زیادہ جرت کی بات یہ کہ وہ باکل یہدا نیچے آیا، پھر جوں ہی اس کے پیروز میں پر لگے۔ دوڑنے لگا۔"

"تب یہ کوئی ڈریکولا قسم کا آدمی ہے۔ اشناق بڑا بڑا یا۔"

"ڈریکولا نہیں۔ پسہ میں قسم کا کہو۔" اخلاق نے کہا۔

"اویں ہن۔ یہ شخص ضرور کسی سرکس میں کام کرتا ہے۔"

آفتاب نے تیز رجھے میں کہا۔

"ہوں۔ بات شیک لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ یہ کسی سرکس میں کمالات دکھاتا ہو۔ اس قسم کے آدمی اتنی اونچائی سے فرور چلانگ لگا سکتے ہیں۔"

"اور منے کی بات یہ ہے کہ اس کی رفتار بہت تیز ہے، ہم تو شاید اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکیں۔" اشناق نے کہا۔

"ہمیں اس کا تعاقب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" اخلاق بولا۔

"یہ وہی شخص ہے جس نے آخری مقابلہ کیا تھا۔ انکل منور عل خان کو شکست دی تھی اور پھر ایک دوسرے شخص سے برابر رہا تھا۔ اور اب شاید یہ شخص ہوٹل میں کوئی واردات کر کے یا کوئی قیمتی چیز چرا کر جاگا ہے۔ اگر ہم کسی طرح اسے پکڑ کر قانون کے حوالے کر دیں تو وہ قیمتی چیز اس کے

مالک کو مل جائے گی۔ اور یہ ایک نیک کام ہو گا۔ شوکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر باری رکھیں تعاقب۔ ویسے میرا خالہ ہے۔ اگر ہم تمام عمر بھی جھانگتے رہیں تو بھی شاید اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"مايوسی کی باتیں۔ ارے۔ شوکی لکھتے لکھتے رک گیا۔

"مايوسی کی باتیں۔ ارے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ عاقاب جلدی سے بولا۔ اس نے اپنی رفتار کم کر دی ہے۔ بلکہ وہ رک رک گیا ہے۔ اور اب ہماری طرف منہ کیے کھڑا ہے۔ یاد رہے ہم اسے بٹوے کے پارے میں ہرگز نہیں بتائیں گے۔"

"اور اس کے چہرے پر ایک دوستار مسکراہٹ ہے۔ جو ہمیں آگے بڑھنے کی دعوت دے رہی ہے۔"

"کہیں، ہمیں یہ کسی چکر میں نہ پھنا دے۔ جس انداز میں اس نے ہوٹل سے چلانگ لگاتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ نیک آدمی تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"دیکھا جائے گا۔ آؤ۔"

اور وہ اس کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

"یکوں بچو۔ آپ میرا تعاقب یکوں کر رہے ہیں؟ اس کی پیار بھری آواز سنائی دی۔"

"وہ۔ وہ۔ آپ۔ یعنی کہ۔ ہم۔" آفتاب بڑی رح ہکلانے لگا۔ نہ جانے اس کے چہرے میں کیا بات تھی۔

"کیسے کیسے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بہت مشریف آدمی ہوں۔ تمیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"آپ شاہ ہوٹل کی درمیانی منزل سے چلانگ لگا کر جاگے میں۔ یہ بات ٹھیک ہے تا۔" شوکی بولا۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن کیوں۔ کیا آپ وہاں سے کوئی چیز چرا کر جاگے ہیں؟" اشFAQ نے ہمت کر کے کہا۔

"ارے نہیں۔ میں چور نہیں ہوں۔ وہ ہنسا۔"

"لیکن جناب۔ اگر آپ چور نہیں ہیں تو پھر تو آپ کو ہوٹل سے باہر آنے کے لیے اس کا دروازہ استعمال کرنا پاہیے تھا۔"

"میں ذرا جلدی میں تھا۔ اس لیے مختصر راستا اختیار کیا۔ وہ مسکرا یا۔"

"ہم نے آج تک کسی کو اتنی ہمارت سے چلانگ لگاتے اور پھر زمین پر آتے، ہی دوڑنا شروع کرتے نہیں دیکھا۔"

"تب تو آپ لوگوں کو خوش ہونا چاہیے کہ آج یہ منظر دیکھ لیا۔ بلکہ میرا شکریہ بھی ادا کر سکتے ہو، اگر کرنا ہو۔" اس نے شوخ آواز میں کہا۔

"شش۔ شکریہ جناب" آفتاب نے جلدی سے کہا۔  
"لیکن۔ ان حالات میں ہم آپ کو ایک عدد پھر بھی تو  
خیال کر سکتے ہیں؟"

"ہاں ضرور۔ لیکن میرے پاس چراں ہوئی کچھ چیزیں بھی  
ہونی چاہیں۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ میں غالی ہاتھ ہوں۔"  
اس نے دونوں ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کے دونوں ہاتھ ضرور غالی ہیں، لیکن جیسون میں  
میرے جواہرات بھی تو ہو سکتے ہیں؟"

"اگرچہ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ آپ لوگوں کو  
تلائی دوں، لیکن پھر بھی آپ تلاشی لے سکتے ہیں۔ تاکہ  
آپ کا اطمینان ہو جائے۔ دیسے تو آپ نے محسوس کر رہی یا  
ہو گا کہ میں اگر چاہتا تو اس وقت آپ لوگوں سے بہت دور  
جا چکا ہوتا اور آپ اپڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی مجھ تک  
نہیں پہنچ سکتے تھے؟"

"ہاں! یہ صحیح ہے۔ شوکی جلدی سے بولا۔

"تو پھر آپ لوگ شوق سے میری تلاشی لے لیں؟"

"آخر آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں۔ جب کہ آپ ہمیں تلاشی  
دیں۔ بغیر بھی جا سکتے ہیں۔" شوکی نے آجمن کے عالم میں کہا۔  
"اس کی ایک وہرہے۔ پہلے آپ تلاشی لے لیں، پھر

وجہ بتاؤں گا۔" اس نے دونوں ہاتھ اس طرح اپر اٹھا دیے  
جیسے کوئی شخص اس کے سامنے پستول تانے کھڑا تھا۔

شوکی نے ڈرتے ڈرتے اس کی تلاشی لی۔ اور پھر نفی میں  
سر ہلاتے ہوئے کہا:

"نہیں جناب۔ آپ کی میبوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے،  
جسے چوری کی خیال کیا جاسکے؟"

"شکریہ۔ ہے بھی۔ یہی بات۔ میں چور نہیں ہوں۔"  
آپ وہ وجہ بتائیں گے آپ۔"

"ہاں! مجھے آپ لوگوں سے ایک کام ہے۔  
کیا مطلب۔ آپ ہمیں کیا چاہیں؟"

"میں آپ لوگوں کو نہیں جانتا، لیکن دیکھنے کے بعد یہ  
رائے قائم کر چکا ہوں کہ آپ لوگ بہت ایمان دار ہیں اور  
اگر میں آپ لوگوں کو کوئی امانت سونپوں۔ تو آپ اس امانت  
کو اس جگہ تک ضرور پہنچا دیں گے۔ جہاں کے لیے میں کہوں  
گا۔ اور اگر آپ اس کام کا کوئی معاوضہ لینا چاہیں۔ میں  
معاوضہ بھی دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"مم۔ معاوضہ۔ آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔  
"نہیں جناب۔ بھلا اتنے سے کام کا بھی کوئی معاوضہ  
لیتا ہے۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

"لیکن۔ آپ کے اس ساتھی کا ارادہ ہے شاید۔" اس نے فوراً کہا۔

شوکی نے تیز نظروں سے آفتاب کو گھورا اور اس نے شرمار ہو کر نظریں جھکا دیں۔

"تو پھر پچھلے۔ میں آپ کو وہ امانت سونپ دوں۔"

"ضرور بخاب۔ کیوں نہیں۔ لیکن شاید ہماری یہ آجھیں کبھی رفع نہ ہو کہ آپ نے ہوٹل کی درمیانی منزل سے چھلانگ کیوں لگائی تھی؟"

"چند افراد مجھے آجھیں میں بتلا کرنا چاہتے تھے۔ میں بلاوجہ کی آجھیں پسند نہیں کرتا۔ سو میں نے سوچا۔ بُکل چلوں۔ اس طرح میں نے راہ فرار اختیار کی۔ وہ سروں کو ظاہر ہے۔ لفڑی یا سیرچیوں کے ذریعے نیچے آترنے میں کچھ وقت لگتا۔ بس میں نے اس وقت سے فائدہ آٹھانے کے لیے ایسا کیا۔ اور پر والی منزل سے درمیانی منزل پر آیا اور چھلانگ لگا دی۔"

"ہوں، لیکن وہ لوگ کون تھے جو آپ میںے نفس آدمی کو آجھیں میں بتلا کر دینا چاہتے تھے؟"

"میں نہیں جانتا۔ وہ کون تھے، لیکن تھے عجیب قسم کے لوگ۔"

"خبر بخاب۔ ہم آپ کا کام ضرور کریں گے۔ وہ امانت کا ہے؟"

"میرے ساتھ چلنے پڑے گا پچھہ دُور تک۔ پھر گاڑی میں چلیں گے۔"

"چھلے۔" شوکی نے کہا۔

دُس منٹ تک پیدل چلنے کے بعد وہ درختوں کے ایک جھنڈے میں پہنچ گئے۔ یہاں آ کر اس نے منڈ سے یہی کی لبی آواز نکالی۔ فوراً، ہی درختوں کے درمیان سے ایک کار آتی نظر آئی۔ کار بہت چمکیلی تھی۔ اس کی ڈرائیورنگ یہٹ پر ایک باور دی آدمی بیٹھا تھا۔ اس کے کندھے سے پستول کی ایک چیڑی لٹک رہی تھی۔ اس میں بُکل اس پستول بھی نظر آ رہا تھا۔

"بیٹھیں بھی۔" اس نے پھلپا دروازہ ان کے لیے کھولتے ہوئے کہا۔

وہ خود اگلی یہٹ پر بیٹھ گیا۔ کار درختوں کے درمیان انتہائی تیز رفتاری سے چلنے لگی۔ ان کے چہرے فق ہو گئے۔ ہر آن اخیں یوں لگنے لگا جیسے کار اب کسی درخت سے مکران، کر اب مکران۔ لیکن وہ ڈرائیور شاید انتہائی ماہر تھا۔ کار کسی بھی درخت سے مکران۔ اور سفر جاری رہا۔ پھر کافی۔

ایک جگہ رُک گئی۔ انھیں ایک چھوپداری نصب نظر آئی۔ کار سے آڑ کر وہ چھوپداری میں داخل ہوتے۔ اس جگہ دس آدمی موجود تھے۔ ان کے درمیان شاہزاد بیاس پہنچنے ایک شخص رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ پیچے کی طرف تھا۔

کار والے کو دیکھ کر دس کے دس آدمی اٹھنے ہو گئے۔ اسے کھول دو۔ کار والا بولا۔

دو آدمی آگے بڑھے اور اس کی رسیاں کاٹ دیں۔ جوں، ہی وہ سیدھا ہوا، وہ زور سے آچھلے اور پھر ان کی انگلیں جھرت کی زیادتی سے چیل گئیں۔



ان کے ساتھ آئے والے شخص اور بندھے ہوئے شخص میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ہاں دونوں کے قد میں ضرور تھوڑا سافر تھا، لیکن چھرے بالکل ایک نظر آ رہے تھے۔ یہ۔ یہ، ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟ ٹوکی کے مذائقے نکلا۔

”سلک۔ کیا آپ جڑواں بھائی ہیں۔ لیکن آپ نے اپنے

جڑواں بھائی کو باندھ کیوں رکھا تھا؟“ آفتاب جلدی سے بولا۔

” ہم جڑواں بھائی نہیں ہیں۔“ کار والے نے کہا اور پھر اپنے ہم شکل سے بولا:

” شاہِ اعظم۔ آپ حیران تو ہوں گے۔“

” حیران۔ کوئی ایسا دیتا۔ تین دن ہو گئے مجھے یہاں پڑتے ہوئے۔ اس دوران بھے صرف کھانے وغیرہ کے لیے کھولا گیا۔ آخری سب کیا ہے۔ تمیں میرا خلیہ اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔ میراڑا کا جوئی کہاں ہے؟“

” یہ ایک راز ہے کہ مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کا ڈاکا مارا جا چکا ہے۔ اس نے مقابلے میں مُرُمی طرح شکست کھائی تھی۔“

” اوہ۔ اس کو کس نے شکست دی؟“

” میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ شاہ ہٹول کے مالک راحل نے اس کا نام منور علی خان بتایا تھا۔ لیکن اب اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ میرا آپ کو مشورہ ہے کہ آپ نہایت خاموشی سے اپنی ریاست میں لوٹ جائیں۔ اور کبھی اس شہر کا رُخ نہ کریں۔ شہر میں جانا اب آپ کے لیے بالکل نامناسب ہو گا۔ پویس آپ کو گرفتار کر لے گی اور یہیں بوجرم کر کے آیا ہوں۔ وہ آپ کے سرخ ٹوپ دیا جائے

"جرم۔" شوکی برادر کے منزل سے نکلا۔

"ہاں! جرم۔ ایک چھوٹا سا جرم بھی بھسے ہو گیا ہے، لیکن ایسا نہیں کہ کوئی لمبا چھوٹا مقدمہ بھجو پر قائم کیا جا سکے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"میری تو کچھ سمجھو میں نہیں آ رہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اس نے اُبھن کے حالم میں کہا۔

"کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ چار شریف بچے ساتھ لایا ہوں۔" آپ کو اپنے ساتھ شریک لے جائیں گے۔ میری آپ کو نصیحت ہے کہ آپ شاہ ہوٹل کا بخوبی ریاست چلے جائیں۔ یہ رہی کار کی چابی۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" مجھے تین دن تک جس بے جا میں رکھا گیا۔ میں پہلے تو روپرٹ درج کراؤں گا اور پھر شاہ ہوٹل جاؤں گا۔ تاکہ مسلم کر سکوں کہ تم کیا گھپلا کر کے آئے ہو۔"

"بیسے آپ کی مرضی۔ اگر آپ اُبھنیں ہی مول یینا پاہتے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ یہاں سے جا سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"شکریہ۔" شاہ عظیم نے بُرا سامنہ بنایا اور لڑکھڑاتے قدموں سے چھوپداری سے باہر کی طرف جانے لگا۔

"ہمیں بھی اجازت ہے؟"

"ہاں! اس کام کا اگر تم کچھ معاوضہ لینا پسند کرو تو میں حاضر کیے دیتا ہوں۔"

"شکریہ جناب۔" ہم مجرموں سے کوئی معاوضہ نہیں دیا کرتے۔ انھیں صرف قانون کے حوالے کرتے ہیں۔" شوکی نے بلدی سے کہا۔

"اوہ ہو اچھا! کار دا لے نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! اور موقع ملا تو آپ کو بھی قانون کے حوالے کریں گے۔" شوکی بولا۔

"فرود کوشش کر دیکھنا۔ مجھے خوشی ہو گی۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ نے اپنا نام بتایا۔" آفتاب طنزیہ مجھے میں بولا۔

"میں۔" میرا نام۔ تم مجھے نقلی شاہ عظیم کر لو۔ اصل یہ ہیں۔" اس نے کہا۔

"اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔

ادم پھر وہ چھوپداری سے باہر نکل آئے۔

اور اس سمت میں چل پڑے۔ جس طرف سے آئے تھے۔ کار پھوں کہ درختوں کے درمیان سے ہو کر آئی تھی۔ اس لیے یقین سے تو کچھ نہیں کہ سکتے تھے کہ وہ درست راستے پر چل رہے ہیں یا غلط راستے پر۔ لیکن۔ چوں کہ آجھیں ہر حال میں چلتا ہی تھا۔ اس لیے قدم آٹھاتے رہے۔ کافی درستک پہلے رہنے کے بعد شاہ اعظم نے ان سے کہا:

”تم لوگ کون ہو۔ اس عجیب آدمی کے ساتھی تو نہیں معلوم ہوتے۔“

”جی نہیں۔ ہم تو اس کا تعاقب کرنے لگ گئے تھے۔“ شوکی نے فرمادا کہا۔

”یکوں۔ یکوں تعاقب کرنے لگ گئے تھے۔“  
”وہ ایک ہوٹل کی درمیانی منزل کی ایک کھڑکی سے چلانگ لگا کر ددرا تھا۔“

”کیا کہا۔ درمیانی منزل سے۔“  
”ہاں جناب۔ یہی بات ہے۔ اور اس حیرت کی وجہ سے ہم نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا۔“

”اوہ۔ وہ ہوٹل کون ساتھا۔“  
”شاہ ہوٹل۔“  
”اوہ۔ اوہ۔“ اس کے مذہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

”یکوں۔ آپ کو کس بات پر حیرت ہے؟“

”میں شاہ اعظم ہوں۔ آپ کے ملک کی سرحد کے ساتھ واقع ریاست دلیر کا والی۔ سال میں دو تین بار اس شہر میں آتا ہوں۔ اور صرف شاہ ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں۔ یہاں آ کر میں بڑے بڑے سودے کرتا ہوں۔ میرے ساتھ میراڑا کا جو نی بھی ہوتا ہے۔ جو ہوٹل میں مقابلے کی دعوت دیتا ہے اور اس مقابلے کو شہر کے لوگ بہت دل چپی سے دیکھتے ہیں۔ ہوٹل کی سیٹیں بہت پہلے بُک کر دوالی جاتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی میں پروگرام کے مطابق آرہا تھا کہ راستے میں سے مجھے اس شخص نے اخوا کر لیا۔“

”لیکن۔ کس طرح؟“ شوکی بول آٹھا۔

”ایک شخص اپانک سڑک کے نیچے میں آگیا تھا۔ جو نی کو کار روکنا پڑی۔ اسی وقت چار آدمی رانفلیں تانے ہمارے نزدیک آگئے۔ اور پھر کار میں انھوں نے ایک گیس چھوڑ دی، ہوش میں آیا تو اس چھوولداری میں تھا اور جو نی قاتم تھا۔ وہ دس آدمی میرے ارد گرد جمع تھے۔“

”یہاں تک کہ کر شاہ اعظم خاموش ہو گیا۔“

”حیرت ہے۔ یہ شخص کون ہے۔ اور اسے آپ کی جگہ لئے کیا ضرورت تھی؟“ شوکی بولا۔

"اس بات پر تو میں چیران ہوں"

"نیز۔ شر جا کر ہی کچھ معلوم ہو گا۔ آپ کا اب کیا پروگرام ہے۔ اس پر اسرار شخص کی ہدایت پر عمل کریں گے یا شاہ ہوٹل جائیں گے؟"

"سب سے پہلے میں پولیس اسٹیشن جاؤں گا۔ وہاں بارک رپورٹ درج کراؤں گا۔ اس کے بعد شاہ ہوٹل جاؤں گا۔" اس نے پچھتے لمحے میں کہا۔

"ہاں! یہی ٹیک رہے گا: شوکی بولا۔"

"یکن بھائی جان۔ آپ شاید بھول سے ہے ہیں۔ اس شخص نے کہا تھا۔ اگر یہ شر گئے تو گرفتار کر لیے جائیں گے۔ آفتاب نے جلدی سے کہا۔"

"یکن بس بھرم کی پاداش میں۔ آخر میں نے کیا کیا ہے؟ میں تو منظوم ہوں۔ تین دن تک قید میں پڑا رہا ہوں۔ اب گرفتار بھی مجھو، ہی کو کیا جائے گا؟"

"ہاں! ایسا ہی ہو گا۔ آفتاب نے پر یقین لمحے میں کہا۔"

"کیا مطلب۔ ایسا ہی ہو گا۔ یہ آپ کہ رہے ہیں۔ "شاہ عظم" چیران رہ گیا۔"

"ہاں! کہ تو یہی رہا ہوں۔ اس میں تو نیز کوئی شک نہیں۔ آفتاب منکرایا۔"

"لیکن آپ ایسی بات کیوں کہ رہے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں، میں بالکل بے گناہ ہوں؟"

"ہاں! یہ ٹیک ہے۔ آپ بے گناہ ہیں، لیکن اس شخص نے آپ کے میک آپ میں شہر میں ضرور کوئی گل کھلایا ہے، کوئی چکر چلا�ا ہے۔ اور اس کی بنا پر پولیس آپ کی تلاش میں ہو گی۔ اب انھیں تو یہ معلوم نہیں کہ وہ آپ نہیں تھے آفتاب بولا۔"

"اوہ! شاہ عظم دک سے رو گئے۔ ان کے آٹھتے قدم رک گئے، چہرے پر ہوانیاں آئنے لگیں۔"

"اب آپ دک کیوں گئے؟"  
"تو اور کیا کروں۔ شہر میں تو بے گرفتار کر دیا جائے گا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن آپ کو شہر تو جانا ہی پڑے گا۔ اگر شہر میں جائیں گے اور سید سے اپنی ریاست پہلے جائیں گے تو آپ پر الزام لگا دیا جائے گا۔ جب کہ شہر میں جانے کی صورت میں آپ اپنے اوپر گئے والے الزام دھو سکتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم آپ کی مدد کریں گے۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔  
"اوہ۔ آپ۔ آپ لوگ بہت اپتھے ہیں۔ شاہ عظم نے خوش ہو کر کہا اور اس کے قدم پر آٹھنے لگے۔"

”میریکے پاس اتنے آدمیوں کے لیے جگ نہیں ہے۔ اور پچھے ٹرک اور سڑک لدا ہوا ہے۔“ ٹرک ڈرائیور نے خوش اخلاق مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

”شکریہ بخاب۔ ہمیں تو آپ صرف یہ بتا دیں کہ شر سلطان جنگ کس طرف ہے؟“

”اسی طرف ہے۔ جس طرف میں جا رہا ہوں۔“ ٹرک ڈرائیور نے کہا۔

”اور کہتی ڈور ہے؟“

”سلطان جنگ یہاں سے زیادہ ڈور نہیں ہے۔ کوئی دس گیارہ کلو میٹر ہو گا۔“

”بہت بہت شکریہ۔ ہمیں بس یہی معلوم کرنا تھا۔ کوئی بس یا دیگن آہی جائے گی؟“

”سلطان جنگ میں بس اور دیگنیں نہیں آتیں۔ صرف ٹرین آتی ہے۔ یا پھر لوگ اپنی ذاتی یا کارائے کی کاروں میں آتے ہیں۔“ ڈرائیور بولا۔

”اوہ۔ اسی لیے سڑک پر ٹرینیک بہت کم ہے۔“ شوکی نے کہا۔

”ہاں۔“ اس نے کہا اور ٹرک آگے بڑھا دیا۔  
جلد ہی مخالف سمت سے ایک کار آتی نظر آئی۔ یہک

ڈہ بہت دیر تک قدم آٹھاتے رہے اور پھر انھیں محسوس ہونے لگا کہ ڈہ رات بٹک پچکے ہیں۔ ان کے چہروں پر آہم تیرنے لگی۔

”پتا نہیں۔ ہم شہر سے کس طرف اور کتنی دور بٹک آئے ہیں؟“ شوکی بڑھا دیا۔

”کسی نہ کسی طرح ہمیں سڑک پر پنج جانا پاہیے۔ اس کے بعد تو ہم شہر پلے، ہی جائیں گے۔“

”پتا نہیں۔ ہم شہر کی طرف جا رہے ہیں یا مخالف سمت ہیں۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

چلنے کے سوا وہ کہ ہی کیا سکتے تھے۔ چلتے ہی رہے۔ آخر انھیں سڑک نظر آنے لگی۔ ان کے چہرے بھل آئے۔ قدم اور تیز ہو گئے۔ اچھوچھ تھک کر چود ہو چکے تھے۔ شاہ اعظم کا حال ان کی نسبت بہت بُرًا تھا۔ ڈہ بے چارہ تو شاید پیدل چلنے کا عادی ہی نہیں تھا۔

سڑک کے کنارے پنج کر فہ ٹرک گئے۔ اور دونوں طرف دیکھا۔ نہ ادھر سے کوئی گاڑی آتی نظر آئی۔ نہ ادھر سے۔ کھڑے انتظار کرتے رہے۔ آخر ایک ٹرک آتا نظر آیا۔

جوں، ہی وہ نزویک پہنچا۔ انہوں نے ایک ساتھ ہاتھ آٹھادیے، ٹرک ان کے نزویک اگر ٹرک گیا۔

اس کا جلا انجیں کیا فائدہ تھا۔  
”دس گیارہ کلو میٹر تو فاصلہ ہے۔ کیوں نہ ہم پیدل ہی چل  
پڑیں؟“ آفتاب نے بتا کر کہا۔

”لگ۔ کیا۔ پیدل۔ اور دس گیارہ کلو میٹر۔“ شاہِ اعظم  
نے گھبرا کر کہا۔

”اب کیا کیا جائے جناب۔ ہم کب تک انتظار کریں گے؟“  
”اچھا۔ جیسے آپ کی مرضی؟“ اس نے پریشانی کے عالم میں  
کہا اور تھکے انداز میں قدم اٹھانے لگا۔ وہ بھی اس کے  
ساتھ چل پڑے۔

”اوہ۔ ہم اس کو تو بھول ہی گئے۔“ ایسے میں اشناق  
کی آواز سنائی دی۔

”کس کوئی اخلاق نے اس کی طرف دیکھا۔

”بب۔ بب۔ بٹوہ۔“ اشناق ہنکلایا۔

”ارے ہاں۔ کم از کم۔ ہمیں اس کو کھول کر تو دیکھ دینا  
چاہیے۔“ آفتاب بے چین ہو کر بولا۔

”میرا بھی یہی بھی چاہ رہا ہے۔ لیکن کیا کروں۔ وہ کسی  
کی امانت ہے۔ اور ہم کسی کی امانت کو کھول کر دیکھنے کا  
حق نہیں رکھتے۔“ شوکی نے کہا۔

”اس صورت میں آپ امانت واپس کس طرح کریں گے،

آخر دُوراً آپ کو کچھ نشانیاں بتائے گا۔ اور آپ بٹوہ اندر سے  
دیکھنے کے بعد ہی اندازہ لگا سکیں گے کہ اس بٹوے میں  
وہی چیزیں ہیں یا نہیں؟“

”بات تو یہ بھی طبیعی ہے۔“

”آپ کس بٹوے کی بات کر رہے ہیں؟“ شاہِ اعظم نے  
چیراں ہو کر کہا۔

”شاہ ہوٹل میں آخری مقابلے کے دوران کسی لڑنے والے  
کی بیجی میں سے بگرا تھا۔ میں نے اس خیال سے اٹھایا  
کہ جس کا ہو گا، نشانی پوچھ کر بٹا دوں گا۔ ہمیں آپ تک لانے  
والا بھی لڑا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ اس کا ہو۔ ہم نے اس خیال  
سے نقلی شاہِ اعظم سے بٹوے کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کہ  
شاید اس میں کوئی ایسی چیز مل جائے جس کی مدد سے ہم اس  
کا سراغ لگا لیں اور اسے قانون کے حوالے کر سکیں۔ اور اگر  
دُورے سے صاحب کا ہوا تو اسے دے دیں گے۔“

”وہ۔ وہ بٹوہ ذرا مجھے دکھا دیں۔“

”آپ کو دکھا دوں۔ لیکن کیوں؟“

”اپنی ریاست سے چلتے وقت میں نے اپنا بٹوہ ساتھ  
یا تھا، لیکن اب وہ میری بیجی میں نہیں ہے۔“ شاہِ اعظم  
نے بتایا۔

"اوه! ان کے مزے ایک ساختہ نکلا۔"

"آپ کے بٹوے میں کیا کچھ تھا؟"

"اس میں پچھنڈ نایاب، ہیرے تھے۔ پچھنڈ ضروری اور اہم کاغذات تھے۔ اور اس مرتبہ مجھے جو چیزی خریدتا اور فروخت کرنا تھیں، ان کی تفصیل ایک کاغذ پر درج تھی۔"

"تب پھر ہم پہلے خود اس بٹوے کا جائزہ لیں گے۔ اور یہ کام ہم سڑک سے ڈور ہٹ کر کریں گے۔ آپ یہیں ٹھہریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" شاہ اعظم نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

وہ ایک درخت کی اوٹ میں آکر کھڑے ہو گئے۔ شاہ اعظم وہیں سڑک پر کھڑا رہا۔ شوکی نے بٹوہ اپنی جیب سے نکالا۔ پھر اسے کھول ڈالا۔ وہ ایک جیبی بٹوہ تھا۔ انہوں نے اس کے اندر کی چیزوں کا جائزہ لیا اور جیران رو گئے، پھر سڑک پر جانے کی بجائے شوکی نے بلند آواز میں کہا:

"مرٹر شاہ اعظم۔ آپ یہیں آ جائیے۔ یہ بٹوہ آپ ہی کا ہے۔"

"اوه۔ ارے۔ ہمیں۔ کمال ہے۔" اس کے مزے

بے ساختہ انداز میں نکلا۔



# بُٹوے کی کہانی

" یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ انپکٹر جیشید کے ٹھنڈے نکلا۔

" کیا دیکھ رہے ہیں سر۔ اور آپ نے جیپ کیوں روک دی؟ احکام نے چونک کر پوچھا۔

" یہ شوکی برادرز سڑک پر کھڑے کیا کر رہے ہیں، اور یہاں کیسے پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ شاہزاد بناں میں یہ کون صاحب ہیں۔ میرا خیال ہے۔ ہمیں جیپ سے اُترنا ہی ہو گا۔"

" کہ کہ انپکٹر جیشید جیپ سے اُت آئے۔ جوں ہی شوکی برادرز نے انھیں دیکھا، چلا آئے۔"

" ارے۔ انگل۔ آپ۔"

" ہاں جسی۔ اور یہ قم ہو۔ کیا واقعی۔"

" غیر واقعی تو ہم ہی نہیں سکتے انگل۔ شوکی پھر کہا۔

## ترتیب

- بُٹوے کی کہانی
- بِلَام
- زہر بِلادِ حواں
- بیپوں کی اوٹ
- ساتپ سے پُرچیں
- نخا ابراٹا
- دوں آدمی
- باتوں کا دھارا
- نقشِ صاحب
- شکست کا دوسرا نام
- زیگر دبادو
- ڈہنکل کے
- انعام ہمارا ہے
- ترتیب کا استعمال
- غٹ غٹ
- پیارے دشمن
- ڈہ کو د گیا
- چار سوراخ
- شنی خیز لمحات
- تیری طرح
- میر، آرہا ہوں
- بس ایک فائدوں

"اور یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟"  
"ان کا نام شاہ عظیم ہے۔"

"شاہ عظیم - ریاست دلیر کے والی۔ انپکڑ جہشید کے  
لئے میں حیرت تھی۔  
"اوہ - آپ مجھے جانتے ہیں۔" شاہ عظیم نے خوش ہو کر  
کہا۔

"انجارات میں آپ کا ذکر اکثر پڑھا ہے۔ لیکن آپ  
وگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ بھی کہانی ہے انکل - بہر حال ہمیں سلطان جنگ جانا  
ہے۔ آپ بھی شاید وہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں - لیکن آپ وگ پیدل کیوں ہیں۔ شاہ عظیم اور پیدل،  
تو بہت عجیب یات ہے؟ انپکڑ جہشید بولے۔

"یہ بات بھی بھی کہانی کا، ہی حصہ ہے۔ شوکی نے بے چارگی  
کے مالم میں کندھے آچکائے۔

"اوہ ہاں - واقعی - خیر - آجائیں جیپ میں۔ راستے میں آپ  
کی کہانی سن لیں گے؟"

"لیکن انکل - میرے خیال میں یہ کسی طرح مناسب  
نہیں رہے گا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے آپ کو یہ کہانی  
سن لینی چاہیے۔" شوکی نے کہا۔

"اگر یہ ضروری ہے تو، مم اس جگہ جیپ سڑک سے اٹا  
لیتے ہیں اور درختوں کے درمیان لے چلتے ہیں۔"  
"یہی مناسب رہے گا۔ اوہ - انکل اکرام - ہمارا سلام  
قول فرمائیے۔ شوکی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔  
"میں بھی سوچ رہا تھا کہ آپ وگوں کو کب نظر آتا ہوں۔"  
اکرام مسکرا یا۔

"معاف کیجیے گا۔ نظر تو آپ پہلے ہی آگئے تھے۔ با توں  
کی وجہ سے سلام کا خیال ہی نہ رہا۔"  
"خیر - دیر آئیہ درست آئید۔"  
وہ درختوں کے درمیان آگئے اور جیپ میں بیٹھ گئے۔  
جیپ کا انجن بند کر دیا گیا۔  
"ہاں تو اب ہو جائے کہانی کا ذور۔" انپکڑ جہشید خوش گوار  
لئے میں بولے۔

شوکی نے اپنی کہانی شروع کی۔ انپکڑ جہشید اور اکرام  
پوری دل چھپی سے سُننے رہے۔ شاہ ہٹل میں ہونے والی  
کہانی کے ذکر پر انپکڑ جہشید کی آنکھیں اور چہلیں گیکیں۔ چر جب  
شوکی نے بٹوے کا ذکر کیا تو وہ چونک ہی اُنھے:  
"بٹوہ۔" ان کے مذہ سے نکلا۔  
"بھی ہاں بٹوہ۔" شوکی نے کہا اور آگے بیان کرنے لگا۔

چھلانگ لگانے والے شخص کے بارے میں سُن کروہ  
دولوں اور بھی حیرت دوہ ہو گئے۔ اور پھر چھولداری کے ذکر  
پر بے چین ہو گئے۔ انپکٹر جمیش سے رہا ذہنیا:

"ایک منٹ شوکی۔ اب یوں کام نہیں چلے گا۔"

"تو پھر کیسے کام چلے گا۔ یہ آپ بتا دیں۔" شوکی مسکرا یا۔

"ہم یہاں سے اس جگہ چلتے ہیں۔ جہاں وہ پر امرار آدمی  
تمیں ملا تھا۔ وہاں سے، ہم اس طرف چلیں گے جہاں اس نے  
کار پکڑی تھی اور اس طرح ہم اس چھولداری تک پہنچنے کی  
کوشش کریں گے۔ اس دوران تم اپنی کہانی جاری رکھنا۔"

"بھی بہتر۔ یوں ہی سی۔" شوکی نے کہا۔

جیپ پل پڑی۔ شوکی کہانی سناتا رہا۔ انپکٹر جمیش  
چونکے رہے۔ اور جب اس نے یہ بتایا کہ بڑوہ ان کے ساتھی  
شاہ اعظم کا ثابت ہوا ہے تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا:  
"کیا۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں؟"

"کیوں جا ب۔ اس میں کیا عجیب بات ہو گئی؟"

"عجیب بات یہ ہے کہ بڑوے میں سے بیرے وغیرہ نہیں  
نکالے گئے۔ صرف وہ کاغذ نکالا گیا ہے۔ جس پر خرید و فروخت  
کی تفصیل لکھی تھی۔ آخر یہ کیا بات ہوئی؟"

"اس بات پر تو ہم بھی حیران ہیں۔"

"اگر یہ وہی بڑوہ ہے۔ تو پھر یہ حد درجے سخنی خیز معاملہ  
ہے: انپکٹر جمیش بڑوہ اتے۔"

"بھی۔ کیا فرمایا۔ وہی بڑوہ۔ کون سے بڑوے کی بات کر  
رہے ہیں آپ۔"

"ایک بڑوے کی کہانی میں بھی تم دو گوں کو سُن سکتا ہوں  
شوکی بڑوہ مسکراتے۔"

"بھی کیا مطلب۔ بڑوے کی کہانی۔ یہ اس بارہ ہم بڑوں کی  
کہانیوں میں تو نہیں پھنس گئے۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا اور اکرام  
کی ہنسی بدل گئی۔

"اور جب تم میری بڑوے کی کہانی سُنو گے تو تمہارا حال  
مجھ سے بھی گرا ہو گا۔ وہ بولے۔"

"انخل۔ اب آپ ہمارا حال گرا کرنے پر انخل ہی گئے ہیں  
تو پھر دیر کا ہے کی۔ شروع کریں۔"

"نہیں۔ میں سوچ رہا ہوں۔ پہلے اس چھولداری کا  
جاائزہ لے دو۔ وہ لوگ تو نیز اب وہاں نہیں ہوں گے۔  
اور شاید چھولداری بھی اکھاڑا لے گئے ہوں؛ تاہم اس کے  
آثار ضرور موجود ہوں گے اور ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی سراغ  
چھوڑ گئے ہوں۔ میں ان کا سراغ لگانے کے لیے بے چین  
ہوتا جا رہا ہوں۔"

"اُنکل۔ ایک بات پوچھتا تو ہم بجول ہی گئے۔ آفتاب کو خیال آیا۔

"محمد۔ فاروق اور فرزاد کے بارے میں۔ کیوں ٹھیک ہے تا۔" انپکڑ جشید بولے۔

"جی۔ جی ہاں؟"

"وہ پستے ہی سلطان جنگ پسخے ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ نان رحمان اور پروفیسر داؤڈ بھی ہیں۔"

"اوہ۔ تب تو۔ تب تو۔"

"یر تب تو تب تو کیا ہوا بھائی؟ اکام بولا۔"

"پتا نہیں۔ ہم کیا کہا چاہتے ہیں۔ بہر حال۔"

"وہ رہی چولداری۔ یہی ہے تا۔"

انپکڑ جشید کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔ انھوں نے جلدی سے سامنے دیکھا۔

"جی ہاں؟ باکل بھی ہے۔"

نزدیک پسخ کر وہ جیپ سے آتے۔ چولداری، کرسی۔ لکھی ہوئی رسیاں اور سگریٹ کے مکڑے وہاں موجود تھے۔

انھوں نے ایک ایک چیز کو خود سے دیکھا۔ قدموں کے نشانات کا بھی بخوب جائزہ لیا، پھر انپکڑ جشید بولے:

"اور اب ہم یہاں سے شہر پیسیں گے، کیوں کہ مجھے ہوئی

یہاں کے مالک سے مٹا ہے۔ اس سے ملاقات بہت ضروری ہے۔"

"اب تو شاہ اعظم صاحب کی گرفتاری کا بھی خطرہ نہیں رہا۔" شوکی نے کہا۔

"ہاں بفکر نہ کریں۔ ویسے اس کافند پر لکھا پھر تحریر تھا، لیکن کس چیز کی خرید و فروخت کا معاملہ درج تھا؟"

"ایک چیز کے علاوہ باقی تمام چیزیں روزمرہ ضروریات کی چیزیں تھیں۔ بس ایک سودا بہت بڑا تھا۔ اب تک طے کی گئیں اس کی تفصیلات درج تھیں۔ لیکن اس کافند کی اہمیت ہی کیا ہے۔ میں اس کافند کے بغیر بھی تو وہ سودا کر سکتا ہوں۔" شاہ اعظم نے کہا۔

"اور وہ کیا ہے؟ انھوں نے پوچھا۔

"ایک دور دواز جنگ پر پانی کا بہت عظیم ذخیرہ کرنے کا پلانٹ لگایا گیا ہے۔ بارشوں کا پانی زیر زمین جمع کیا جائے گا۔ جو ملک کی ضروریات کے کام آیا کرے گا۔ اور اس طرح بھلی کی تفتت بھی پیدا نہیں ہو گی۔ یہ منصوبہ غیر ملکی ماہرین کی نگرانی میں شروع کیا گیا تھا۔ اور اس میں باقاعدہ انتشار سے بھی مدد لی گئی ہے، کیوں کہ آپ کا ملک پانی کی تفتت کی وجہ سے بے شمار پریشا نیوں کا شکار

ہو گیا ہے۔ لہذا ماہرین نے اس کا حل یہی سوچا کہ بارشون کے موسم میں پانی کو ذخیرہ کر لیا جایا کرے اور قلت کے دنوں میں کام میں لا لایا جائے۔ یہاں تک کہ کہ شاہ اعظم خاموش ہو گئے۔

”میں اس منصوبے سے باخبر ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے؟ انپکٹر جمیڈ کے لئے میں یہتھی تھی۔“

”یہ منصوبہ میری ریاست کے بالکل قریب شروع کیا گیا ہے۔ ادھر میری ریاست کی زمین پر بھی ایک منصوبے پر کام ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ بے اطمینانی کا شکار ہو گئے، میں اور ریاست چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چند ماہ میں ہی ریاست میں آدھے لوگ رہ گئے۔ بھی ایک شخص کا فون ملا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی تھی کہ میں ریاست کی زمین اسے فروخت کر دوں۔ شاید اسے کسی طرح ان حالات کا علم ہو گی ہوگا۔ اس نے فون پر یہ بھی کہا کہ اب جب کہ لوگ وہاں سے نقل مکانی کر رہے ہیں، تو والی بھیں پھیز کارہ جاؤں گا۔ اس سے پہلے میں منصوبے کے لیے زمین دے چکا ہوں۔ تو کیوں نہ میں باقی زمین بھی فروخت کر دوں۔ وہاں کے لوگ باعت طریقے سے

اس تک میں شہرت اختیار کر لیں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ شہرت دوانے میں بھی وہ ہو کرے گا۔ اور اس طرح بھے ایک بہت بڑی رقم مل جائے گی۔ جس کے ذریعے میں یہاں کوئی بڑا کاروبار شروع کر کے شاہزاد نندگی گزار سکتا ہوں۔ یہ تجویز میرے دل کو لگی۔ ان حالات کی وجہ سے میں بھی بہت پریشان رہنے لگا تھا، لیکن یہ حل کبھی مجھے نہیں سوچا تھا۔ یہاں تک کہ کہ وہ خاموش ہو گیا۔

”سوال یہ ہے کہ ریاست کے نوگوں کو کیا پریشانی لاحظ ہو گئی تھی۔“

”کسی نے ان کے ذہنوں میں یہ خوف بھر دیا کہ زیر زمین پانی اس ریاست کی جہزوں میں بیٹھ جائے گا اور پوری ریاست بخرا اور ویران ہو کر رہ جائے گی۔“

”ہمُوں! تو آپ اپنی ریاست کی باقی ماندہ زمین فروخت کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ کہ یہ معاملہ پیش آگیا۔ یعنی وہ نا معلوم شخص آپ کو اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے خود شاہ اعظم بن کر شاہ ہو ٹھی پہنچ گیا تاکہ پہلے سے طے شدہ پروگرام میں فرق نہ پڑے۔ اور آپ کا بٹوہ بھی لے گیا۔ لیکن۔ یہ کیا بات ہوئی؟ انپکٹر جمیڈ پوچک اُٹھے۔“

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلوب یہ کہ آپ کا بٹوہ نقلی شاہ اعظم کی جیب سے نہیں،  
ماستر بون کی جیب سے اڑایا گیا تھا۔"

"ماستر بون۔ یہ کون ہے۔ میں نہیں جانتا۔"

"ادہ۔ ادہ۔ یہ تو بہت ہی گرا معاملہ ہوتا جا رہا ہے۔  
اس کا مطلب ہے۔ بٹوہ نقلی شاہ اعظم نے ماستر بون کو بھجا  
دیا تھا۔ لیکن کیوں۔" وہ بڑا نے کے انداز میں کہتے چلے گئے۔  
"آخر ماستر بون کون ہے؟"

"ہے نہیں۔ تھا۔ مارا گی۔ اسے کسی نے قتل کر دیا  
تھا۔ اور شاید اسی بٹوے کے سے میں قتل کیا گیا تھا۔ وہ  
ہوشیاب کا سبز تھا۔"

"ہمارے تو کچھ پتے نہیں پڑ رہا۔" شوکی بڑا یا۔

"کوئی پتے پڑے گا بھی نہیں۔" میں فوری طور پر شر  
پہننا ہے۔ میں غلط فہمی کا شکار رہا۔ ہوشیاب کا اس  
نا معصوم آدمی یعنی نقلی شاہ اعظم سے کوئی گرا تعلق ہے۔  
ادہ ہاں۔ اس شخص کا کیا نام ہے۔ خاب۔ جس نے فن پر  
آپ سے سو دے کی بات کی تھی؟"

"یہی تو جیران کی بات ہے۔ اس آدمی نے بھی اپنا  
پتا۔ ہوشیاب ہی بتایا تھا۔ شاہ اعظم نے کہا۔"

"کیا؟ انپکڑ جمیشید چلا۔"

"بھی ہاں؛ بالکل یہی نام بتایا تھا۔"

"اور خود اس نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟ انپکڑ جمیشید  
پُر جوش انداز میں بولے۔"

"ایساں بھاگڑا۔" اس نے کہا۔

"ادہ؟ ان کے منہ سے مارے جرت کے نکلا۔"

"یکوں انکل۔ خیر تو ہے۔ آپ یہ نام سن کر جرت زدہ  
ہو گئے؟"

"جرت زدہ نہ ہوں تو اور کیا کروں۔" ایساں بھاگڑا

ہوشیاب کا مالک ہے اور اس وقت گرفتار ہے۔"

"ارے؟ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ان کی آنکھیں  
بھی جرت سے پسیل گئیں۔"

"وہ فوری طور پر پولیس ہیڈ کو اڑ پہنچے، لیکن وہاں سے  
معلوم ہوا کہ ایساں بھاگڑا کی ضمانت لے لی گئی ہے۔ اور  
ہوشیاب سے مطڑی پولیس بھی واپس بلا لی گئی ہے۔ انپکڑ جمیشید  
کو بہت خستہ کیا، لیکن یہ وقت خستہ جھاڑنے کا نہیں تھا۔"



"بھی بہتر۔ میں سمجھو گی": اس نے مکرا کر کہا۔

اور وہ براہمے کی طرف بڑھ گئے۔ اسی وقت کوک  
نے ٹاٹو ریسیور کی طرف بڑھایا۔

"نہیں مژا۔ انپکڑ جہشید مجھے اسی لیے تو یہاں کھڑا کر  
گئے ہیں۔"

"اوہ۔ میں سمجھاتا۔ آپ مجھے دماغ میں سوراخ کا مطلب  
باتھے کے لیے رکے ہیں۔" اس نے طنزی بچھے میں کہا۔

"مطلوب تو میں اسی وقت بتا سکتا ہوں نا۔ جب آپ  
میری طرف توبہ دیں، لیکن آپ کی توبہ ہے فون کی طرف۔  
شوکی مسکرا یا۔"

"اوہ ہاں۔ یہ بھی ہے: اس نے کہا۔

"ہے نا۔ بس تو پھر۔ آپ پھتنے پوری طرح میری طرف  
توبہ ہو جائیں۔ اور جب متوبہ ہو چکیں تو مجھے اطلاع نہیں  
دیں۔ تاکہ میں آپ کو دماغ میں سوراخ کا مطلب بتا سکوں۔  
جا یئے خاب۔ آپ بھی جائیے۔ آپ کے ساتھی انہوں نہیں  
ہو چکے ہیں۔" اس نے مذہب بنایا۔

"شاید آپ اپنے سوا باقی سب کو حمل سے باہکل پیدل  
خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم ابھی ابھی جیپ میں سوار ہو  
کر آئے ہیں۔"

ان کی بیچ پہلوی سماں کے سامنے رک گئی۔ نیچے  
اتر کروہ دروازے کی طرف بڑھے۔ کافی رونق تھی۔ کچھ  
لوگوں کی نظر میں شاہ اعظم پر جم گئیں، کیوں کہ اس کا باب  
شاہزاد تھا۔ ہال میں داخل ہو کر انہوں نے چاروں طرف  
دیکھا، لیکن ایساں بھاگڑا کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اب وہ کاؤنٹر  
کی طرف بڑھے:

"مجھے مژا ایساں بھاگڑا سے ملا ہے۔"

"اوہ۔ آپ۔ آپ۔ آپ۔"

"آپ کی گردان کرنے کی بجائے یہ بتائیں کہ مژا ایساں بھاگڑا  
کہاں ہیں؟" انپکڑ جہشید نے مذہب بنایا۔

"نج۔ جی۔ اپنے کرے میں۔"

"اور ان کا کمرہ کون سا ہے؟"

"نال کی سیدھی میں چلنے جائیں۔ براہمے کا آخری کمرہ  
ان کا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں فون پر اطلاع دینے کی کوشش نہ  
کرنا۔ ورنہ دماغ میں سوراخ ہونے کا مطلب  
کہاں۔"

"بھی کیا مطلب؟"

"شوکی۔ تم اسے دماغ میں سوراخ ہونے کا مطلب  
بتا دو۔ ہم چلتے ہیں۔"

" یہ کیا بات ہوتی؟  
بات ہوتا کوئی شرط نہیں ہے: شوکی بولا۔  
پتا نہیں۔ آپ کیا کہ رہے ہیں؟  
اوو میں سعدہ پیدا کرنے کی کوشش کریں:  
ایک بات بھی پڑنے نہیں پڑی اب تک: وہ جل گیا۔  
اور نہ پڑنے گی۔

آخر۔ آپ اندر یوں نہیں پڑے جاتے، جب کہ آپ کے ساتھی اندر جا پچکے ہیں:

" میں اتنا بے وقوف نہیں۔ اور جو صاحب مجھے یہاں کھڑا کر گئے ہیں، وہ مجھ سے کمی گن عقل مند ہیں۔ یہاں مجھے بلا دبر نہیں کھڑا کر گئے:  
کیا مطلب یہ وہ پڑنکا۔

مطلب یہ کہ اگر معاملہ صرف اتنا ہوتا کہ میں آپ کو فون کرنے کی کوشش نہ کرنے والوں تو وہ مجھے یہ ہدایت دے کر جاتے۔ کہ جوں ہی، ہم کمرے میں داخل ہوں۔ تم بھی آجائنا، لیکن انہوں نے یہ بات نہیں کہی۔ اور اس کا مطلب صرف اُو مرف یہ ہے کہ مجھے باہر ٹھہرنا ہے۔ کیوں ٹھہرنا ہے۔ یہ بات خود میں بھی نہیں سمجھ سکا:

" اچا۔ اب میرا دماغ نہ چاٹیں۔ اور ہال میں کسی کوئی

پر بیٹھ جائیں۔"

" میں یہ بھی نہیں کروں گا: شوکی مکرایا۔

" عجیب آدمی ہیں آپ۔ آخر چاہتے کیا ہیں؟"

" میرے ساتھی مژا ایساں بھاگدا سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور ان کی ملاقات کے دوران مجھے باہر رہنا ہے اور بس۔" اس نے کندھے اچکائے۔

" تو پھر کھڑے رہیں۔ میرا کیا جاتا ہے؟

" پڑتے ہی یہ بات کہ دیستے۔ اتنی لمبی پڑھتی بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

" میرا دماغ چل گیا تھا۔ سمجھ گئے آپ۔" اس نے جل بھن کر کہا۔

" ہاں ا جسلا اتنی سی بات بھی نہیں سمجھوں گا۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

" میں نے آپ جیسا شخص آج تک نہیں دیکھا ہو گا۔" اس نے کہا۔

" یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ آج جی بھر کر دیکھو لیں، کیا خبر پھر موقع طے نہ طے؟"

" اُت۔" اس نے کافلوں پر دونوں ہاتھ درکھلیے۔

اسی وقت انڑکام کا بلب بل آٹھا۔ اس نے دیکھو

اٹھا کر کہا:

"یس سر"

غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف گھوم گیا تھا۔ اور اسی وقت ان لوگوں نے اسے دیکھ لیا۔ ان کے منہ مارے جیرت کے گھل گئے، پھر ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

"ہائیں۔ شوکی۔ تم۔"

"مم۔ میں۔ ہی ہوں شاید۔" شوکی ہنکلایا۔

"ہائیں۔ اب تمہیں اپنے اپ پر بھی یقین نہیں رہ۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"ہو گیا گھورنا شروع۔ اب نہ جانے یہ بسلد کب تک چلے۔" شوکی نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"یکن ہر فتم کیوں نظر آ رہے ہو شوکی یا رہ؟" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ میرے تینوں بھائیوں کو ان پکڑ جمیشید صاحب اندر لے گئے ہیں مثرا ایساں بھاگڑا کے کمرے میں۔"

"ارے! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔"

اور پھر وہ بے تھاشا اندر کی طرف بڑھ گئے۔ شوکی اب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"اور آپ اب بھی نہیں گئے؟" کلرک کے لجھے میں جیرت تھی۔

"نہیں۔ میں ذرا ڈر پوک واقع ہوا ہوں۔"

دوسرا طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا۔ اس نے فودا شوکی کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں جیرت سے چیل گئیں، ادھر شوکی نے اس وقت دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کی جیرت کی انتہا رہ رہی۔ محمود، فاروق، فرزاد، خان رحمن اور پروفیسر داؤد چلے آ رہے تھے۔

"کیوں جناب۔ آپ کس بات پر حیران ہیں۔" شوکی نے اپنا منہ فوراً کاونٹر کلرک کی طرف کیا۔

"اندر سے مثرا ایساں بھاگڑا نے قون پر کہا ہے کہ آپ لوگ بہت معزز مہمان ہیں۔ کوئی بد سلوک نہ کی جائے۔"

"تو آپ اب تک ہمیں بالکل غیر معزز خیال کرتے ہے ہیں۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"آپ۔ آپ مجھے کیا معلوم تھا جناب۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔" شوکی نے کہا۔

"آپ آپ شوق سے ان کے کمرے میں جا سکتے ہیں۔"

کلرک بولا۔

"افسوس! میں اب بھی ایسا نہیں کروں گا۔ کیوں کرے؟" اس کا کیوں کر درمیان میں ہی رہ گیا۔ اس کا منہ

”کی مطلب۔ کیا مرٹا ایساں بھاگڑا کے کمرے میں جانا صرف دلیر لوگوں کا کام ہے۔ یہ کس نے کر دیا آپ سے۔“ کلوک کے لمحے میں بلا کی حیرت در آئی۔

”کہا تو کسی نے نہیں۔ بس میرا اندازہ ہے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں بھی۔ آپ بے دھڑک اندر جائیں۔“

”آخر آپ مجھے اندر بیٹھنے پر کیوں تل گئے ہیں۔ میں آپ کو یہاں کھڑا ہوا مرا لگ رہا ہوں۔“

”نہیں تو۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے مذہبیا۔

”آپ نے ایک بات نوٹ کی۔“ شوکی مسکرا کیا۔

”لگ۔ کون سی بات؟“

”یہ کہ سننے آئے والے بھی اندر جا کر رہ گئے۔“ مجھے بلانے کے لیے ان میں سے بھی کوئی نہ نکلا۔“

”تو پھر۔ میں کیا کروں۔ وہ آپ کو جھوول گئے ہوں گے۔“

”ہاں شاید۔ میں ہوں، ہی بھلا دی جانے والی چیز۔“ شوکی

نے اداں ہو کر کہا۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”آپ۔ آپ تو آپ مجھے اندر بیٹھنے پر مستحکم تھے۔“ کلوک بھونپکارہ گیا۔

”ہاں اس لیے کہ میں وجہ جہاں پر حرف تکرر نہیں ہوں۔“ شوکی نے کہا۔

”میں بھی نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”میں اس دنیا میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔“

”ہاں ایسے تو شیک ہے۔ لیکن آپ کیا۔ کوئی بھی نہیں اُتے گھو۔“

”تو پھر آپ بھی اداں ہو جائیں تا۔“ شوکی بولا۔

”م۔ م۔ ہاں؛ میں بھی خود کو اداں عحسوں کر رہا ہوں۔ اسی نے کہا اور واقعی اس کی آنکھوں سے غم جانکرنے لگا۔

”یہ ہوتی نا بات۔ اب چوں کر، ہم ایک ہی کشی میں سوار ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ بتا دیں کہ اندر کیا حالات ہیں؟“

”آپ کے ساتھی مرٹا ایساں بھاگڑا کی زد میں ہیں۔“ کلوک نے بتایا۔

”اوہ! اس کے مزے نکلا۔“

”اوہ وہ آپ کو بھی اسی لیے اندر بلا رہا ہے۔“

”اب تو مجھے بھی جانا ہی ہو گا۔“

”نہیں۔ آپ نہ جائیں۔ ورنہ آپ بھی مارے جائیں گے۔“ کلوک بولا۔

”ابھی تو آپ مجھے اندر بیٹھنے پر مستحکم تھے۔“

”لیکن اب نہیں۔ آپ نے مجھے نموت یا وہ ولادی۔“ اُنکے دن تو اللہ تعالیٰ کو جان دینا پڑئے گی۔ اور اس کے راستے

حاضر ہونا پڑے گا:

"اس میں تو کبھی مسلمان کو ذرا بھی خلک نہیں۔"

"تب پھر میں اس ہوش میں کام نہیں کر دیں گا۔ آئیے آپ بھی میرے ساتھ باہر نکل پیٹے۔ میرے ساتھ جانتے دیکھو کر کوئی آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ میر ایسا بھاگڑا کی بدایات ہیں کہ اندر داخل ہونے والوں سے وہ خود نہیں بیس لے گے۔ باہر جو کوئی بھی موجود ہے۔ اس پر تفریحیں۔"

"اوہ! شوکی کے منہ سے نکلا۔

"لماں! اور میں تو آپ کو جان سے مادری ڈالنے والا تھا۔ مارنے والا اس نے ایک طریقہ بتا رکھا ہے۔ میں اس پر عمل کرنے ہی لگا تھا کہ آپ موت کا ذکر لے بیٹھے۔"

"اوہ بڑے اچھے وقت پر موت کا ذکر یاد آیا۔ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"آئیے۔ میں آپ کو ہوش سے باہر پہنچا دوں اور خود بھی فاب ہو جاؤں۔"

"افہوس۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔"

"کی مطلب ہے وہ چونکا۔"

"میں اپنے ماتھیوں کو صیبت میں چھوڑ کر کس طرح جا

۔ ملتا ہوں۔"

"اب ڈھونڈتے ہیں کہاں رہے ہیں۔" کوک نے کہا۔

"کی مطلب ہے ٹھوکی کا نام گیا۔"

"وہ تو اب تک موت کے منہ میں جاں لکھ پکھے ہیں۔"

"نہ۔ نہیں۔ یہ۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"ایساں بھاگلار گئے کمرے میں جانے والا دشمن اُچھے

پنج کر نہیں سکتا۔"

"اور آپ مجھے کھل طریقہ سے مارنے لگتے ہیں۔" تو آپ

مجھے بتا دین۔"

"وہ ایک لمبا طریقہ ہے۔ میرے پاس بتانے کا وقت نہیں،  
کیوں کہ اب مجھے یہاں سے ہر حال میں نکل جانا ہے۔" کوک  
نے کہا۔

"اوہ۔ اور میں کیا کروں؟"

"لطف کی ارضی کی بات ہے۔"

"اس کمرے پر داخل ہونے کا کوئی اور راستا ہے؟"

شوکی نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"تب پھر میں بھی اتنی راستے سے انہلا جاؤں گہا۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ یہ موت کو آواز دینے کے

را بہرہے:

"میں ان کے بیغزندہ رہ کر کیا کروں گا۔ جو بھئے  
یہاں کھڑا کر گئے تھے۔ افسوس میں ان کے کام نہ آسکا۔ بھئے  
تو چاہیے تھا۔ میں ان کے کام آتا۔ انھیں صیحت سے نکلنے  
کے لیے لاٹھ پیر ہلاتا۔ اور میں یہاں کھڑا آپ سے باتیں کرتا  
رہا۔ وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ افسوس!"  
"میں جا رہا ہوں۔ آپ اس ہوشیل کا رخ بکھی نہیں کروں گا۔"  
کاؤنٹر کلر کے جذباتی آواز میں کہا۔

"اور میں اس کمرے میں جا رہا ہوں۔ اگر میرے ساتھی  
اندر زندہ نہ ہوئے تو میں بھی اس کمرے سے کبھی نہیں بچلوں  
گا۔"

اس نے جیسے شوکی کا جملہ سنایا نہیں۔ کاؤنٹر کے چیچے  
سے بخل کر باہر آیا اور انھوں کی طرح صدر دروازے کی  
طرف چلتے گا۔

اچانک وہ تری سے گرا اور ساکت ہو گیا۔ ہال میں بیٹھے  
لگوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اڑے۔ اڑے۔ انھیں کیا ہو گیا بھئی۔ کتنی آوازیں آہریں۔  
دو تین بیرے فوراً اس کی طرف بڑھے۔ انھوں نے  
اسے ہلا جلا کر دیکھا اور پھر ان کے منہ سے نکلا:

"اوہ ہو۔ تو مر چکا ہے؟"

"مر چکا ہے۔ کیا۔ کتنی لوگ چلا آئئے۔"

"ہاں! بے چارہ دل کا مریض تھا۔ پہنچے بھی دو مرتبہ دل  
کا دورہ پڑ چکا تھا۔"

"اوہ۔ اوہ۔"

شوکی کو یہ الفاظ بہت دور سے آتے محسوس ہوئے اور  
پھر وہ اس طرح قدم اٹھانے لگا جیسے نیند کی حالت میں ہو۔  
اس کے قدم ایساں بجا گذا کے کمرے کی طرف اٹھ رہے  
تھے۔

سے رہا، اس وقت بٹوہ شیخ پر گرا ہو گا۔ رہائی کے دوران میری نظریں شیخ کے ایک طرف پڑی تھیں۔ میں نے وہاں چند رکون کی ایک جملک دیکھی تھی۔ بٹوہ ضرور ان میں سے کسی کے پاس ہے۔ گویا ہمیں ایک بار پھر شاہ ہو ٹل چلا ہو گا۔

”آخر اس بٹوے کی اہمیت کیا ہے؟“

”میں نہیں جانتا، لیکن بیرے نے جس انداز سے بٹوہ ماٹر بون کو دیا اور کان میں جس انداز سے کچھ کہا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس نے کوئی بہت اہم چیز اس کے حوالے کی ہے۔ بس میں نے سوچے کچھے بیٹر اسے اڑایا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، وہ کچھے زیادہ ہی اہم ہے۔“

شاہ ہو ٹل کے قریب پہنچ کر وہ لیکسی سے اترے۔ اور انہوں نے اگل ہوئے۔ لوگ اخیں دیکھ کر چونک آئے۔ رامل پیک کر ان کی طرف آیا۔

”میں جب اس شخص سے رُڑ رہا تھا۔ اس وقت میری جیب سے ایک بٹوہ شیخ پر گرا تھا۔ اور میرا خیال ہے۔ شیخ کے اندر کی طرف چند رکون کے بیٹھے تھے۔ ہونزہو ان میں سے کسی نے بٹوہ اڑایا ہے۔“

”اوہ۔ میں سمجھ گیا۔ دراصل ہم برلن دھونے کے لیے رکون کو عارضی طور پر رکھ لیتے ہیں۔ ضرور ان میں سے

## بلا مضم

”نیز تو ہے ابا جان۔ آپ پریشان ہو گئے۔“

”بٹوہ۔ جو میں نے سماں ہو ٹل کے میخڑ کی جیب سے اڑایا تھا۔ وہ غائب ہے۔“

”غائب۔ یعنی کسی نے آپ کی جیب سے بھی بٹوہ غائب کر دیا۔“ فرحت کے لمحے میں یہتھ تھی۔

”نیز۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔“  
”جی کیا مطلب؟“

”یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی نے بٹوہ میری جیب سے نکال یا ہوا اور مجھے پتا نہ چلا ہو۔“

”تب پھر ہم آصف نے یہتھ زدہ انداز میں کہا۔  
”مجھے سوچنے دو۔ ٹھہرو۔“

”وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر انہوں نے سر آٹھا کر کہا۔  
”ٹھیک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ جب میں نقلی شاہ عالم

” یہ ٹھیک کر رہے ہیں جاپ۔ چار نئے لڑکے اندر آئے تھے، لیکن برتن دھونے بیزیر چلے گئے تھے۔ جن لوگوں کو نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوہ مل جائے۔ وہ بھلا ہوٹل کے برتن دھونے کے لیے ٹھہریں گے۔“

” اوہ۔ ان کا کوئی نام پتا۔“

” جی نہیں۔ وہ بالکل نئے تھے۔“

” ہوں۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کندھے اچکائے۔“

” کیا اس بٹوے میں کوئی بہت قیمتی چیز تھی جاپ؟ راحل نے پوچھا۔“

” یہی سمجھ لیں۔ انہوں نے کہا اور واپس مڑ گئے۔“

” یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ باہر نکل کر آصف بولا۔“

” کیا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہیں ہم اس ہوٹل کے مالک کو تو ہٹوٹل ہی سکتے ہیں، شاید اسے بھی بٹوے کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ اسپکٹر کامران مرزا نے خیال ظاہر کیا۔“

” آپ کا مطلب ہوٹل سیماپ کے مالک سے ہے۔ جس کے میزیر کی جیب سے آپ نے بٹوہ اڑایا تھا۔“

” ہاں۔ یہی بات ہے۔ آؤ جلدی کرو۔“

” وہ میکسی میں بیٹھئے اور ہوٹل سیماپ کی طرف رواز ہوئے، انہوں نے خاور جیلانی والا میک آپ ختم کر دیا تھا۔ ہوٹل

پکھ آکر مقابلہ دیکھنے لگ گئے ہوں گے۔ آئیے۔ ان سے پوچھ دیتے ہیں۔“

” وہ اس کے ساتھ پچھے جتے میں آئے۔ سب لڑکوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔“

” تم میں سے مقابلہ کس کس نے دیکھا تھا آج ہے راحل نے سرد آواز میں پوچھا۔“

” نج۔ جی۔ وہ۔ وہ۔“ لڑکے ہمکلانے لگے۔

” وہ لڑکے الگ ہو جائیں۔ جنہوں نے مقابلہ دیکھا تھا۔“

” ڈرتے کا نپتے چار لڑکے الگ ہو گئے۔“

” اب یہ بتاؤ۔ تم میں سے بٹوہ کس نے اٹھایا تھا۔ بٹوہ ان کی جیب سے اگرا تھا۔ سُنج پر۔“

” بب۔ بٹوہ۔ نہیں جاپ۔ ہم نے کوئی بٹوہ نہیں اٹھایا۔“

” جھوٹ دبو۔ اگر تم نے بٹوہ دیا تو پویس کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔“

” یہ پہنچ ہے جاپ۔ ہم نے بٹوہ نہیں اٹھایا۔“ وہرے نے کہا۔

” یہ سچ نہیں ہے۔ تم لوگوں کو بتانا ہو گا۔ بٹوہ کہاں ہے؟“

” اسے یاد آیا۔ چار لڑکے اور بھی تو مقابلہ دیکھ رہے تھے، بالکل نئے تھے۔ میں نے تو انہیں پہنچ کیسی بھی نہیں دیکھا تھا۔“

” کیا مطلب ہے وہ پوچنے۔“

یہ کتاب اتنے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ میکسی سے اُتر کر اندر داخل ہوتے، لیکن کاؤنٹر پر کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ انپکٹر کامران مرزا ایک بیرے کی طرف بڑھے:

”کاؤنٹر پر کوئی نہیں ہے؟“ انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ابھی ابھی ان کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔“

”اوہ! بہت افسوس ہوا۔ ہوٹل کے مالک سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟“

”کمرہ تو ان کا سامنے برآمدے میں ہے۔ آخری کمرہ۔ لیکن اجازت یعنی ہوتی ہے۔ کائیے۔ میں فون پر بات کرتا ہوں۔“

اس نے فون کا رسیور آٹھا یا اور بولا:

”ہیلو سر۔ کچھ لوگ آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں، جی کیا فرمایا۔ بہتر۔“

یہ کہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور بولا:

”وہ اس وقت بہت مصروف ہیں۔ آپ پھر کسی وقت آ کر ملاقات کر لیجیے گا۔“

”مجھے بہت ضروری کام ہے۔ آپ میرا کارڈ ان میک پہنچا دیں۔“ انھوں نے کہا۔

”وہ انکار کر چکے ہیں۔ اب اگر میں کارڈ لے کر گیا تو

جو پر بگڑیں گے۔“

”تب پھر، ہم خود چلے جاتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ کیسے نہیں ملتے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے مز بنا یا۔

”اس طرح انھیں اور بھی غصہ آئے گا جناب۔“

”آتا رہے۔“ انھوں نے کندھے اچکاتے اور برآمدے کی طرف پہنچا۔

پہل پڑھے۔

بیرے نے جلدی سے رسیور آٹھا یا۔ فرحت نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا:

”انکل۔ وہ ہوٹل کے مالک کو اطلاع دے رہا ہے۔“

”پروانہ ذکر و۔“ انھوں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

جوں ہی نزدیک پہنچے۔ دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا۔ دوسرے لمحہ حیران کئ تھا۔



”شاید ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔“ انپکٹر جمیش کے مز سے نکلا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اپ درمیان سے ہٹ جائیں۔ اور اب ہمیں اپنے اپنے خیالات کا انہصار کر لیتے دیں۔“ فاروق نے آگے آتے ہوئے کہا۔ ”بھی ذرا صبر۔ بہتر ہو گا کہ کمرے کے اندر، ہی آ جائیں، تاکہ ہوٹل کے ملاز میں کو یہ معلوم نہ ہو کہ کمرے کے اندر کیا ہو رہا ہے؟“ انپکٹر جمیش جلدی سے بولے۔

”چلیے خیر۔ یوں ہی سہی۔ ایک بات ہم نے اپ کی مان لی۔ ایک اپ ہماری مان لیں۔“ افتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”ابھی اچھی طرح آمنا سامنا ہوا نہیں اور چلے ہیں بات منوانے۔“ مکھن کی آواز گونجی۔

”لماں۔ یہ آواز تو میاں مکھن کی ہے۔ مگر مکھن یہاں کہاں۔“  
”کیوں۔ کیا سارے شہر کی بھینیں مر گیں؟“ منور علی خان بولے۔

”اوہ اوہ۔ تو آپ بھی ہیں۔“

”ہونے کو تو میں بھی ہوں۔“ اگرام بول آٹھا۔

”آگیا مزا۔“

”ابھی مکمل نہیں آیا۔ اوہر دیکھیں۔ ہمیں اور خان رحمان بھی ہیں۔ پروفسر داؤڈ آگے آکر بولے۔

”اُن۔ قدرت نے ہمیں ایک بار پھر جمع کر دیا۔ السلام علیکم۔“ محمود نے پُر جوش انداز میں کہا۔

”ہاں! یہ تھی بات کھنے کی۔ و علیکم السلام۔“ اصف بولا۔  
پھر وہ گرم جوشی سے آگے بڑھا اور محمود سے چھٹ گیا۔  
”میں نے کہا تھا۔ کمرے کے اندر۔“ انپکٹر جمیش نے سرد آواز میں کہا۔

دونوں جلدی سے الگ ہو گئے اور پھر سب ہاندہ داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا۔ اندر ایک شخص کرسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔

”یہ۔ یہ کون ہے؟“ اصف بولا۔

”ہوٹل یہاں کا مالک۔ ایساں بھاگڑا۔“ انپکٹر جمیش نے بتایا۔

”اور انھی حضرت سے تو ہم ملنے آئے ہیں۔“ انپکٹر کامران فرا چونکے۔

”ان سے ملنے کا تو بہانہ تھا۔ ملنا تو دراصل اپس میں تھا۔“ شوکی بولا۔

”اور یہ حضرت بندھے ہوئے یکوں ہیں؟“

”ہم اس سے ملنے آئے تھے۔ اس نے ہم پر پستول تان لیا۔ ہم بھلا پستول کو کب خاطریں لانے والے تھے۔ فوراً نہیں اسے قابو میں کر لیا گیا۔ اور اس کے بعد کا دُنٹر سے جب بھی بات کی گئی۔ میں نے اس کی آواز میں بات کی۔“

” میں نہیں جانتا۔ اس نے بھتا کر کہا۔

” تم جھوٹ بول رہے ہو، کیوں کہ نقی شاہ اعظم نے اصلی شاہ اعظم کا بٹوہ اس کی جیب سے نکالا تھا۔ وہ بٹوہ اس ہٹل کے ایک بیرے نے تمہارے میخچر کو دیا۔ آخر بٹوہ یہاں کس طرح پہنچ گیا۔“

” یہ بات تو ماڑبوں بتا سکتا تھا۔ یا وہ بیرا۔ ماڑبوں تو قتل ہو گیا۔ وہ بیرا یہاں موجود ہے۔ اس کو نکلا یعنی ہیں۔“ جاگڑا بولا۔

” اور اگر میں یہ کہوں کر۔ اسے تم نے ہی قتل کیا ہے تو۔“ انپکٹر جمیش نے مسلکا کر کہا۔

” نہ۔ نہیں۔“ وہ ہمکلایا۔

” نیز۔ میں پولیس کو فون کر دیتا ہوں۔ اور۔ اس کا ثبوت بھی پیش کروں گا۔“

” کیا مطلب؟“

” میرے پاس ثبوت موجود ہے۔ کہ تم نے ہی ماڑبوں کو قتل کیا تھا۔ صرف اس لیے کہ کہیں میں اس سے بٹوے کے بارے میں نہ اگلوں گوں۔“

” میں۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے اپنے وکیل کو بلانے کی مہلت دی جائے۔“

” اور وہ کون ہے؟“

” اور میں باہر کھڑا یہ خیال کرتا رہا کہ آپ سب اس کی رو میں آگئے۔ ملک کبھی مجھے یہی یقین دلاتا رہا۔“ شوکی نے شرم کر کہا۔

” کیوں نہ پہلے ہم اس سے فارغ ہو لیں، پھر آپس میں بیٹھ کر بات پھیت کریں گے۔ ایک دوسرے کی کہانی نہیں گے، حالات کا جائزہ لیں گے اور یہ سوچیں گے کہ کیا اس بار بھی کوئی مہم درپیش ہے۔ یا ہم بلا مسم ہی یہاں جمع ہو گئے ہیں اور اگر کوئی مہم درپیش ہے تو اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔“ انپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

” بات صحیک ہے، لیکن پہلے ہمیں مختصر طور پر اپنی اپنی کہانی سنانا پڑے گی۔ اس کے بعد ہم ایسا جاگڑا سے بات کریں گے۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

” پہلے یوں ہی سی۔ سب سے پہلے آپ ہی اپنی کہانی سنائیں۔“ انپکٹر جمیش نے انہیں مختصر سی کہانی سنادی، پھر انپکٹر کامران مرزا کی باری آئی۔ اس کے بعد شوکی براورز کی۔ اس طرح کسی تدریج حالات ان کی سمجھ میں آگئے۔ اب انپکٹر جمیش ایسا جاگڑا کی طرف متھے:

” سڑت بجاگڑا۔ تمہارا اس نقی شاہ اعظم سے کیا تعلق ہے

"ضرور کیوں نہیں۔ لیکن پہلے اس بیرے کا نام یا نمبر بتاؤ۔"

"بہت خوب۔ تم شاید لا توں کے بھوت ہو۔ انپکٹر جمیش مسلکاۓ۔"

"کیا مطلب؟"

"فاروق۔ اسے مطلب بتاؤ۔"

"مطلب یہ ہے بھئی کہ لا توں کے جو بھوت ہوتے ہیں تا۔ وہ بس با توں سے بات نہیں مانتے۔ مار کھا کر مانتے ہیں۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" یہ کہ کر انپکٹر جمیش اس کے نزدیک گئے۔ وہ گبرا کر چھپے ہٹا، لیکن اسی وقت انھوں نے اس کا بازو کلائی پر سے پکڑ لیا، جوں ہی انھوں نے اس کا بازو مردا، وہ بلبلہ آٹھا۔

"اب کیا پروردگرام ہے۔"

"نم۔ میں کیا کروں سر۔" اس نے رختی آواز میں کہ اور ایساں بھاگڑا کی طرف دیکھا۔

"اب کیا کر دے گے۔ ساری بات تو بتا دی یہ جملہ کہ کہ۔" اس نے جھلکا کر کہا۔

"تو بٹو، تمہیں مشر ایساں بھاگڑا نے دیا تھا۔ تاکہ تم ماضی بون کو دے دو۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"نہر نو۔" اس نے مجبوری کے عالم میں کہا۔

"محود۔ بیرا نہر نو کو بلا لاؤ۔"

"محود باہر گیا اور بیرا نہر نو کو بلا لایا۔"

"اب آپ فون کر کے جسے بلنا چاہیں، مکلا لیں۔ انپکٹر جمیش بولے۔"

"کس طرح بلتا ہوں۔ میرے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں۔"

"ہم فون کر دیتے ہیں۔"

"پہلے نہر نو سے بات کر دو۔" اس نے تملکا کر کہا۔

"اوہ ہاں! ضرور۔" یہ کہ کر انپکٹر جمیش نہر نو کی طرف مڑے۔

"تم نے ایک بٹو، ماضی بون کو دیا تھا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"پتا نہیں۔ دیا ہو گا، اس میں خاص بات کیا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"وہ بٹو، تمہیں کس نے دیا تھا اور تم نے آگے ماضی بون کو کیوں دیا۔ بس اتنا بتا دو۔"

"کسی نے مجھے کوئی بٹو نہیں دیا۔ اور میں نے کسی کو دیا۔ اس نے بے خوف ہو کر کہا۔"

” لیکن اس بٹوے میں تھا کیا ؟ آپ تک کس طرح پہنچا ؟ ”  
” مجھے میرے کسی چر اسرار دوست نے ارسال کیا تھا ؟ ”  
ایساں بھاگڑا نے جمل بھن کر کہا۔

” اس سے اچھا کوئی جھوٹ نہیں سو جھاشاید۔ ”

” جو جی میں آئئے سمجھ لیں۔ ” وہ بولا۔

” خیر۔ معلوم ہو گیا کہ آپ کچھ بتانا نہیں پہلتے۔ ورنہ  
آپ بٹوے کے بارے میں کچھ رکھ جاتے ضرور ہیں۔ ”

” میں کیوں نہ خیال پیش کر دوں۔ ” فرزانہ بول انھیں۔  
” ضرور کیوں نہیں ؟ ”

” مشر ایساں بھاگڑا کو بٹوہ مژہ نقل شاد اعظم نے دیا  
تھا۔ فرزانہ نے کہا۔ ”

” سوال یہ ہے کہ کیوں ؟ ”

” آپ کو میں بتاؤں گا، لیکن صرف اندازہ ہے۔ ہو سکتے  
ہے، ہاتھ کوئی اور ہو۔ ” انھوں نے انپکٹر جمیش کی اواز  
سمی۔ ”

” پہلے۔ آپ بتا دیں۔ ” میں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔  
” بٹوے کے اصل مالک۔ یعنی شاہ اعظم ہمارے ساتھ ہیں،  
انھوں نے ہمیں بتایا ہے کہ بٹوے میں سے ایک کاغذ گم ہے،  
اور وہ کافہ ایک بہت بڑے سودے کے بارے میں تھا۔ ”

” شاہ اعظم اور مشر ایساں بھاگڑا کے درمیان ہوتا تھا۔ کیوں مژہ  
بھاگڑا فتحیک ہے ؟ ” انپکٹر جمیش نے طنزیہ لجئے میں کہا۔

” جب آپ کو سب کچھ معلوم ہی ہے تو مجھ سے کیا پوچھ  
رہے ہیں ؟ ” ایساں بھاگڑا نے غرما کر کہا۔

” سوال یہ ہے کہ آپ شاہ اعظم سے ان کی ریاست کیوں  
خوبناک چاہتے تھے۔ اتنی دولت آپ کے پاس کہاں سے آئی۔ ” یہ  
کوئی چھوٹا سودا نہیں ہے۔ اربوں کا سودا ہے۔ ”

” میں آپ کے تمام سوالات کے جوابات دے سکتا ہوں،  
لیکن پہلے آپ میرے ہاتھ کھول دیں۔ تاکہ میں اپنے دکیں کو  
فون کر سکوں۔ ”

” اچھی بات ہے۔ ” خان رحمان۔ اس کے ہاتھ اور پر پر کھول  
دو۔ ” انپکٹر جمیش نے کہا۔ ”

انھوں نے اسے کھول دو۔ ” وہ تیر کی طرح فون کی  
ٹھن گیا۔ جلدی ہندی کسی کے نمبر گھانتے اور سلسلہ ملنے پر  
مرت اتنا کہا۔ ”

” میری مدد کریں۔ ہوٹل کے گھر سے میں ہوں۔ ”  
” یہ کہ کہ اس نے رسیدور رکھ دیا۔ ”

” ہاں۔ اب تو آپ کا المینان ہو گیا۔ اب بتائیتے۔ آپ  
ریاست کیوں خریدتا چاہتے تھے۔ اور بٹوے سے کافی اڑلے

کے کیا مقصد تھا۔"

"ئیشے۔ میں ایک ایک بات بتاتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں اس ہوش کا مالک نہیں۔ ہوش کے مالک کا خادم ہوں، بلکہ یہ کہ یہیں کہ غلام ہوں۔"

یہ کیا بات ہوئی۔ "اصفت کا منہ بن گیا۔

"اصل بات یہی ہے۔ آپ لوگ نہیں یاد نہیں۔"

"چیلے ٹھیک ہے۔ مان لیتے ہیں۔ اب اصل مالک کا نام بتا دیں۔"

"میں نے انھی کو فون کیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔ خود ہی دیکھ لیجئے گا انھیں۔"

"یہیں آپ نے تو کہا تھا۔ آپ اپنے وکیل کو فون کرنا چاہتے ہیں۔"

"جب وہ آ جائیں گے تو پھر مجھے اپنے وکیل کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔"

میں اسی وقت دروازے پر دشک ہوئی۔ ساتھ ہی ایسا بھاگڑا کے منہ سے نکلا:

"وہ۔ وہ آگئے۔"

"وہ کون؟" انپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جن کا میں غلام ہوں۔"

"ہوں! سب لوگ دروازے کے سامنے سے ہٹ جائیں، کہیں آنے والا دروازہ کھلتے ہی فائزگنگ ن شروع کر دے؛ انپکٹر جمیش نے کہا۔

اور وہ فوری طور پر ادھر ادھر ہو گئے۔ اب انپکٹر جمیش نے خان رحمان کو اشارہ کیا۔ انھوں نے محتاط ہو کر دروازہ کھول ڈالا۔ فوراً، ہی ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی پستول و ستوں نہیں تھا۔ جسم پر سیاہ لباس تھا، سر پر ہیٹ جبی سیاہ رنگ کا تھا۔

"تم نے مجھے یاد کیا بھاگڑے۔ تو میں آگیا۔ کیا معاملہ ہے۔ اس نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"یہ لوگ بھو سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں شاہ عالم سے اس کی ریاست کیوں خریدنا چاہتا تھا۔"

"حیرت ہے۔ تم اتنی سی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"بھی کیا مطلب۔ کیا اس بات کا جواب بہت آسان ہے۔"

"ہاں باکل۔ ہم ریاست پر اپنی حکومت چلا کیں گے۔" یہ ہے جواب۔

"یہیں مسٹر بھاگڑا کے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی کہ ایک ریاست خرید سکیں۔"

”اس ریاست کی قیمت اب اتنی نہیں رہی۔ لوگ بد دل ہو کر دہاں سے بھاگ رہے ہیں۔ کچھ عرصے بعد تو دہاں آؤ بولنے لگیں گے۔ اگر لوگ نہیں رہ جائیں گے تو زمین اور تیل کے کنوؤں کی ایک قیمت رہ جائے گی۔ زمین تو آباد ہی نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے ہم یہ زمین شاہ اعظم سے کوڑیوں کے مول خرید سکتے ہیں، لیکن۔ افسوس۔ ہمارا تو پروگرام ہی بدلتی ہے کہ کروہ رُک گیا۔“

”جی۔ کیا کہا۔ پروگرام بدلتی ہے۔“

”ہاں! اب ہم نے خریدنے کا پروگرام بدلتا ہے۔“

”نجیے ضرورت بھی نہیں ہے بیچنے کی۔“ شاہ اعظم نے منہ بنایا۔

”اس میں بُرا مانتے کی بات نہیں۔“ اس نے سکرا کر کہا۔

”شکریہ۔ آپ کا نام کیا ہے جناب؟“ انپکٹر کامران مرزا

بدلتے۔

”راکنگ۔“

”اگر آپ راکنگ بھی ہوتے تو کیا تھا۔“ افتاب نے منہ بنایا۔

”کیا مطلب؟ وہ اس کی طرف گھوم گیا۔“

”چھوڑیے۔ اور یہ بتائیے۔ اس ہوٹل کے اصل مالک آپ ہیں۔“

”ہاں! آپ کو کوئی اعتراض ہے۔“

”اور یہاں بھاگڑا آپ کا ملازم ہے۔“

”یہ بھی ٹیکیک ہے۔“

”تب پھر ہم اسے گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔ اس نے ماشربون کو قتل کیا ہے۔“

”یکوں بھاگڑا۔ تم نے یہ کیا کیا؟“

”آپ نے ہی حکم دیا تھا بس۔ کہ انپکٹر جمشید ماشربون کے بہت نزدیک پہنچ گئے ہیں، لہذا بون کو ختم کر دیا جائے، میں نے ختم کر دیا۔“

”نہیں بھاگڑے۔ میں نے اپنا کوئی حکم نہیں دیا۔ تم نے بلا وہر ہی بے چارے ماشربون کو قتل کر دالا۔“ راکنگ نے کہا۔

”یہ۔ یہ آپ کہ رہے ہیں مژہ راکنگ۔“

”ہاں بھتی۔ کیا تم میری آواز نہیں پہچانتے؟“ اس کے لمحے میں چرت تھی۔

”اُن۔ یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”آخر ہیں کیوں تمیں ماشربون کے قتل کا حکم دیتا۔“ اس بے چارے نے کیا مجرم کیا تھا؟

”ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ انپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

”وہ کیا؟“ راکنگ جلدی سے بولا۔

آخر بٹوہ ماسٹر بون کو کیوں دیا گی تھا۔ جبکہ اس میں سے اصل کا غذہ پڑتے ہی نکال دیا گیا تھا۔

اور سودا بھی مسٹر ایساں بھاگڑا اور مسٹر شاہ عظیم کے درین ہونا تھا۔ انپکٹر کامران مزاج ملدي سے بوئے۔

ہاں واقعی۔ ان حالات میں تو بٹوہ ماسٹر بون کو دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

میں عرض کروں اب آجائیں؟ فرزاد مسکرائی۔

کیوں۔ ہم یہ جواب مسٹر رائکنگ سے کیوں نہ لیں؟ انھوں نے اس کی طرف دیکھا۔

ضرور۔ آپ بے شک ایسا کریں، لیکن شاید یہ جواب دینا پسند نہ کریں۔

ہاں! یہی بات ہے؟ رائکنگ نے فوراً کہا۔

تو کیا ہوا۔ ہم اپنے گواتو سکتے ہیں۔

اس میں وقت مانگنے ہو گا۔ فرزاد نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

تمہارا خیال شیک ہے۔ بتاؤ۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟

بٹوہ ماسٹر بون کو اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ اس میں رکھی تصوری اور دُسری پیسوں کو دیکھے، کیوں کہ پھر اسے مسٹر شاہ عظیم کی نگرانی کرنا تھی۔ اس سوئے کے بعد یہ

لوگ شاید مسٹر شاہ عظیم کو ختم کر دینے کی ٹھان پکے تھے؟ فرزاد کہتی چل گئی۔

”اوہ؟“ رائکنگ کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی۔ شاید اسے اس جواب کی قطعاً امید نہیں تھی۔

”مسٹر رائکنگ۔ تمہارا چہرہ پکار پکار کر کہ رہا ہے کہ ہات یہی ہے؟“

”ہاں!“ اس کے منز سے نکلا۔

”لیکن ریاست کو خریدنے کے بعد مسٹر شاہ عظیم کو ختم کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟“ محمود نے اعتراض کیا۔ ”اعتراض وذنی ہے۔“ انپکٹر کامران مزاج مسکرائی۔

”تو پھر جواب آصفت دے گا۔“ فاروق مسکرا یا۔

”کیوں۔ کیا وذنی اعتراضات کا میں نے ٹھیکانے رکھا ہے؟“ آصفت دولا۔

”جب کہ فرزاد اور فرحت نے تمہاری کیبین بتانے کا ٹھیکانے رکھا ہے۔“ شوکی مسکرا یا۔

”شاید تم لوگ بخشنے کی تیاری کر رہے ہو، لیکن میں خبردار کیسے دیتا ہوں۔ ابھی ادھر آدم بٹکنے کا وقت نہیں آیا۔ ہاں آصفت جواب دو۔“ ریاست کا سودا ہو جانے کے بعد ریاست کے سابقہ مالک کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ انپکٹر جیشید

نے جلدی جلدی کہا۔

"کوئی وہ نظر نہیں آتی۔ اس نے بے چارگی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا۔"

"تو تم دیکھنے کی کوشش کرتے ہی یکوں ہو۔ سمجھنے کی کوشش کرو تا۔ آفتاب نے جل کر کہا۔"

"افسوں کوئی وہج میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی۔"

"یکوں بھی۔ تم میں سے کسی کی سمجھ میں آتی ہے دبڑ۔ انپکٹر کامران مرزا بولے۔"

سب نے نفی میں سر ہلا دیئے، یہن شوکی اور انپکٹر جمیش نے سر نہ ہلاتے۔

"آپ نے اور شوکی نے انکار میں سر نہیں ہلاتے۔ تو کیا آپ کو کوئی وہج سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"نج۔ جی۔ ہاں۔ شوکی ہمکلایا۔"

"م۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔" انپکٹر جمیش بولے۔

"یعنی آپ بھی بتا سکتے ہیں۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔"

"ہاں! یہن اس میں حرمت کی بات نہیں۔ اس یہے کہ ہم اصل شاہ اعظم سے مل چکے ہیں۔ آپ لوگوں سے نقل شاہ اعظم کا ذکر سن پچکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے۔ پہلے تو ان لوگوں کا واقعی ریاست خریدنے کا پروگرام تھا،

یہن پھر ہ پروگرام بدل گئی۔ یا کسی نے خیال دلا دیا کہ اتنا سرمایہ ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ریاست تو مفت میں ان کے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ بن ایک عدد نقل شاہ اعظم کی ضرورت ہو گی۔"

"ارے؟ ان سب کے منہ سے ایک سا تھا نکلا۔  
آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔"

”یہی دیکھا ہے۔“ راکنگ بولا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ نقلی شاہ اعظم اب کہاں ہے۔  
اور وہ کون تھا؟“

”دونوں باتیں مجھے نہیں معلوم۔“ اس نے مضبوطی سے کہا۔

”خیر کوئی بات نہیں۔ اب ہمیں پولیس کو فون کرنا ہو گا،  
تھاکر ماسٹر بون کے قاتل کو قانون کے حوالے کیا جاسکے اور  
مشر راکنگ کو اصلی شاہ اعظم کے قتل کا منظوبہ بنانے کے حجم  
میں گرفتار کر دایا جاسکے۔“

”شوق سے پولیس کو بُلا لیں، لیکن پولیس ہمیں گرفتار نہیں  
کر سکے گی۔ پہنچ گرفتار کروا کے دیکھو، ہمی پکھے ہو۔“

”یکوں۔ آپ کے پڑنکل آئیں گے۔ اور آپ پھر سے اڑ  
جائیں گے۔“ فاروق نے طنزیہ بجھے میں کہا۔

”ادے۔ تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔“ راکنگ  
نے چرت زدہ انداز میں کہا۔

”م۔ میں نے۔ چھین لی۔ ن۔ نہیں تو۔“ فاروق بوکھلا  
کر بولا۔

”واقعی ہمارے پڑنکل آئیں گے اور ہم پھر سے اڑ جائیں  
گے۔“ راکنگ ہنسا۔

”ہمیں پڑ کاٹنا بھی آتا ہے۔“ فکر کر دو۔“ انپکٹر کامران مرزا

## نہہر ملائِ دھواں

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ اور پھر ان سب کی  
نظریں راکنگ پر جم گیں :

”کیوں مشر راکنگ۔ کیا یہی بات ہے؟“ انپکٹر کامران  
مرزا نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ اس نے ست انداز میں کہا۔

”ہو سکتا ہے نہیں۔ بلکہ یہی بات ہے۔ یہی ہونا تھا۔  
لیکن درمیان میں آگئے ہم۔ اور اب ہم بحدا اصلی شاہ اعظم  
کو ختم کرنے کی اجازت کیوں دینے لگے۔ اب انتہائی خیر ایگز  
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو آخر ان کی ریاست کی  
ایسی کیا ضرورت ہے؟“

”افسوس! ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے!“  
”ہم جواب حاصل کر دیا کرتے ہیں مشر راکنگ۔“ انپکٹر  
جشید نے گریا اعلان کیا۔

مکراتے اور فون کی طرف بڑھ گئے۔ راکنگ اور ایساں بھاگڑا پر سکون انداز میں کھڑے انھیں فون کرتے دیکھتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ آخر فون کر کے وہ ان کی طرف پلٹے، اسی وقت انپکٹر جمیش نے سوال کیا:

”کرنل شوکت عالم کو کیوں انغو کیا گیا ہے اور وہ کہاں ہیں؟“ ”پتا نہیں۔“ راکنگ بولا۔

”ان سے پہلے ڈی آئی جی صاحب کو انغو کیا گیا۔ خیر ان کے انغو کی وجہ تو سمجھ میں آگئی۔ ان کے ذمیثے ان کے داماد کرنل شوکت کو انغو کرنا تھا۔ ابھی تک ہم یہ نہیں جانتے کہ انھیں کیوں انغو کیا گیا ہے اور انغو کر کے انھیں کہاں رکھا گیا ہے۔ ہم اس سوال کا جواب آپ سے ضرور یں گے۔ اس کے لیے چاہیے، ہمیں کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔“ ” ضرور کریں، لیکن جواب نہیں ملے گا، کیوں کہ ہم واقعی نہیں جانتے۔“

”تیر پھر کون جاتا ہے۔ آپ لوگوں کی بائی ڈور سکن کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کون ہے۔ جو آپ کو انگلیوں پر نچار رہا ہے؟“ ”نقشی شاہ اعظم کی ایساں بھاگڑا نے فرما کر اور راکنگ

اسے کھا جانے والی نظروں سے گھومنے لگا:

” یہ بتانے کی بھی کیا ضرورت تھی؟“

” لیکن سر۔ اس بات سے یہ لوگ جلا کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“

” تم انھیں نہیں جانتے۔ ہم سوچ بھی نہیں کہتے کہ یہ کس بات سے فائدہ اٹھائیں گے؟“

” ہاں! یہ بات تو آپ نے ہمارے بارے میں بالکل ٹھیک کھی۔ اس کا مطلب ہے۔ آپ ہم لوگوں سے بہت اچھی طرح واقع ہیں۔“

” کوئی ایسے دیے۔ ہمیں ایک ایک تفضیل مہیا کی گئی ہے۔“

” گویا پہلے سے تیاریاں کی گئی ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ کوئی بہت سوچ سمجھا منصوبہ ہے۔“ آصف نے چیران ہدرا کر کہا۔

” دیکھا۔ نکال لیانا نتیجہ۔“ راکنگ نے بھاگڑا کو گھوڑا۔

” ہم۔ میں۔ میں معافی پاہتا ہوں۔“

” خیر۔ آؤ۔ چیز۔ اب یہاں رُکنے کی ضرورت نہیں رہی۔“ اس نے دروازے کی طرف مرتے ہوئے کہا۔

” آپ کو معلوم ہونا پاہیسے کہ ہم غالباً ہاتھ نہیں ہیں۔“

انپکٹر جمیش نے گویا وارنگ دی۔

" معلوم ہے۔ یہ پستول ہمارا راتا نہیں روک سکتے، ہم جانتے ہیں کہ کن لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے۔ جب کہ تم لوگ نہیں جانتے" را لنگ نے مز بنایا۔

" ہم بھی جانتے ہیں۔ انپکٹر جمیش نے جل کر کہا۔  
" کیا جانتے ہو؟ را لنگ پوز کا۔

" یہ کہ ہمارا واسطہ ہی مون اور بلا سند لنگ سے ہے۔"

" اوہ؟ را لنگ کے مز سے نکلا۔ ایساں بھاگڑا کے چہرے پر حرمت کے آثار نظر آئے جیسے یہ نام پہلی بار سننے میں آئے ہوں۔ میں اسی وقت کمرے میں ایک عدد دھماکا ہو گیا۔

اور کرو گھرے دھوئیں سے یک لخت بھر گیا۔ ان کے مز سے کوئی آواز تک ننکل سکی۔ بس۔ وہ گرتے چلے گئے۔



ہوش آیا تو پولیس آفیسر ان پر جھکے ہوئے تھے۔ اور ایک ڈاکٹر اپنی انجکشن لگا رہا تھا۔

" شکریہ۔ آپ لوگ ہوش میں تو آئے۔ ایک پولیس آفیسر بولا۔

" تو وہ لوگ بدل گئے۔"

" کون لوگ؟ اس نے پوچھا۔

" مژرا ایساں بھاگڑا اور را لنگ۔"

" ایساں بھاگڑا کی ہمیں کمرے میں لاش ملی تھی۔ اس کی لاش کے ساتھ ہی آپ لوگ ہے ہوش پڑے تھے۔ اور کوئی اندر نہیں تھا۔"

" اوہ۔ وہ جاتے ہوئے ایساں بھاگڑا کو ختم کر گی، میکن وقت کی کمی کی وجہ سے ہم پر ہاتھ نہ صاف کر سکا، یکوں کہ اتنی دیر میں دھواں اسے بھی اپنی پیٹ میں لے سکتا تھا۔" انپکٹر کامران مرزا بولے۔

" آپ سب پر دھوئیں کا ذریعہ دست اثر ہے۔ دھواں بہت زہریلا تھا۔ اس اثر کو آپ کے خون سے خارج کرنا پڑے گا، ورنہ آپ اس کے زہریلے اثر سے نہیں بچ سکیں گے۔ ہو سکتا ہے جلد پر بڑے بڑے آبلے نمودار ہو جائیں۔ ان آبلوں کی وجہ سے آپ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔" ڈاکٹر نے بڑھانے کے انداز میں کہا۔

" اوہ؟ ان سب کے مز سے نکر منداز انداز میں نکلا۔"

" اس یہے آپ لوگوں کو ہر حالت میں ہسپتال میں داخل ہونا پڑے گا۔ اس کے علاوہ کوئی صورت بخپنے کی نہیں ہے۔"

" اور ہسپتال میں کتنا وقت لگ جائے گا؟"

"کم از کم تین دن۔ اور زیادہ سے زیادہ سات دن"۔  
"ایک دن میں کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ انپکڑ جمیش نے گھر  
کر کہا۔

"بھی تم کہوں غفرانتے ہو۔ میں تمہاری بھی ہاں میں ہاں ملانے کے  
لیے تیار ہوں۔ خان رحمن نے شوخ اواز تیس کہا۔  
"تب تو موجودی ہے۔ کیا کیا جا سکتا ہے۔ اب خود ہمارا انداز اختیار کی  
جاوہ ہے۔ فاروقی بولا۔

"اپ تو گوں کو زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہیں۔ ڈاکٹر نے گھر  
کر کہا۔

"کہوں۔ کیا زیادہ باتوں سے زہرخون میں اور سرایت  
کر جائے گا؟" شوکی نے حیرت زدہ لمحے میں کہا۔

"نہیں۔ زبان کے متاثر ہونے کا ذرہ ہے۔ پھرے ہسپتال میں  
 داخل ہو لیں۔ جب وہاں حفاظتی اقدامات کر لیئے جائیں گے۔

اس وقت اپ آزاد ہوں گے؟  
"آزاد ہوں گے۔ یعنی ہسپتال سے۔ انپکڑ کامران مرزا خوش  
ہو گئے۔

"بھی نہیں۔ بات پریت کے لیے"

"اوہ۔" "اوہ بولے۔

"بھی واہ۔ رہے گا نامزا۔"

"پتا نہیں۔ پوچھیں گے اس سے۔ پروفیر داؤ بول پڑے۔"

"کم از کم تین دن۔ اور زیادہ سے زیادہ سات دن"۔  
"ایک دن میں کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ انپکڑ جمیش نے گھر  
کر کہا۔

"بھی نہیں۔ تین دن سے کم وقت نہیں لگ سکتا۔"  
"تب تو موجودی ہے۔ کیا کیا جا سکتا ہے۔ اخنوں نے  
کندھے آپکا دیے۔

"اب آئے گا مزا۔" افتاب چھکا۔  
"بھیں تو دور دور تک مزا نہیں نظر آہا۔" مکعن نے مز  
بنا کر کہا۔

"اس لیے کہ تم وہ بات نہیں سمجھ سکے۔ جو میں نے سمجھ  
لی ہے۔ افتاب بولا۔

"بھی وضاحت کر دو۔"

"تین دن ہسپتال میں رہیں گے۔ تینوں دن بات چیت تو  
پیٹ بھر کر کریں گے۔ ایسا سہری موقع بھلا، بھیں کب ملا ہو  
گا۔"

"اوہ! بات تو ٹھیک ہے۔ خان رحمن بولے۔

"خان رحمن۔ تم بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہو۔ انپکڑ  
جمیش نے منہ بنایا۔

"ان حالات میں اور کیا کر سکتا ہوں۔" خان رحمن مُکرانے۔

"جی۔ کیا پوچھیں گے۔ اور کس سے پوچھیں گے؟ فرزاد نے  
جیران ہو کر کہا۔

"مزے سے پوچھوں گا۔ کہ وہ رہے گا یا نہیں۔ پروفیسر  
داود مسکراتے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے سب بڑوں میں سب چھوٹوں  
کی زوج حلول کر گئی ہے۔ منور علی خان نے منہ بنایا۔

"اے باپ رے۔ خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"مم۔ میں بھی یہی محسوس کر رہا تھا یہت دیرے سے۔ اکرام  
کی آواز سنائی دی۔"

"اللگ۔ کیا محسوس کر رہے تھے؟ انپکٹر جشید نے جیران ہو  
کر پوچھا۔

"یہ کہ میں پکھ بیسے روح سا ہو رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اے۔ کیا واقعی؟ شوکی بوکھلا آٹھا۔"

"اپ لوگ میری ہدایت جھوٹ لگئے؟" ڈاکٹرنے بُرا مان کر  
کہا۔

"اوہ۔ ہمیں افسوس ہے ڈاکٹر۔"

"غیر کوئی بات نہیں۔ ایبو یعنیں آگئی ہو گی۔ چلنے کی  
تیاری کرنی چاہیے۔" رک کر ڈاکٹر آٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ڈاکٹر لوگ تو یوں ہی ڈرتے رہتے ہیں۔" فاروق نے

ڈاکٹر کے باہر جاتے ہی کہا۔

"یکن اگر زہر پھیل گیا اور آبلے پڑ گئے تو ہم کہیں کے  
نہیں رہیں گے۔" آفتاب نے کہا۔

"کہیں کے کیوں نہیں رہیں گے۔ کم از کم ہسپتال کے تو  
ضرور رہیں گے۔" شوکی بولا۔

"دھست تیرے کی۔ یہ ہو، ہی نہیں سکتا۔" محمود نے جھلکار  
ران پر ٹاٹھا کارا اور پھر سی کر کے رہ گیا۔

"کیوں۔ کیا ہوا۔ کیا مرچوں والی کوئی چیز مز میں؟  
مگئی؟" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"نہ۔ نہیں۔ ران پھوڑے کی طرح دکھ رہی ہے۔"

تم نے غلط کہا محمود۔ صرف ران نہیں۔ ہمارے تمام  
کے تمام جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہے ہیں۔ اور یہ اس دھوئیں  
کا اثر ہے۔"

"تب تو ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہی کر رہے ہیں۔ ہمیں احتیاط  
کا دامن تھام، ہی یعنی چاہیے۔ کہیں یعنی کے دینے نہ پڑ جائیں۔  
پروفیسر داؤد نے فکر مند ہو کر کہا۔

"یعنی کے دینے ہمیں کب نہیں پڑتے انگل۔" فرزاد نے  
مکرا کر کہا۔

"بھئی۔ یہ ذرا دوسری قسم کے یعنی کے دینے ہیں۔"

"ہاں واقعی۔ ہمدردی ہونی بھی چاہتی ہے۔ اگر دھوئیں کام  
ذ مارا جاتا۔ تو اس وقت ہم شاہ اعظم صاحب کی ریاست کی  
طرف سفر پر روانہ ہو چکے ہوتے۔ اے۔ یہ میر شاہ اعظم  
کہاں ہیں؟"

"میں یہاں ہوں۔ ان کی آواز سنائی دی۔"

"آپ اتنی دیر سے خاموش کیوں ہیں؟"

"بات کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔"

"بہت مشکل ہے جناب۔ ہمارے درمیان بس اگر کوئی چیز نہیں  
ملتی۔ تو وہ ہے۔ بات کرنے کا موقع۔ فاروق بولا۔"

"ہاں! میں نے بھی خود کو انتہائی بے بس محسوس کیا تھا۔"  
شاہ اعظم بولے۔

"کیا تھا تنا۔ یہ کیں آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ  
بے بسی بڑے بڑے محسوس کر چکے ہیں؟ آصف چکا۔"

"آپ تو اپنی ریاست میں جانے کے لیے بہت بے چین  
ہوں گے۔ شوکی نے شاہ اعظم کی طرف دیکھا۔"

"ظاہر ہے۔ ان حالات میں مجھے بے چین ہونا بھی چاہتے  
ہو۔ بولے۔"

"شوک سے ہوں جناب بے چین۔ کوئی پابندی نہیں۔ آفتاب  
نے کہا۔"

پروفیسر داؤڈ بولے۔

"یہ بھی۔ اب لینے کے دینے کی بھی قسمیں ہو گئیں۔ خان رحمان  
نے مزہ بنایا۔"

"ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا خان رحمان۔"  
پروفیسر داؤڈ مسکاتے۔

"آپ نے بالکل صحیح کہا انگل۔ فرزاد نے خوش ہو  
کر کہا۔"

"تو کیا میں نے غلط کہا ہے فرزاد۔ خان رحمان اسے گھورا۔"

"نہیں تو انگل۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"یہ کی تھا ری بات کا مطلب یہی نکلتا ہے۔ فرحت بدلی  
سے بولی۔"

"یرے انگل کو مجھ سے ناراض کرنے کی ناکام کوشش  
کرو فرحت۔ فرزاد نے مزہ بنایا۔"

"جب یہ ہے ہی ناکام کوشش تو تم کیوں نظر کرتی ہو۔"  
فاروق بولا۔

"بہت ہمدردی محسوس ہو رہی ہے فرحت سے۔" فرزاد جل  
گئی۔

"ہمدردی تو میں اس وقت بسمی سے محسوس کر رہا ہوں،  
یہاں تک کہ خود سے بھی۔"

" مجری بات ہے بھی۔ انھیں پریشان نہ کرو۔ انپکٹر کامران  
مرزانے ڈانٹنے کے انداز میں کما۔

پریشان۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں جناب، مجھے تو ان کی  
باتوں سے ذرا بھی پریشان نہیں ہو رہی۔ بلکہ لطف آ رہا ہے۔

" جی۔ کیا فرمایا۔ لطف آ رہا ہے۔ انپکٹر جمیش گھبرا گئے۔  
” ہمارا بھی یہی حال ہے۔ پروفیسر داؤڈ نے کہا۔

" مدد ہو گئی۔ انپکٹر کامران مرزا۔ یہ تو سب کو اپنے ساتھ  
ہمائے لیے جا رہے ہیں۔

" ہاں بس۔ میں اور آپ، ہی رہ جائیں گے۔ انپکٹر کامران  
مرزا بولے۔

وہ سب مسکرانے لگے۔ اسی وقت ڈاکٹر اور ہسپتال کے کچھ  
لوگ اندر داخل ہوئے۔

" چلیے جناب۔ آپ کو لے جانے کا انتظام مکمل ہو گیا ہے۔  
” گویا تین دن کی قید کا انتظام مکمل ہو گیا ہے۔ انپکٹر جمیش  
نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

اور آخر وہ ہسپتال پہنچ گئے۔ انھیں ایک بڑے ہال میں  
ٹالا دیا گی۔ ڈاکٹروں کی ایک فوج ان پر ٹوٹ پڑی۔ اور پھر  
انھیں کئی مراحل سے گزرنا پڑا۔ قریباً دو گھنٹے کے بعد انھیں  
فرصت نصیب ہوئی، لیکن شاید انھیں نیند کی دوا دی گئی تھی،

فرصت کے ساتھ ہی وہ نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ دوسرا ہے  
دن صحیح انھیں ہوش آیا۔ تو سورج نہکل چکا تھا :

" ڈاکٹروں کا یہ ظلم یاد رہے گا۔ ان کی وجہ سے ہم صحیح  
کی نیاز نہیں پڑھ سکتے۔ انپکٹر جمیش بڑھا کے۔

" وہ بے چارے بھی کیا کریں۔ اپنے طریقہ کار کے ہاتھوں  
جب ہوں ہیں۔ پروفیسر داؤڈ مسکرائے۔

انھوں نے قضا نیاز ادا کی۔ ابھی فارغ ہوئے تھے کہ پھر  
ڈاکٹر آ دھکے۔ ان سے فرصت ملی تو انھیں اخبار دیکھنے کا خیال  
آیا۔ ہر ایک کو ایک ایک اخبار دیا گیا تھا۔

سب اخبار دیکھنے لگے۔ اچانک فاروق نے کہا:

" اوہ ہو۔ اس میں تو ہمارے بارے میں بھی تفصیل سے خبر  
شائع کی گئی ہے۔

" اور کیوں نہ کی جاتی۔ یہ خبر اتنی غیر اہم تو نہیں ہے۔  
انپکٹر جمیش نے کہا۔

" لیکن انہل۔ اخبار میں ایک اور بھی خبر ہے اور وہ خبر  
انتہائی سننی خیز ہے۔ آصف نے چونکر کہا اور پھر وہ سیدھا  
ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے آثار  
صاف نظر آ رہے تھے۔

" خیر تو ہے۔ تم تو خوف زدہ ہو گئے۔ انپکٹر کامران مرزا

تم سے زبردست غلطی  
فرمایا۔ زبردست غلطی  
تر تم سے وہ غلطی نہ  
کر کیا کہنا  
**چھپوں آئے گا۔** از  
بُوں مزا نہیں

"کیا، ہم اندر آئے"

سب کی نظریں در سے سا  
دیکھا۔ بیگم جمشید اور بیگم کامر تھار  
اوہ۔ امی جان آپ۔" یعنی  
اور آپ بھی۔" آفتاب

"صرف ہم ہی نہیں۔ ائے۔"

"اوہ۔ آئی بھی اور ڈی مددگار

ہیں۔ ارے حامد، سرور، نازی۔

سے ملی جملی آوازیں نکلیں۔ وہ اٹٹیں

لگئے۔ کمرہ بھرا بھرا نظر آنے لئے  
لگی۔ اس جنبضناہٹ میں کچھ ہے۔

سے کیا کہ رہا ہے۔ یہ سلسہ پہا

نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھی۔ وہ۔ پروفیسر غوری۔" احصت کہتے کہتے رُک گیا۔

"یا اللہ رحم۔ کیا ہوا پروفیسر غوری کو؟" پروفیسر داؤڈ نے گھبرا  
کر کہا۔

"انھیں کچھ نہیں ہوا۔ بالکل خیریت سے ہیں۔" احصت نے  
کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تب پھر۔ کیا بات ہے؟"

"ان کی رصدگاہ کو ڈاٹا میٹ سے اڑا دیا گیا ہے۔"

"کیا؟ وہ ایک ساتھ چلائے۔"

اور پھر ان کے چہرے دھوان ہو گئے۔ اسی وقت قدموں  
کی آہٹ ہوئی۔

ڈی آئی جی

"تب تم سے زبردست غلطی ہوتی تھی۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ زبردست غلطی۔" اصحت نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! اگر تم سے وہ غلطی نہ ہوتی تو رصدگاہ تباہ نہ ہوتی۔"

"ہم سمجھے نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" آفتاب نے کہا۔

"یوں مزا نہیں آئے گا۔" انپکٹر جمیش بول آئٹھے۔

"جی کیا مطلب۔ یوں مزا نہیں آئے گا، تو پھر کس طرح

میں نے اسے آتے ہوئے۔ آئے گا۔"

ایک بار پھر تفصیل سے ساری بات بتاؤ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے کون تمہاری غلطی پکڑتا ہے؟

ان لوگوں میں سے۔ یعنی آپ بھی ہماری غلطی پکڑ پکھے

ہیں۔ فرحت بڑھتا۔

"ہاں بالکل! وہ مسکراتے۔"

"تو پھر صحیح ہے۔ میں واقعات دھرا آتا ہوں۔ پروفیر

خوری صاحب، میں لے کر رصدگاہ پہنچے۔ انہوں نے خیال

ظاہر کیا کہ رصدگاہ میں کوئی غلط آدمی شامل ہو گیا ہے۔

گویا غلط آدمی کو پکڑنا انہوں نے ہمارے ذمے لگا دیا۔

ہم نے رصدگاہ کے سارے علیے کو ایک جگہ جمع کر لیا۔

خیال یہ تھا کہ کوئی شخص میک اپ کر کے کسی کارکن کی جگہ

لے پکھا ہے، چنانچہ ہم نے پہلا قدم یہی اٹھایا کہ باری باری

صفت کہتے کہتے ڈکھا دیں؟

سر غوری کو۔" پروفیر۔

سلطان جنگ لا یا

ل خیریت ہا گیا۔ پھر ایک فون

سوکت عالم بے چارہ دوڑا

میں نے اسے آتے ہوئے۔ آئے گا۔"

میٹ بھے بے ہوش کر دیا گیا۔

یہے۔ اس سے زیادہ میں پکھ

حوالا کیا چکر ہے؟

بھے۔

ڈائنا میٹ سے پاک کر آئے

بھی جاری رہی۔ آئی جی بولے۔

یا پکھ کیا تھا۔ سازش کو کس

بے چین ہو کر بولے۔

ب غورے سُننے لگے۔ اور پھر

کامران مزا بول آئٹھے۔

نے کہا۔

”اور نہ میرا۔ ہاں فوجی معاملات بختنے چاہئے حل کراوو۔“  
فان رحمن بولے۔

وہ مسکرا دیئے۔ اور پھر سب کے سب سوچ میں ڈوب گئے،  
پہاں تک کہ خود آفتاب نے سر اٹھا کر کہا۔

”اوہ ہو۔ میں سمجھ گیا۔ ہم سے کیا غلطی ہوتی۔“

”چلو نیز۔ کچھ تو ہوا۔ بتاؤ۔“ انپکٹر جمیش نے خوش ہو

کر کہا۔

”یہ تو ٹھیک نہیں رہے گا انکل؛ شوکی کی آواز آہری۔“

”کیا ٹھیک نہیں رہے گا۔“

”اپ آفتاب سے کچھ رہے ہیں، اس طرح اگر اس نے  
دست بات بتا دی تو پھر باقی لوگوں کے بارے میں کیا کہا  
جاسکے گا کہ کون درست اندازہ لگانے میں کامیاب ہوا تھا  
اور کون نہیں۔“

”ہوں! بات ٹھیک ہے۔ گویا تم یہ چاہئے ہو کہ سب لوگ  
لکھ کر دے دیں۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔“ اس نے مطلب بھے میں کہا۔

”چلو بھئی۔ سب لوگ لکھ کر دے دیں۔“ انپکٹر کامران مزا  
نے گویا اعلان کیا۔

ان کے چہرے چیلک کرنا شروع کر دیئے۔ اور اس طرح غاباً  
پانچواں آدمی میک اپ میں نظر آگیا؛ چنانچہ اسے پکڑ  
یا گیا۔ اور خفیہ پولیس والوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے  
بعد رصدگاہ کو اچھی طرح دیکھا گیا تو ڈائنس میٹ پوشیدہ جگہوں  
سے بیل گئے۔ ان کو بے کار کر دیا گیا۔ بس یہ ہے گل کہانی۔  
”کیوں بھئی۔ آیا کسی کے خیال میں کہ ان سے کیا غلطی  
ہوتی ہے۔“

”بھے تو ان کی کوئی غلطی نظر نہیں آئی۔“ محمود نے کہا۔  
انپکٹر جمیش نے باقی سب کے چہروں پر بھی نظریں  
دوڑائیں، لیکن سب نے نہیں میں سر ہلا دیئے۔

”تب تو انہوں کی بات ہے، کسی ایک آدمی کی سمجھ میں  
تو آجائی۔“

”میرا خیال ہے۔ ہمیں غور کی تھوڑی سی مدد اور دے  
دیں۔“

”چلو یوں، ہی سہی۔ پانچ منٹ اور دیے جاتے ہیں۔“ انپکٹر  
کامران مزا بولے۔

”خان رحمن۔ پروفیسر صاحب اور اکرام۔ اپ لوگ بھی  
اس مقابلے میں خود کو شریک بھیجئے۔ اور غور کیجیے۔“

”بھئی ایسے معاملات میں میرا دامغ نہیں چلتا۔“ پروفیسر داؤد

"وہ بھر بھارے کارنامے پڑھتے ہیں۔"

"اوہ۔ واقعی۔ ان کا کیا بنے گا؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"بنے گا کیا۔ وہ بھی ذہنوں پر زور دے کر معلوم کر لیں گے کہ کیا غلطی کی تھی ہم نے۔" فرحت نے من بنایا۔

"ہوں۔ صحیک ہے۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"سب سے پہلے تو ہمیں ہٹل شار کے لکھ نمبر ۹ کو دیکھنا

ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ شوکت عالم کو واقعی وہاں تو نہیں

رکھا گی۔ اس کے بعد ہمارے پاس ریاست شاہ اعظم کی

طرف جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ اس کیس کے

تابے بانے وہیں جا کر میں گے۔"

"اور اتفاق سے خود شاہ اعظم بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ اس

کیلئے ہمیں آسانی رہے گی؛ فرزاد نے مسکرا کر کہا۔

"اصل مسئلہ ہسپتال سے چھٹی لینے کا تھا۔ اب شیخ صاحب آ

نہیں ہیں، یہ مسئلہ آسان ہو جائے گا۔" انپکٹر جمیش بو لے۔

"کیا مطلب۔ میں کس طرح آسان کر سکوں گا؟" وہ گھبرا

کر بو لے۔

"آپ۔ میڈیکل پرنسپلٹ سے بات کر لیں۔"

"نہیں بھی۔ میں یہ بات نہیں کروں گا کہ تم لوگوں کو جلد

بھٹک دے دی جائے، ہاں یہ بات کر سکتا ہوں کرتیں دن

"بھیو۔ بھائی جمیش۔ تم میں بھی۔" پروفیسر داؤڈ ہکلا تے۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں انکل افراط فوراً بولا۔"

"یہ کہ۔ میں بھی اس مقابلے میں جھٹے لینا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔ ضرور۔ ضرور۔ کیوں نہیں؟" انپکٹر جمیش مسکرا تے۔

"تب پھر میں اور اکرام کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔"

خان رحمن بو لے۔

"بانکل ٹھیک۔ تم بھی دل کی حرف نکال لو۔"

انھوں نے ایک ایک کاغذ دیا اور اپنا اپنا اندازہ لکھ دیا،

سب کا گذا جمع کر کے انپکٹر جمیش کو دے دیے گئے۔ سب کے

پھر ہوں پر مسکرا بیٹھیں تھیں۔ انھوں نے باری باری تمام چھٹوں کو

پڑھا اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"کمال ہے۔ ان کے منزل سے نکلا۔

"کیا کمال ہے۔ کیا سب کا اندازہ غلط ہو گیا؟"

"نہیں۔ سب کا اندازہ بانکل درست ہے۔ یہاں تک کہ

پروفیسر داؤڈ، خان رحمن اور اکرام بھی غلط نہیں رہے۔"

"چلیے۔ پھر تو بتانے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ آفتاب نے

کھا۔

"مل۔ یکن۔ ان لوگوں کا کیا بنے گا؟"

"کن لوگوں کا؟"

لے بجا سے چار یا پانچ دن رکھا جائے۔"

"اے باب رے۔ یہ تو ہم پر اور بھی ظلم ہو گا۔ انپکڑ کامران مزرا بو کھلا آئے۔"

میں اسی وقت دروازے پر قدموں کی چاپ سنائی دی،  
انھوں نے چونکہ کر سائنسہ دیکھا۔ اور چھر شوکی چمک کر بولا:  
"ماں۔ انکل۔ آپ۔"

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" ان کے انکل فارانی کی آواز  
سنائی دی۔

شوکی نے بیگم جمیش اور بیگم کامران مزرا کی طرف سوال پر نظر پر  
بیکھا۔ دہ جلدی سے انھیں اور ہال کے دوسروی طرف پلی۔  
لیکن۔

"شوق سے تشریف لایے انکل۔"

کرنل فارانی اندر داخل ہوئے اور ان کی طرف بڑھتے  
ہیں بیس ہمارے انکل فارانی۔ فوج میں کرنل تھے۔ اب  
ریٹائر ہو چکے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔" خان رحمن کے نزے نکلا۔

"آپ کو اس قدر حیرت کیوں ہوتی؟"

"اے انکل۔ آپ نے انھیں پہچانا نہیں۔ یہ ہیں ہمارے  
انکل خان رحمن۔ یہ بھی ریٹائر کرنل ہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ ان کے نزے نکلا۔"

"ویکھ اوہ اوہ۔" خان رحمن نہ لے۔

اور پھر انھوں نے پر جوش انداز میں ہاتھ ملائے۔ دوسری

بھی تعارف کرایا گی۔

"اب اگر اجہازت ہو تو میں بھی انہیں آ جاؤں۔"

انھوں نے سب انپکڑ شاہ کی آواز سنی۔

"شوق سے تشریف لایے انکل۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ

دروازے پر کھڑے ہیں۔" آصن بولا۔

شاہد شرماتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے بھی سب سے ہاتھ

بیکھا۔ دہ جلدی سے انھیں اور ہال کے دوسروی طرف پلی۔

لیا۔ خاص طور پر اس نے احکام کے ساتھ نہایت گرم جوشی سے

اقتطاع کیا۔

"یہ سب کیسے ہوا؟"

"میں انکل ایہ پوچھیے۔ کہ کیسے ہوا۔ بلکہ یہ پوچھیے کہ

کیسے نہیں ہوا۔" انہیں اپنے شوخ آواز میں کہا۔

"میں جلا یہ کیسے پوچھ سکتا ہوں۔"

"خیر آپ کی مرضی۔ فرحت جلدی سے بولی۔"

"اب میری آپ لوگوں سے درخواست ہے۔" انپکڑ کامران مزرا

لے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"کن لوگوں سے؟"

"جو لوگ ملاقات کے لیے آئے ہیں۔"

طہری صاحب کی رصدگاہ کی تباہی کسی بڑے خطے کی طرف اشارہ کیجئے۔ کیا درخواست ہے، اس پر ہمدردانہ غور کیا جائے گو رہی ہے۔ پروفیر داؤڈ جلدی سے بولے۔

گا۔ کرنل فارانی بولے۔ "آپ نے تو میرے من کی بات چین لی پروفیر صاحب۔ انکرنا۔ آپ لوگ اب واپس رواز ہو جائیں۔ اور ہمارے لیے جو شد خوش ہو کر بولے۔

دعا کرتے رہیں۔ ہم بھی اپنی مہم پر رواز ہونا چاہتے ہیں۔" ان حالات میں کرنل فارانی نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں۔ مہم پر رواز ہونے کا لطف اسی حالت میں ہے فاروق نے من بنایا۔

"کم از کم میں نہیں جاؤں گا۔" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟ کہی آوازیں ابھریں۔" اس مرتبہ میں بھی آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا۔" انہوں نے کہا۔

پہنچنے اور وہاں سے سرکاری چیزوں کا انتظام کر کے آخر ریاست اورہ۔" وہ بولے۔

"اور میں بھی۔" شاہد جلدی سے بولا۔

"خیر۔ میوں ہی سی۔ باقی لوگوں سے تو ہم یہ درخواست کرو رہی ہیں۔" میکن کیوں انکل۔ جب تک آپ ہسپتال میں ہیں۔ اس وقت تک تو ہم یہاں ٹھہر رہی سکتے ہیں۔" شافتے بولی۔

"نہیں۔" ریاست کے نزدیک تو میں زندگی میں زبانے کتنی مرتبہ آیا ہوں گا۔ کبھی اس طرح ردیلی نہیں دھڑکا۔" نہیں بیٹھی۔ ہم اتنا وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ پروفیر

"اس بار حالات عجیب و غریب ہیں تا۔ کچھ دوگ انہائی خیز طریقے سے آپ کی ریاست خریدنا چاہتے تھے، لیکن ان کا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گی۔ شاید اس وجہ سے نزدیک پہنچنے پر آپ کا دل دھڑک رہا ہے؟" محمود نے کہا۔

"نہیں۔ کوئی اور بات ہے؟"

"خیر۔ جو بات بھی ہے۔ جلد ہی سامنے آجائے گی۔" اُصف نے کندھے اچکائے۔

اور پھر بات سامنے آگئی۔ وہ ریاست کے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ شہر کا نام بھی ریاست تھا۔



پوری ریاست دلیر میں صرف ایک ہی شہر آباد تھا اور اس کے گرد قلعہ نما فصیل تھی۔ اس فصیل پر مسلح آدمی کھڑے تھے، دروازے پر بھی مسلح فوجی موجود تھے۔ ان کی جیپیں ٹک گئیں، علٹری کے چار جوان ان کی طرف بڑھنے لگے۔ شاه اعظم سب سے اگلی جیپ میں اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر نظریں پڑتے ہی وہ چاروں زور سے اچھلے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے چھیل گئیں۔

"اُن مالک۔ شاہ اعظم کس قدر دُور اندیش ہیں۔ ان کا اندیش بکس قدر درست ثابت ہوا۔"

"کیا مطلب ہے شاہ اعظم بولے۔"

"گرفتار کر دیجیں اُنھیں۔" اس نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف

دیکھا۔

"وہ جلدی سے ان کی طرف بڑھے۔"

"خبردار۔ ان کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اُنکے جمیشہ

غزارے۔ وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی ان کے ہاتھ

میں پستول نظر آیا۔ ان کی آواز ان کے تمام ساتھیوں تک

پہنچ گئی۔ انھوں نے بھی پستول نکال لیا۔ یہ دیکھ کر فوجی ٹھٹکے:

"آپ موت کو آواز دے رہے ہیں۔" فوجی نے سرد آواز

میں کہا۔

"آپ نے غلط نہیں کہا۔" محمود نے آگے آ کر کہا، باقی دوگ

بھی بھیپوں سے اُتر آئے تھے۔

"کیا مطلب ہے؟"

"موت کو آواز دینا ہمارا معمول ہے۔" فاروق بولا۔

"آخر بات کیا ہے۔ تم اپنے شاہ اعظم کو کیوں گرفتار کر رہے ہو۔ کیا اُنھیں پہچانا نہیں؟"

"اگر شاہ اعظم خبردار نہ کر دیتے اور وہ ان سے پہلے نہ آ

جاتے۔ تو ضرور ہم دھوکا کھا جاتے۔ لیکن اب نہیں؛  
”کیا مطلب۔ کیا ریاست میں کوئی شاہ اعظم موجود ہیں۔“  
”ہاں بالکل۔ بالکل موجود ہیں۔“  
”اوہ۔ تب وہ۔ وہی نقلی شاہ اعظم ہو گا۔ جس نے مجھے  
تید کیا تھا۔ شاہ اعظم بولے۔“

”یہی بات انہوں نے بتائی تھی۔ کہ نقلی شاہ اعظم ایسی  
باتیں کریں گے۔“ فوجی نے مز بنا دیا۔  
”گویا آپ یہ کہنا پاہتے ہیں کہ نقلی شاہ اعظم ہیں اور  
اصلی شاہ اعظم اندر موجود ہیں۔“  
”ہاں! یہی بات ہے۔ اسی لیے تو ہم انھیں گرفتار کرنا پاہتے  
ہیں۔“ فوجی نے جلدی سے کہا۔

”ایک منٹ۔ صبر سے کام یہیں۔ جلدی نہ کریں۔ کیس آپ  
کو پچھانا نہ پڑے۔ انپکٹر کامران مرزا نے آگے آتے ہوئے کہا۔  
”کیا مطلب؟“ فوجی نے جتنا کر کہا۔  
”اصلی شاہ اعظم یہ ہیں۔ اندر والا نقلی ہے۔ اگر آپ پسند  
کریں تو ہم ساری تفصیل آپ کو مُٹا سکتے ہیں۔“  
”نہیں جناب۔ پچھے مُٹانے کی ضرورت نہیں۔ شاہ اعظم پہلے  
ہی یہ بات بتا پچکے ہیں۔“  
”ہوں ہیں سمجھ گیا۔ کیا چکر چلا یا گیا ہے۔“ خیر۔ ان

ضب باتوں کے باوجود ہم آپ کو انھیں گرفتار کرنے کی اجازت  
لیں دے سکتے۔ انپکٹر جمیش بولے۔

”لیکن۔ ہمیں ہدایت یہی ہے کہ اگر یہ آئیں تو انھیں ہر قسم

نہ گرفتار کیا جائے۔“

”گویا آپ انھیں ہر قسم پر گرفتار کرنا پاہتے ہیں اور ہم  
سلجھتے ہیں کہ گرفتار نہیں کر سکتے۔ اب کس طرح فیصلہ ہو۔“  
”ہم تم سب کو گرفتار کر کے شاہ اعظم کے سامنے پیش کر  
دیں گے؛ اس نے خنزیر انداز میں کہا۔“

”ابھی تک ہم اندر داخل نہیں ہوئے۔ پھر آپ کس قانون  
کے تحت گرفتار کریں گے؛“

”آپ اندر داخل ہونے کے لیے یہاں تک پہنچ تو چکے  
جائیں۔“

”ہاں! لیکن داخل ہوئے نہیں۔“

”اس کے باوجود ہم آپ لوگوں کو گرفتار کریں گے۔“

”اگرچہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

”یہ جرم کم ہے کیا۔“ اس نے شاہ اعظم کی طرف اشارہ کیا۔

”خیر۔ آپ کو اجازت ہے۔ اگر گرفتار کر سکتے ہیں تو کہ

لیں۔“ خان رحمان نے بڑا سامنہ بنایا کہا۔

”کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم آپ لوگوں کو گرفتار نہیں

کر سکتے؟

خیال ہی نہیں۔ یقین بھی ہے۔

کرنل فارانی نے آگے بڑھ کر کہا۔

”اچھی بات ہے۔ میں ابھی اپنے ماتحتوں کو اشارہ کرتا ہوں۔“ ثم وہ گوں نے شاید فیصل پر کھڑے فوجیوں کو نہیں دیکھا۔

آپ کا کیا خیال ہے۔ ہماری نظریں کمزور ہیں۔ فاروق نے جل ٹھن کر کہا۔

”میں نے اس وقت آپ کے دل کا نشان لے رکھا ہے مثلاً۔ اگر میں چاہوں۔ تو صرف ایک سینئڈ بعد آپ کی لاش یہاں تیزپی نظر آئے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟“ انپکٹر جمیش نے سرد آواز میں کہا۔

اس کا رنگ آڑ گی۔ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”تمیں اجازت ہے، لیکن جانے سے پہلے اپنا نام ضرور بتا دو۔“

”میں ابراٹا ہوں۔“ اس نے گردن کو ایک جھٹکا دیا۔ ایڑیوں پر گھوما اور دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی خان رحمان بولے۔

”فوراً پوزیشن لے لی جائے۔ وہ مشورہ کرنے نہیں گی۔ بلکہ اپنی بان بچانے کا اس کے پاس یہی طریقہ تھا۔ اور اب

وہ ہم پر جعل کا حکم دے گا۔

آنھوں نے افراتغری کے عالم میں جیپوں کو ایک دیوار کی صورت میں کھڑا کر دیا اور ان کے نیچے پوزیشن لے لی۔ پستول ان کے ہاتھوں میں تن گئے۔ فیصل ان سے زیادہ فاسدے پر نہیں تھی۔ پستول کی گولی دہاں تک جا سکتی تھی۔ اور پھر انھوں نے رائفوں کے رُخ اپنی جیپوں کی طرف ہوتے دیکھے۔

”خان رحمان۔ ہماری جیپیں کب تک ان کی رائفوں کے سامنے کھڑی رہ سکیں گی؟“ انپکٹر جمیش نے فکر مند ہو کر کہا۔ ”فکر کی ضرورت نہیں۔ ہماری پچھلی طرف محفوظ ہے، انھیں تباہ ہوتے دیکھ کر ہم یہیچے تو ہست، ہی سکیں گے۔“ خان رحمان بولے۔ ”لیکن یہیچے ہٹنے کی صورت میں بھی ہم ان لوگوں کی زد میں ہم باسیں گے۔“ کرنل فارانی بولے۔

”تب پھر۔ آپ کے خیال میں کیا کیا جائے؟“ ”جیپوں کے رُخ یہیچے کی طرف ہوں۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر ہم ان کو بھی یہیچے ہٹا سکیں۔“

”اوہ! یہ ترکیب زیادہ مناسب رہے گی۔ تکمیلی اوازیں اُبھریں۔“

”اُج تو ہمارے ساتھ دو عدد ریٹارڈ فوجی ہیں۔ ہم تو ایک سے بھی کام چلاتے رہے ہیں۔“ پروفیسر داد دیکھاتے۔

آنھوں نے جلدی سے جیپوں کے رُخ بدلتا لے۔ ادھر  
ڈشن بالکل تیار ہو چکے تھے، لیکن آنھوں نے فائر نہیں کھولا  
تھا۔ آخر ابراتھا کی بلند آواز سنائی دی:

”میں نے فون پر شاہِ عظیم سے بات کی ہے۔ ان کا محکم  
ہے کہ اگر آپ لوگ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم  
آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ ورنہ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔  
”ہم نے اپنے آپ کو ڈشمنوں کے حوالے کرنا نہیں سیکھا:  
خانِ رحمان بلند آواز میں بولے۔

”آپ کی مرضی۔ ہم ٹھہر شروع کر رہے ہیں：“

”ضرور کیوں نہیں۔ ادھر سے بھی جواب دیا جائے گا۔“  
کرنل فارانی نے کہا۔

”لیکن خانِ رحمان۔ ہم کب تک ان کا مقابلہ کریں گے؟“  
”اس میں کوئی مشکل نہیں کہ ہم مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔  
وہ اوپنچائی پر ہیں۔ آسانی سے ہم پر فائر کر سکیں گے۔ جب کہ  
انھیں نشانہ بنانا ہمارے لیے بہت مشکل ہو گا۔“

”تب پھر ہے کہ ہم کرہی کیا سکتے ہیں۔ مرتبہ کیا ذکر تے  
کے اصول کے تحت مقابلہ تو کرنا ہو گا۔“

”ہم چیچھے تو ہستہ ہی سکتے ہیں۔“ شوکی جلدی سے بولا۔

”بے شک ہست سکتے ہیں، لیکن ہم تو ریاست میں داخل ہونا  
ہے۔ انسپکٹر کامران مرا زانے کہا۔

”بعینی۔ اس وقت کی کمان خانِ رحمان اور کرنل فارانی کے  
ہاتھوں میں ہے۔ لہذا ان کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ جو  
ہو گا، دیکھا جائے گا۔ انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کیں انداز میں کہا۔

”تو پھر ہم جیپوں کی اوٹ سے ان کی فائزگ کا جواب دیتے  
رہیں گے اور ساتھ میں چیچھے بھی ہستے رہیں گے۔ یہاں تک کہ  
ان کی رانفلوں کی زد سے دور ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم  
تنے برسے سے ریاست میں داخل ہونے کے بارے میں خود  
کر سکیں گے۔“ خانِ رحمان نے کہا۔

”اُسی وقت فضیل سے گویوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ وہ  
زین سے چک گئے اور پھر خود بھی فضیل کی طرف گویاں برسانے  
لگے۔“

اچانک پیکر پر ایک آواز گونجی:

”ئینے۔ ایک منٹ کے لیے فائر بلند کیجیے۔ ہماری طرف  
سے بھی فائر نہیں ہو گا۔“

”یکوں۔ کیا ہوا؟“ ادھر سے خانِ رحمان بولے۔  
”شاہِ عظیم آپ لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔  
فون پر ان کا پیغام سننا جا رہا ہے۔ لیجیے۔ پیغام آگیا۔“ ان الفاظ

ہے۔ "اگر تم لوگ بپند ہو تو میں یہ پیغام دے دیتا ہوں، لیکن میں نہیں جانتا۔ کہ تم لوگوں کو اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"فائدے اور نقصان کی بات جانے دیں۔" انپکٹر جمیش بولے۔

"اچھی بات ہے۔ ابراٹا نے کہا اور اس طرف خاموشی چھاگئی۔

"میں ایک اور موقع ملا ہے۔ اب ہم فضیل سے اور دوسرے ہو سکتے ہیں، جلدی کریں۔" خان رحمان نے کہا۔

انھوں نے تیزی سے سرکنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بہت دور پہنچ گئے۔ فضیل انہیں دھنڈلی دھنڈلی تظر آنے لگی۔ اس بگڑ درخت بھی موجود تھے۔ اگرچہ نزدیک نزدیک نہیں تھے، لیکن پھر بھی۔ وہ ان کے پیچے پناہ تو لے ہی سکتے تھے۔ ریاست کی فضیل پر موجود لوگوں کے پاس دور مار رائفلیں بھی تو ہو سکتی تھیں اور پھر انہیں مدھم سی آواز سنائی دی۔

"اے۔ تم لوگ تو بھاگ یئے۔ ہمارے شاہ اعظم نے کہا ہے کہ وہ اس قسم کی گیدڑ بھیکیوں میں نہیں آنے والے۔ اگر تم اصلی ہو تو ریاست میں داخل ہو کر دکھا دو۔ میں خود ریاست کے تخت سے اتر کر خود کو اصلی شاہ اعظم کے حوالے کر دوں گا۔" "اوہ۔ تو اس نے یہ کہا ہے؟" انپکٹر کامران مزا کے مزے نکلا اور پھر ان کی نظریں شاہ اعظم پر جنم گئیں۔

کے ساتھ ہی چند سینکڑے تک خاموشی چھاتی رہی، پھر کہا گیا:

"مرٹر شاہ اعظم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ لوگوں پر گولیاں نہ رساہیں۔ ہاں، اگر آپ اندر داخل ہونے کی کوشش کریں تو گرفتار کر کے ان کے سامنے حاضر کر دیا جائے، لہذا ہماری طرف سے فائزگ نہیں ہو گی۔ ابتدہ اگر آپ لوگوں نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو ہم آپ کو گرفتار ضرور کریں گے۔"

"شکریہ۔ شاید نقلی شاہ اعظم ہم سے ڈر گئے؟"

"نہیں۔ وہ اصلی شاہ اعظم ہیں۔ اور وہ ڈرنے والے نہیں ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اندر داخل ہو کر انہیں ڈرا کر دکھو دیں گے۔" فائزوق نے بھتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ لوگ ریاست میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

"یکوں۔ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ اندر داخل ہونے کا ایک خیزہ راستا بھی ہے اور اس راستے سے صرف اور صرف اصلی شاہ اعظم واقع ہے؟"

"لیکن وہ تو ریاست کے اندر ہیں۔"

"میرا یہ پیغام نقلی شاہ اعظم تک پہنچا دو کہ اصلی شاہ اعظم کو خیزہ راستے کا علم ہے اور وہ اس راستے کے ذریعے ریاست میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کے علاوہ کسی کو بھی خیزہ راستے کا علم نہیں

"لک۔ کیوں۔ کیا بات ہے۔ آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟"

"کیا آپ اصل شاہ اعظم ہیں؟"

"نہ۔ باسل۔ میں ہی شاہ اعظم ہوں۔"

"تب پھر۔ خیرہ راستے کی طرف پہلے۔ اب ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔ انپکٹر جمیش بولے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس فریبی کا پردہ چاک کر دوں۔ آئیے میرے ساتھ۔"

اور وہ شاہ اعظم کے تیچھے چل پڑے۔ انھیں ایک لمبا چکر کاٹنا پڑا۔ تب کہیں جا کر وہ درختوں کے ایک جنگل میں داخل ہوئے۔ ایک درخت کے سامنے پہنچ کر شاہ اعظم رک گئے اور درخت کے تنے پر ٹاخ پھرنے لگے۔ جلد ہی انھوں نے درخت میں ایک خلا نمودار ہوتے دیکھا اور اتنی بجد نظر آنے لگی کہ اس میں ایک آدمی داخل ہو سکتا تھا۔

"یہ ہے وہ راستا۔ وہ بولے۔"

انپکٹر جمیش نے اندر جانکر دیکھا۔ تنے میں لوہے کی بیڑھی لگی ہوئی تھی۔

"کیا خیال ہے۔ کیا ہم سب چلیں؟ انپکٹر کامران مرزا نے سوالیہ انداز میں کہا۔"

"سب کا جانا مناسب نہیں ہو گا۔ پہلے ہم میں سے ایک" پہلے جاتے ہیں؛ انپکٹر جمیش نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اور میں چلتے ہیں۔ ہمارے ساتھ مختار اعظم ہوں گے۔ فاروق اپنی طاری پر ہمیں دے دو۔ طاری پر کزوہ دو ہے کہ سیڑھی اُرتے پہنچنے۔ نظریں سے او جھل ہونے سے پہنچے شاہ اعظم نے کہا:

"راستا بند کر لیں۔ اور یہاں نہ کھڑے رہیں۔"  
"ہاں آپ فکر نہ کریں۔"

محمود نے آگے بڑھ کر نمودار ہونے والا راستا بند کر دیا، اور پھر سب لوگ درخت سے دور ہٹتے پہنچنے لگئے۔

"نہ جانے کیا چکر ہے۔ یہ نقلی شاہ اعظم کیا کرنا چاہتا ہے۔ آصف بڑھ رہا یا۔"

"حیرت ہے۔ تم اب تک اتنی سی بات نہیں سمجھ لکھے۔" محمود نے مز بنا دیا۔

"اگر تم سمجھ لگئے ہو تو بتا دو۔ تمہیں ذہن تسلیم کر دوں گا۔" آصف نے جتنا کہا۔

"ہائیں۔ تو کیا اب تک تم مجھے غیر ذہن سمجھتے رہے ہو؟" محمود پوچنکا۔

"ایک تھیں ہی کیا۔ یہ تو سب کو بے وقوف سمجھتا ہے۔"

فاروق جلدی سے بولا۔

”کیوں اُصفت۔ کیا تم سب کو بے وقوف سمجھتے ہو؟“ محمود نے چلا کر پوچھا۔

”نہیں۔ سب کو تو خیر نہیں سمجھتا، کیوں کہ سب میں قوامِ برے بھی شامل ہیں؟“

”اس کا مطلب ہے۔ تم تمام چھوٹوں کو بے وقوف سمجھتے ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ میں بھی چھوٹوں میں شامل ہوں۔“ آفتاب نے من بنایا۔

”لک۔ کچھ ہمارا بھی خیال رکھیے۔“ لکھن ہمکلایا۔

”ہاں ا تم لوگ بھی چھوٹوں میں شامل ہو۔ ابھی تمہارے بڑے ہونے میں دیر لگے گی۔“ آفتاب نے کہا۔

”شکر ہے۔ تم نے، ہمیں بڑوں میں شامل کر دیا۔ میں تو گھبرا گی خدا۔“ غان رحان بولے۔

”خیر۔“ بات میں ہو گئی کہ اُصفت ہم سب کو بے وقوف خیال کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم اس کا کیا علاج کریں۔“ محمود نے سب پر ایک نظر ڈالی۔

”تم لوگ ڈاکٹر ہو نہ حکیم۔“ ہاں نیم حکیم شاید ہو گے۔ دوسرے کوئی نہیں بیمار نہیں ہوں۔ اور نہ فی الحال۔ بیمار ہونے کا خیال ہے۔ اُصفت شوخ انداز میں مُسکرا یا۔

”اب معاملہ برداشت سے باہر ہو چکا ہے۔ اسے مزاچھا ہی ہو گا۔“

”لیکن بھی۔ میں اس کا مشکلہ نہیں دوس گا۔“ منور علی غان کی اواز سنائی دی۔

”کس کا مشورہ انکل۔“ شوکی جلدی سے بولا۔

”معاملے کو برداشت سے باہر کرنے کا، کیوں کہ جب معاملہ برداشت ہے باہر ہو جاتا ہے تو پھر معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ تو پھر انکل آپ اسے بھی تو سمجھائیں نا۔“ فزاد نے برا سامنہ بنایا کہا۔

”ہاں یہ بھی شیک ہے۔ بھی اُصفت۔ سمجھ جاؤ۔“ منور علی غان مسکائے۔

”لک۔ کیا سمجھ جاؤں۔“ اس نے چیراں ہو کر کہا۔

”بس تم۔ ان لوگوں کو بے وقوف خیال کرو۔“

”اگر آپ سختے ہیں تو نہیں کرتا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”کیا مطلب۔ سعی ہیں، ہم بے وقوف ہی۔“ فرحت نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

”اب یہ تو تم خود نتیجہ نکال رہی ہو۔ اس میں میرا کیا قصور۔“ اس نے مسمی صورت بنائی۔

”آپ سب لوگ ایک بات بھول رہے ہیں۔ ایسے میں اشناق

کی آواز سنائی دی۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ جو دوسروں کو بے وقوف خیال کرتا ہے، وہ اصل وہ خود بے وقوف ہوتا ہے"

"اسے مطر۔ اشناق ذرا ہوش میں رہ کر بات کرو۔ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟" "آصف غرّایا۔"

"لگ۔ کیا۔ میں نے آپ کو کچھ کہا ہے، یہ اتنے لوگ یہاں موجود ہیں۔ کوئی ایک شخص بھی یہ کہ سکتا ہے کہ میں نے آپ کی شان میں کوئی لفظ بولا ہے۔"

"تو اور کس کی شان میں بولے ہیں یہ الفاظ؟" "آصف نے جھٹا کر کہا۔

"کیوں صاحبان۔ ذرا انصاف فرمائیں۔ کیا میں نے یہ الفاظ ان کی شان میں ادا کیے ہیں؟"

"نہیں بھی۔ تم نے تو ایک عمومی بات کہی ہے۔" "کرنل فاران بولے۔"

"آپ تو نیران کی ہی طرف داری کریں گے۔" "آصف بولا۔"

"نہیں آصف۔ یہ غلط ہے۔ انھوں نے بھی ایک عام بات کہی ہے۔ خان رحان نے کہا۔"

"میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔" منور علی خان بولے۔

"اوہ۔ سب لوگ میرے خلاف ہو گئے۔ جرت ہے۔ حالاں کہ میں نے قطعاً کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ آصف نے سمجھدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی یہ بھی ایک ہی رہی۔ کہ اس نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ اس سے زیادہ غلط باتیں اور ہو کیا سکتی ہیں؟" "مشکل تو یہی ہے۔ کہ کسی نے بھی میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ بس لال پیلا ہونا شروع کر دیا۔ میں تو اپنے آپ کو بھی کہ رہا تھا۔ آصف نے کندھے آچکائے۔

"بات سمجھنے کی کوشش۔ کیا مطلب؟" فرحت چونگی۔

"اب کیوں چونگی ہو؟" آصف مسکرا کر ایسا۔

"اوہ!" آفتاب نے بھی چونگ کر کہا۔

"لو۔ اب یہ بھی چونگ آئے؟"

"خیر تو ہے بھی۔ کیس تم لوگوں پر چونکنے کا دورہ تو نہیں ہڈا گیا۔ پرد فیر داؤ د گھر اگئے۔"

"آصف کا خیال ہی صحیک تھا۔" فرحت بڑی بڑی۔

"کیا مطلب۔ یہ خیال کہ ہم سب بے وقوف ہیں۔ یہ خیال اس کا صحیک تھا۔ محمود نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" آفتاب بولا۔

"اوہ۔ اب تم بھی تائید کرنے لگے۔"

"کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔"

"مجبوری ہے، لیکن کہاں ہے۔ ہمیں تو کیس دوڑ دوڑ تک نظر نہیں آ رہی۔" اخلاق نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔  
سامنے دیکھیں۔ سب کو معلوم ہو جائے گا۔ بلکہ چاروں طرف دیکھیں۔"

ان سب نے فوراً چاروں طرف دیکھا اور انہیں معلوم ہو گی کہ آجھت کا خیال بالکل صحیح تھا۔

تینوں سریں ہیاں اترتے چلے گئے۔ پاؤں زمین پر لگے تو انہوں نے خود کو ایک سرینگ میں پایا۔ اب وہ ایک قطار میں سرینگ میں چلنے لگے، کیوں کہ اتنی جگہ نہیں تھی کہ تینوں ساتھ ساتھ چلتے، شاہ اعظم ان سے آگے چل رہے تھے۔

"ہمیں کتنا فاصلہ طے کرنا ہو گا؟" اسپکٹر کامران مزابولے۔

"قریباً ایک کلو میٹر۔"

"اوہ۔ تب تو تیز تیز قدم آٹھائیے، کیوں کہ کافی وقت لگ جائے گا۔ انہوں نے کہا۔

"اچھا؟ انہوں نے کہا اور تیز تیز چلنے لگے۔"

"کیا آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اس راستے سے واقع نہیں؟"  
اسپکٹر جمیش بولے۔

"نہیں۔ وہ بولے۔"

"لیکن بخوب۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"کیا کس طرح ہو سکتا ہے؟" انھوں نے پوچھا۔  
"کہ آپ کے علاوہ کوئی اس راستے سے واقع نہ ہو۔"  
"کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"یہ راستا خود آپ نے تو بنایا نہیں ہو گا۔"  
"نہیں۔ یہ میرے دو ففاداروں نے بنایا تھا۔ وہ مجھے بہت  
یاد آتے ہیں۔ شاہ اعظم نے سرد آہ بھری۔

"کیا مطلب۔ یاد آتے ہیں؟" انپکٹر جمیل نے جراث ہو کر پوچھا  
"ہاں! ایک بار میں نے ان سے یہ نیحال ظاہر کیا کہ اگر  
کبھی مجھے خفیہ طور پر باہر جانا پڑے اور باہر سے اندر آنا پڑے  
تو اس کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ اور ان سے یہ سوال اس یہے  
پوچھا تھا کہ وہ بستریں انجنیئر تھے۔ دنوں نے میرے لیے یہ سُرنگ  
بنائی اور پھر۔"

"یہ کیا ہوا؟"

"میرے ایک دشمن نے انھیں ایک بار اخوا کر دیا اور اس  
خفیہ راستے کے بارے میں پوچھا۔"

"یہ کسی کو خفیہ راستے کے بارے میں کس طرح پتا چل گی۔  
ان میں سے ایک سوتے میں بولنے کا عادی تھا۔ اس کے  
کسی دوست نے اسے سوتے میں باتیں کرتے سُن لیا۔ وہ اس  
سُرنگ کا ذکر کر رہا تھا۔ بس نہ جانے اس شخص کو کیا سوجی

کہ ان دونوں کو چند غنڈوں کے ذریعے اخوا کروا دیا اور ان سے  
سُرنگ کا راستا پوچھنا چاہا۔ یہاں تک کہ کروہ خاموش ہو گئے۔  
پھر۔ کیا انھوں نے بتا دیا؟" انپکٹر کامران مزرا بولے۔  
"نہیں۔ انھوں نے نہیں بتایا۔ میرے اس دشمن نے ان  
پر خلم کے پھاڑ توڑ ڈالے، لیکن انھوں نے زبان بزکھولی۔  
یہاں تک کہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔"

"آپ کو اس بات کا کس طرح پتا چلا؟" انپکٹر جمیل  
نے پوچھا۔

"میں ان کی گم شدگی پر بہت پریشان تھا۔ میرے محافظ  
اپنی ہر طرف تلاش کرتے پھر رہنے تھے کہ ایک کھنڈر سے  
دونوں کی لاشیں مل گئیں۔ پھر میرے محل کے جاہوں نے اس  
جگہ کا جا کر معافانہ کیا اور پھر سراغ لگاتا ہوا میرے اس دشمن  
تک پہنچ گیا۔ میرے آدمیوں نے اسے گرفتار کر دیا۔ اس کے  
خلاف ثبوت بالکل مکمل تھا۔ جھوٹ ریاست کے تمام لوگوں کے  
سامنے پیش کر دیا گیا۔ دراصل چائے واردات پر دشمن کی انگلیوں  
کے نشانات مل گئے تھے۔ وہ خود بھی انکار نہ کر سکا اور اس  
نے ان کے قتل کا اقرار کر دیا۔ اس کے بعد اسے چنانی دینے  
میں بھلا کیا رکاوٹ ہو سکتی تھی۔ میں نے اسے ریاست کے  
بڑے چوک میں چنانی پر لکھا دیا۔ اگرچہ پوری ریاست کے

لوگوں نے اس کی سفارش کی۔ اس کا جو معاون کرنے کے بارے میں کہا۔

"یکوں۔ کیا وہ بہت ہر دل عزیز تھا۔ اور ریاست کے لوگ اسے بہت پسند کرتے تھے؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں تھی۔ انہوں نے کہا اور ناموش ہو گئے۔

"تو پھر۔ کیا بات تھی؟"

"بات۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ میرا اپنا اکتوتا بیٹا تھا،

"کیا؟ دونوں چلا آئے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے چھیل گئیں۔

"بہت افسوس ہوا یہ جان کر، لیکن وہ آپ کا دشمن یکوں بن گیا تھا۔"

"مجھے نوت کے گھاٹ آتا کہ ریاست کا حکمران بننا چاہتا تھا۔ حکومت کا نائب ایسی ہی چیز ہے۔ اور اسی لیے میں اس ریاست کو فروخت کو دینے پر تیار ہو گیا تھا۔ بیٹے کی موت کے بعد میرا اب اس میں دل نہیں گلتا۔"

"ہوں۔ اور بیٹے کی ماں؟"

"وہ بھی اس کے غم میں مر گئی۔"

"یہ جان کر اور بھی افسوس ہوا۔ تب تو آپ بہت ہی دُکھی آدمی ہیں۔"

"ہاں! اور افسوس تو یہ ہے کہ ان حالات کے باوجود میں اب یہی ریاست کے جال میں ہی پھنسا ہوا ہوں۔"

"اس میں آپ کا کیا قصور۔ آپ تو اس سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس نقلی شاہ اعظم نے کام خراب کر دیا، دروز وہ لوگ خریدنے پر مجبوہ ہو چکے تھے، لیکن اس نقلی نے اپنی یہ تجویز دی کہ ریاست تو مفت میں ہاتھ لگ سکتی ہے۔"

"ہوں۔ ضرور یہی بات ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ نقلی شاہ اعظم کون ہے؟"

"یہ بات تو ابھی ہمیں بھی نہیں معلوم۔"

ان کا سفر جاری رہا۔ آخر شاہ اعظم بولے:

"یجھے۔ ہم محل کے ایک خفیہ دروازے سکے پہنچ گئے۔

اب کیا کرنا ہے؟"

"دروازہ کھول ڈالیں۔"

"لیکن دوسری طرف نقلی شاہ اعظم کے آدمی نہ موجود ہوں۔"

"اگر یہ دروازہ خفیہ ہے تو پھر دوسری طرف آدمی کس طرح ہو سکتے ہیں؟" ان پکڑ کامران مرزا نے چران ہو کر کہا۔

"صرف دروازہ خفیہ ہے۔ کہہ خفیہ نہیں ہے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ہم تیار ہو جاتے ہیں۔" ان پکڑ جہشید بولے اور انہوں نے پستول نکال لیے۔

شاہ عظیم نے ان پر ایک نظر سڑاں اور دروازے پر لگے پنڈ بٹن باری دبائے، لیکن دروازہ نکھلا۔

”اُرے۔ اسے کیا ہوا؟“ ان کے منہ سے نکلا۔

”کیمیں آپ جھوول تو نہیں گئے؟“

”جی۔ جی نہیں۔ ز جانے کتنی مرتبہ میں نے اس دروازے کو کھولا ہو گا۔“

”خیر۔ ایک بار پھر کوشش کریں۔“

انھوں نے پھر بٹن دبائے، لیکن دروازہ نکھلا۔

”یا تو اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ یا پھر۔“ شاہ عظیم نے چمٹر ادھورا چھوڑ دیا۔

”یا پھر کیا؟“

”یا پھر اسے خراب کر دیا گیا ہے۔“

”لیکن کیسے۔ اس کے بارے میں تو کسی کو علم، ہی نہیں۔“

”اس پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ کیا کر سکتا ہوں۔“ انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

”تب پھر ہم واپس جانے کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔ آئیے واپس پہلیں۔“

”مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ کو میری وجہ سے بہت تکلیف آئھانا پڑا رہی ہے۔“

”تو پھر کیا کھوں؟“

”ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر رہے۔ یہ تو ہمارے اپنے ملک، قوم اور دین کا معاملہ ہے۔“

”جی۔ کیا مطلب۔ وہ کیسے؟“

”ہماری فوج کے ایک کرمل کو انغو اکر لیا گیا ہے۔ اور اس کے انغو میں ہاتھ اسی نقلی شاہ عظیم کا ہے۔“

”ماں! میں آپ کی باتیں سننا رکھا ہوں۔“ وہ بولے۔

آہستہ وہ واپس چل پڑے۔ اب وہ تھکے تھکے انداز میں قدم آٹھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ درخت کے نیچے پہنچ گئے۔ تینوں لوہے کی سیڑھی چڑھتے کھوہ تک پہنچے اور پھر شاہ عظیم دروازہ کھولنے کے لیے بٹن دبایا، لیکن ایک دوسرا جھٹکا اپنیں لگا، جب کھوہ والا راستا نمودار نہ ہوا۔

”اُرے یہ کیا ہوا؟“ شاہ عظیم گھبرا گیا۔

”ہمیں بھی یہی ڈر تھا۔ نقلی شاہ عظیم نے ضرور اس راستے کا سُراغ پہنچے، ہی لگا یا تھا۔ اور اسی نے محل والا اور یہ راستا اندر سے کھولنے کا نظام بے کار کر دیا ہے۔“

”آٹ۔ اب۔ اب کیا ہو گا۔ مم۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے۔“

”آپ کا دم گھٹنے لگا ہے۔ ایسا نہ کیسے؟“ ان پکڑ کامران مرزا واپس پہلیں۔

”بولے۔“

"ہمیں کسی نہ کسی طرح اس مُنڈنگ سے باہر نکلنا ہے۔"

"لیکن کس طرح۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"آپ خود کو پریشان نہ کریں۔ اب ہمارا کام شروع ہوتا ہے۔" انپکٹر جہشید نے کہا۔

"آپ کا کام۔ کیا مطلب؟ وہ چونکے۔"

"باہر نکلنے کے لئے میں کوشش ہم کریں گے۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" انپکٹر کامران مزا نے کہا۔

اور پھر وہ کھوہ کے آس پاس کا جائزہ لینے لگے۔

"کاش۔ اس وقت ہمارے پاس محمود کا چاقو ہوتا۔" انپکٹر جہشید بڑھ رہا ہے۔

"اب ہمیں پاقو کے بغیر کام نکالنا ہو گا۔"

انھوں نے کھوہ کا جائزہ لیا۔ آخر انپکٹر کامران مزا بولے:

"اب آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر کھوہ کا جائزہ لیں۔"

"خیرو۔ کیوں نہیں؟ یہ کہ کر انھوں نے ٹارچ شاہ اعلم کے ہاتھ میں تھا دی۔"

انپکٹر جہشید ان کے کندھے پر کھڑے ہو گئے۔ اور چاروں

طرف سے کھوہ کا جائزہ لینے لگے۔ میں اسی وقت کوئی وزن چیزان کے سر پر گری۔

ان کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی اور پھر انھوں

نے انپکٹر کامران مزا کے کندھے سے چلانگ لگادی۔ اس وقت تک انپکٹر کامران مزا بھی ہوشیار ہو چکے تھے۔



انھوں نے دیکھا۔ ان کے چاروں طرف فوجی موجود تھے، ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ اور ان رائفلوں کا رُخ ان کی طرف تھا۔

"ہاتھ اور آٹھا دو۔" ابراہما کی سرد آواز ان کے کانوں سے دمکتا۔

"پروگرام کیا ہے؟ آسمن مسکرا یا۔"

"شاہ اعلم۔ تم لوگوں سے مٹا چاہتے ہیں۔" ابراہما نے کہا۔

"اس کے لیے اتنا مشکل طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی، ہم تو خود اندر جا کر ان سے ملنے کے خواہش مند تھے۔" محمود نے مذہبنا کر کہا۔

"اس وقت انھیں آپ کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔"

"گویا اب انھیں معلوم ہو چکا ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ ارے۔ آپ میں وہ تو ہیں، ہی نہیں۔"

abraham پونکا۔

"ایسی بخوبی میں ہم کیا گل کھلا۔ ارے مر گیا۔ س۔

سانپ۔ سانپ نے کاٹ کھایا۔ فاروق پیچ پڑا، ساتھ ہی دھڑا  
سے زمین پر گرا۔

سانپ کا لفظ سن کر ابراٹا اور اس کے ساتھی گھبرا کر تجھے  
ہٹے، لیکن فاروق کے تمام ساتھی یک دم اس کی طرف بڑھے اور  
پھر اس پر جاک گئے۔ فاروق نے ایک آنکھ کھول کر ان کی  
طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیا:

"حمد! اس نے سرگوشی کی۔

"ارے باپ رے۔ وہ رہا سانپ۔ محمود نے ہمک لگائی اور  
ایک سمت میں دوڑ پڑا۔

بس پھر کیا تھا۔ وہ سب افراد تفری کے عالم میں ادھر ادھر  
ہم تک پہنچ جائیں گے۔ شوکی نے فرد کہا۔

"خبردار۔ رُک جاؤ۔ درد، ہم گولی چلا دیں گے۔"

"پپ۔ پہلے سانپ پر تو گولی چلا ہیں نا جاہب۔" اخلاق نے  
بند آواز میں کہا۔

"سانپ۔ کہاں ہے سانپ؟" ابراٹا نے چلا کر کہا۔

"سانپ سے پوچھیں۔" فاروق بولا۔

"اب ان پر فائزگ کرنا ہی پڑے گی۔" ابراٹا نے غرما کر  
کہا۔

"وہ کون؟" فاروق بولا۔

"نقشہ شاہ اعظم؟

"ہاں! نقشہ شاہ اعظم واقعی ہم میں نہیں ہیں۔ ہم میں تو  
صرف اصلی شاہ اعظم ہیں۔" مکعن نے مسکرا کر کہا۔

"خیر یوں ہی سمجھی۔ اصلی بھی تو نظر نہیں آ رہے۔" ابراٹا نے  
اسے گھورا۔

"اصلی ذرا کم ہی نظر آتے ہیں۔" ان کی پرانی عادت  
ہوتی ہے۔ فاروق نے من بنایا۔

"خیر۔ ہم تم لوگوں کو ہی لے چلتے ہیں۔ انھیں بعد میں تلاش  
کر لیں گے۔"

"تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو خود ہماری تلاش میں  
ہم تک پہنچ جائیں گے۔" شوکی نے فرد کہا۔

"کیا تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم تمہاری باتیں سُننے کے  
لیے یہاں آتے ہیں؟" ابراٹا نے جل جن کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہمارا یہ خیال نہیں ہے۔" محمود مسکرا یا۔

"اچھا بس۔ خاموش رہو۔ میرا دماغ نہ چاٹو۔" میں سمجھو گیا۔

"آپ کیا سمجھ گئے؟ آصف جلدی سے بولا۔"

"یہ کہ تم لوگ ہمیں باتوں میں لگا کر کوئی گل کھلانا چاہتے  
ہو؟" ابراٹا بھتنا کر بولا۔

لیکن جتنی دیر میں وہ فائزگ کے لیے تیار ہوتے۔ اتنی دیر میں سب لوگ درختوں کے بیچے پناہ لے پکھے تھے۔ ابراٹا نے یہ دیکھ کر کہا:

”تم سب کے سب احمد ہو۔ اس طرح ہمارا تھوڑا سا وقت تو ضائع ہوا گا، لیکن بہر حال ہم تمہیں مرزا شاہ اعلم کے حوالے ضرور کر کے رہیں گے۔“  
”کوشش کر دیکھو۔“

”چلو بھئی۔ ان لوگوں کو پکڑ دو۔“

وہ انہا حصہ آگے بڑھے۔ ان میں سے سب سے آگے ایک بہت بے قد کا پہلوان نما آدمی تھا۔ جوں ہی وہ سب سے پہلے والے درخت کے قریب پہنچا۔ اس کے منزے ایک دل دوز چین، نکلی۔ بیچھے کی طرف اچل کر نیچے گرا اور انہوں نے دیکھا۔ اس کے پیٹ سے خون اُبل رہا تھا۔  
”وہ عشق کر آئی۔“ بہت ہی مناسب وقت پر محمود نے پاؤ کا استعمال کیا تھا۔

ابراٹا کے ساتھیوں نے اپنے ساتھی کا یہ حمزہ دیکھا تو مٹک کر رک گئے۔ پریشان ہو کر ابراٹا کی طرف دیکھا۔ وہ ان کا مطلب سمجھ گیا، بلند آواز میں بولا:

”گھرانے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے صرف ایک کے پاس

”ایدھ کوئی چاقو دغیرہ ہو گا۔“

وہ ایک بار پھر بہت کر کے آگے بڑھے۔ اس وقت تک ان کا ساتھی ساکت ہو چکا تھا۔ اب وہ اس درخت سے کھن کرنا کر گزر گئے جس کے بیچے محمود تھا اور پھر جوں ہی اگلا آئیں ایک دوسرے درخت کے قریب پہنچا۔ اس کے منزے بھی ایک بیانک چین نکل۔ وہ بھی اُٹھ کر گرا۔ اس کے ساتھیوں نے خوف زدہ نظرؤں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے بھی پیٹ سے خون اُبل رہا تھا۔

”یہ کیا ہوا سر۔ آپ تو کہ رہے تھے ان میں سے صرف ایک کے پاس شاید چاقو ہے، لیکن یہاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہر ایک کے پاس چاقو موجود ہے۔“ کسی نے چلا کر کہا۔  
”اوہ۔ تب تو محتاط رہو اور اس طرح پوزیشن بن جاؤ کہ یہ لوگ فرار نہ ہو سکیں اور ہم ان کے چاقوؤں سے بھی بچے رہیں۔“

”وہ کیسے۔ ترکیب آپ بتائیں نا۔“ ایک نے جل کر کہا۔  
”تمہاری یہ جرأت کر مجھ سے ایسے لجھے میں بات کرو؟“ ابراٹا نے غرّا کر کہا اور پھر ایک فائزگ کی آواز گونجی۔  
”مشمنوں پر سکتے طاری ہو گی۔“ گونجنے والی چین نے اخیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ آخر ایک منٹ بعد ابراٹا کی آواز اُجری:

"جس نے بھی کوئی غلط لفظ منہ سے نکالا، اس کا یہی حرث کروں گا۔ آگے بڑھو اور انھیں تمہس کر ڈالو۔"

"لیکن سر۔ حکم تو ان لوگوں کو زندہ پیش کرنے کا ہے۔" "اب ہم کیا کریں۔ یہ لوگ مرنے مارنے پر تسلی گئے ہیں، زندہ کس طرح پکڑیں۔" اس نے کہا۔

"تو آپ کی طرف سے اجازت ہے۔ ہم ان لوگوں کو بچوں ڈالیں۔"

"ہاں بالکل۔ اجازت ہے۔" اس نے کہا۔

ایک بار پھر وہ لوگ آگے بڑھنے لگے، لیکن اب وہ نہیں پر رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رانفلیں موجود تھیں۔ دوسری احتیاط انہوں نے یہ کی کہ انہوں نے دختوں کے نزدیک نہیں گئے۔ محاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ اس طرح وہ دختوں کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ دوسری لمبھ ان کے لیے جیران کئی تھا۔

جن لوگوں کو گرفتار کر کے وہ لے جانے والے تھے، ان میں سے ایک بھی کسی درخت کے پیچھے نظر نہیں آ رہا تھا،

"حیرت ہے۔ یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے اور کس طرح ہو گئے۔" ایک نے بڑھانے کے انداز میں کہا۔

"جس وقت ہمارے دوسرے ساتھی پر چاقو کا حملہ ہوا، اس

مدد، ہم سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ضرور انہوں نے اس مہلت سے فائدہ آٹھایا اور دُور بکھل گئے۔ ابراٹا نے فکر مند ہگر کہا۔

"اوہ۔ تو کیا ہم آگے چلیں؟"

"ہاں! اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ کافی دُور بکھل گئے۔ لیکن کہیں کوئی نظر نہ آیا۔"

"یہاں تو ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔"

"حیرت ہے۔ انھیں زمین کھا گئی یا آسمان بکھل گیا۔" ایک بڑھا یا۔

"اوہ۔ اس جگہ چل کر دیکھتے ہیں؟"

"وہ واپس پہنچنے اور اس جگہ آئے۔ جہاں ان کے دوسرا تھوڑوں کو چاقو مارا گیا تھا، اب وہ دم توڑ چکے تھے۔ ان کی لاشیں جوں کی توں پڑھی تھیں۔ انہوں نے پاروں طرف کا جائزہ لیا، لیکن کہیں بھی کوئی نظر نہ آیا۔"

"اب کیا کیا جائے سر؟"

"آخر وہ ہمیں چکر دے ہی گئے۔ یہی میر شاہ اعظم نے کہا تھا۔ کہ یہ لوگ بہت پالاک ہیں۔ کہیں دھوکا نہ دے جائیں۔ اس وقت میں نے ان کی طفتہ توہہ نہیں دی، اگر دی ہوتی تو

اس وقت صورتِ حال یہ نہ ہوتی۔ ابراٹا کے لمحے سے حرت پلک رہی تھی۔

"ارے۔ یہ کیا؟" اس کے ایک ساتھی کے مزے سے حرت زدہ انداز میں نکلا۔

"کیا بات ہے۔ خیر تو ہے؟" ابراٹا نے کہا اور اس کی طرف مڑا۔

اس کی آنکھیں خوف سے چیل چکی تھیں۔ اور چیلی ہوئی آنکھیں بدستور لاشوں کو گھور رہی تھیں۔

"یہ ہو گیا ہے تمیں۔ یہ کوئی جن بجوت نظر آگیا ہے؟"  
سر۔ ان دونوں کی۔ وہ۔ یعنی کہ رائے۔"

اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت ایک فالر ہوا تھا۔ اور وہ دھڑام سے گر کر تڑپنے لگا۔

اس کے گرتے ہی ابراٹا کے تمام ساتھی دھڑام سے زمین پر گرے اور درختوں کی طرف ریٹنے لگے۔ خود ابراٹا بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ اچانک اس کے بجائگتے ساتھیوں پر فائر بگ شروع ہو گئی۔ فضا میں کئی لرزہ خیز چیخیں گوئیں۔ اور ان کے ہوش اڑا گئیں۔ وہ انداھا دصد انداز میں بھاگے۔ لیکن ٹوکریاں اب بھی تڑا تڑا برس رہی تھیں۔ انھیں پیچے مڑنے اور مرد کر فائر کرنے کی ذرا بھی مہلت نہ مل سکی؛ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ ان میں سے کچھ لوگ پنج کر درختوں کے پیچے پوزیشن لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اور کامیاب ہونے والوں میں ابراٹا بھی تھا، اسی لمحے ایک آواز آجری:

"مڑ ابراٹا۔ اب تمہارے لیے ایک ہی صورت ہے۔ اور

وہ یہ کہ تم اور تمہارے ساتھی ماتحت اور آٹھا کر سامنے آ جاؤ۔  
لیکن کیوں۔ ہم درختوں کے پیچے محفوظ ہیں۔ ہم خود کو تمہارے

کر نہیں سکت۔" وہ بولا۔

" یہ وقت کام کا ہے۔" خان رحمان کی آواز گوئی۔  
" کیوں مٹر ابراٹا۔ اب کی خیال ہے۔ اب تو آپ چھے سے  
آتی آواز بھی سن پکے ہیں۔"

" ہاں । اور اس بات پر میں حیران ہوں۔" ابراٹا بولا۔  
" اب آپ لوگ ہتھیار چینک کر سامنے آ رہے ہیں یا نہیں۔"  
کرنل فارانی نے کہا۔

" تمیک ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔ چلو بھئی ہتھیار چینک دو۔  
۱۱ ابراٹا کی آواز سنائی دی۔

جلد ہی وہ لوگ ہاتھ آٹھائے ان کے سامنے آگئے۔ وہ  
درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ اب وہ تیزی سے یونچے اترنے لگے،  
یہاں تک کہ ان کے سامنے آکھڑے ہوتے۔ ان میں سے صرف  
خان رحمان اور کرنل فارانی کے ہاتھوں میں رانفلیں تھیں اور یہ  
رانفلیں انہوں نے پہلے مرلنے والے دو شمنوں سے جاصل کی  
تھیں :

" باقی رانفلیں بھی سیٹ دو بھئی۔" خان رحمان نے ان سے  
کہا۔

وہ دونوں رانفلیں تانے ان کے سامنے کھڑے تھے، باقی  
لوگ چھپے ہو کر اسلوگ سیٹ لائے:

حوالے کیوں کریں؟ ابراٹا نے منہ بنایا۔

" ہات دراصل یہ ہے کہ یہ تم لوگوں کی خوش فہمی ہے۔ محمود  
کی شوخ آواز اُبھری۔

" کیا مطلب؟"

" تم لوگ ان درختوں کے پیچے بھی محفوظ نہیں ہو۔ اگرچاہ  
تو ابھی اس بات کا ثبوت ہم دے سکتے ہیں، لیکن اس طرح  
تمہارے دو چار ساتھی اور کم ہو جائیں گے۔"

" یہ چالیس رہنے دو۔ تمہاری آواز سامنے سے آ رہی ہے۔  
اور سامنے سے کوئی کس طرح ہم پر نشانہ لگا سکتا ہے۔"

" اور اگر آواز چھے سے آگئی تو آپ کیا کریں گے؟" فاروق  
پھرکا۔

" تب - تب یہ بات سوچی جا سکتی ہے：  
" چلو بھئی۔ آصفت۔ ان کو اپنی آواز سناؤ۔" محمود نے  
بلند آواز میں کہا۔

" ضرور کیوں نہیں، لیکن اگر انہوں نے میری آواز سننے سے  
انکار کر دیا تو۔" آصفت بولا۔

" دماغ تو نہیں چل گی۔ کہیں آواز سننے سے بھی انکار کیا  
جا سکتا ہے۔"

" ابھی تک تو چلا نہیں۔ اس کے بعد چل جائے تو میں کچھ

"ہاں تو مسٹر ابراٹا۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

ابراٹا نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے ان سب پر  
ایک نظر ڈالی اور پھر محمود جلدی سے بولا:  
"مسٹر ابراٹا۔ آپ کہاں ہیں؟"

لیکن ابراٹا کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

"اوہ ہو۔ اس کا مطلب ہے۔ ابراٹا کمک میا۔ خان رحمن  
ڈیڑائے اور ان کی نظریں کرنی فارانی پر جنم گئیں۔

ہاں! یہ میری غلطی سے ہوا۔ یہ لوگ جب ہاتھ اور آٹھا  
کر سامنے آئے تو میں نے پوری توجہ نہیں دی۔ اور ینچے اُترنا شروع  
کر دیا۔ خابا۔ اسی وقت ابراٹا نکلنے میں کامیاب ہو گیں۔ انہوں  
نے شرمende ہو کر کہا۔

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ ہم بُرے نہیں رہے۔ کہاں تو یہ  
لوگ ہمیں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے اور کہاں ہم  
نے انہیں قابو میں کر لیا ہے۔ پرد فیرداود نے خوش ہو کر کہا۔

"اُرے! ہم اپنے یعنی ساتھیوں کو تو بھول ہی گئے۔  
منور علی خان کے منہ سے نکلا۔

"اوہ ہاں۔ تو پھر یوں کرتے ہیں کہ ان سب کو باندھ کر  
یہیں ڈال جاتے ہیں اور خود ان کی طرف پہنچتے ہیں۔ محمود نے  
تجویز پیش کی۔

"باندھ کر اسی طرح نہیں ڈال جانا چاہیے۔" فرزاد جلدی سے  
بولی۔

"تو پھر کس طرح ڈال جانا چاہیے۔" فرزاد نے اس کی طرف  
دیکھ کر کہا۔

"مطلوب یہ کہ ان کی نگرانی کے لیے بھی یہاں کسی کو چھوڑنا چاہیے۔"  
ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔"

"یہاں کسی کس کو چھوڑا جائے؟"

"محبے۔ آفتاب کو اور شوکی کو۔ فاروق نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ آفتاب نے فرمادیا۔

"بعنی شوکی۔ تمہاری آواز سناتی نہیں دے رہی۔" فاروق نے  
ایک دو سینٹ کے اختصار کے بعد کہا۔

اس پر بھی شوکی نے کچھ نہ کہا تو انہوں نے یہ دم  
ادھر ادھر دیکھا، لیکن شوکی ان کے درمیان نہیں تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ شوکی۔ ابراٹا کے تعاقب میں  
نکل گیا ہے۔" فرزاد بولی۔

"اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اوہ۔ اب کام کریں۔"

انہوں نے نقل شاہ اعظم کے ساتھیوں کو باندھنا شروع کیا،  
پھر فاروق، آفتاب اور مکمن کو قیدیوں کے پاس چھوڑ کر وہ

اس درخت کی طرف پلے جس کے ذریعے شاہ اعظم ریاست کے محل میں پہنچنا چاہتے تھے۔

نژدیک پہنچ کر انہوں نے اس درخت کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اچانک انہیں ایک بہت ہی مدد اور گھٹی گھٹی سی چیخ سنائی دی۔ چیخ درخت سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ اب تو وہ بے چین ہو گئے۔ محمود نے آگے بڑھ کر درخت کا راستا کھولنا چاہا، لیکن کوشش کے باوجود وہ کوئی طریقہ نہ دیکھ سکا۔

کیا ہم میں سے کسی نے مظہر شاہ اعظم کو راستا کھولنے دیکھا تھا؟

کسی نے ہاں میں جواب نہ دیا۔

ادہ۔ اب ہم اسے کس طرح کھولیں۔ آصف بولا۔

”اندر ضرور گذاہ ہے۔“ فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

”کیوں نہ محمود کے چاقو کی مدد سے راستا کھولنے کی کوشش کی جائے۔“ فرحت نے ترکیب بتاتی۔

”بہت خوب۔ بہت ہی اچھی ترکیب ہے۔ پروفیسر داؤڈ نے خوش ہو کر کہا۔

مودود نے آؤ دیکھا نہ تما۔ چاقو نکالا اور درخت پر اس مبارکہ چالانہ شروع کیا جس مبارکہ راستا نمودار ہوا تھا۔ درخت کیتا پھلا کیا۔ اور پھر اس میں اتنا خلاں بن گیا کہ وہ اندر جانکر

سلکتے تھے۔ محمود نے بے تاباذ اس میں جھانکا۔ اور ایک بجیب منظر اس کے سامنے تھا۔

نیچے چھوٹی سی جگہ میں ایک اڑدھانے تین آدمیوں کو اپنی پیٹ میں لے رکھا تھا۔ اور بُری طرح بھینچنے وال رہا تھا۔ محمود یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا اور چلا آٹھا۔  
”انکل جلدی آئیے۔“

”لگ۔ کون سے انکل؟“ خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔  
”انکل شکاری۔ شکاری انکل۔“ اس نے چلا کر کہا۔

منور محل خان بچھت کر آگے بڑھے۔ محمود کا بازو پکڑ کر انہوں نے چیچے کی طرف جھکلا دیا اور پھر نیچے جھانکا۔ نیچے کا منظر دیکھ کر ان کی انکھیں چھیل گئیں، پھر انہوں نے جلدی سے محمود کے ہاتھ سے چاقو لیا اور وہے کی سرحدی اُترتے چلے گئے۔  
اور پھر وہے کی سرحدی کا ایک ٹوٹا ایک ہاتھ سے تمام کروڑ نیچے جعلے۔ دوسرے ہاتھ میں چاقو تھا۔ انہوں نے ناپ قول کا چاقو کا دار اڑدھے کے سر پر کیا۔ اس طرح کہ چاقو ان میں سے کسی کو نہ لگ سکے۔ دوسرے ہی لمحے اڑدھے کا سُر الگ تھا۔ اور اس کی گردن میں سے خون فوارے کی طرح انکل رہا تھا۔ جلد ہی اس کے بل ڈھینے پڑنے لگے اور وہ تینوں اس کے بوس سے نکلنے میں کامیاب ہیو گئے۔ لیکن اب ان

کا حلیہ عجیب تھا۔ لرزتے کانپتے وہ اوپر پہنچے، اڑدھا بھی تک دم پہنچ رہا تھا۔ ان کے پکڑے اڑدھے کے خون میں لٹ پت ہو رہے تھے اور انھیں گھن آ رہی تھی۔

”اُن ماںک۔ اس بار تو ہم سچ بچ موت کے منزے میںکل کر آ رہے ہیں۔“ انپکڑ کامران مرزا بولے۔  
”اللہ کا شکر ہے۔“ انپکڑ جمیش نے کہا۔

”مل۔ یہکن۔ میں جیران ہوں کجیہ اڑدھا کہاں سے آیا۔“  
”درخت پر رہتا ہو گا۔ اس نے اس طرف راستا بنایا۔“  
منور علی خان نے کہا۔

”ہوں! یا پھر راستا بناؤ کر اسے اس راستے سے اندر پہنچنائی، تاکہ ہمارا راستا بدوکا جاسکے۔“ انپکڑ جمیش نے خیال ظاہر کیا۔  
”اوہ ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے۔“

”اس بات کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اندر سے رات کوئی نہ کانظام بے کار کر دیا گیا ہے۔ گویا انھیں اس خفیہ راستے کے بارے میں علم ہو گیا تھا۔ اور اس بات پر مجھے حد دربھے چرت ہے: شاہ اعظم۔“ بولے۔

”خیر۔ جیران ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔“ آصف نے مکرا کر کہا۔

”خیر۔“ بولے۔ اور تو سب خیریت رہی؟“ انپکڑ

جمیش نے پوچھا۔

”بھی نہیں۔ خیریت بے چاری کا تو دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔  
مودو نے مسمی صورت بننا کر کہا۔

”کیا مطلب؟“

انھوں نے حملہ آوروں کے بارے میں بتا دیا:  
”اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ نقلی شاہ اعظم کے ساتھی صرف اندر ہی نہیں، باہر بھی موجود ہیں۔“

”بھی ہاں! یہی بات ہے۔“

”تو پھر اُو۔ اُن قیدیوں سے دودو باتیں کریں۔“  
”وہ دہاں سے چل پڑے۔ اپنائک انھیں رُک جانا پڑا۔ اُن کی آنکھوں میں یہت ناچھنے لگی۔“



شوکی درخت سے اُتر رہا تھا کہ اس کی نظر ابراطما پر پڑ گئی۔ وہ جھاؤں میں چھپ کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سب کو خیڑا کرتا۔ ابراطما یک لخت نظروں سے او جعل ہو گیا۔ اسے بہت چرت ہوئی، جلدی سے تیچے اُڑا اور پھر اپنے ساتھیوں کا رُخ کرنے کی

بجاے۔ اس طفشنہ بڑھا جس جگہ سے ابراٹا کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ اسے کافی دور چلنا پڑا۔ ایک جگہ ایک گھری کھائی نظر آئی، جسے کھائی کم اور کنوں زیادہ کہا جاسکتا تھا۔

اس نے کھائی کے چاروں طرف نظری دوڑائیں، لیکن ابراٹا کیسی بھی نظر نہ آیا۔ اس قدر جلد اس کا غائب ہونا بمحض میں آنے والی بات نہیں تھی۔ اب شوکی نے کھائی میں بغور دیکھا۔ بہت نیچے۔ اسے نھا سا ابراٹا دکھائی دیا۔ وہ حیرت زدہ رہ گی کہ اس قدر گھرائی میں ابراٹا اس قدر جلد کس طرح پہنچ گیا، کھائی میں لفت تو لگی ہوئی نہیں تھی۔ اور نہ ہی کوئی شخص اس قدر اوپنچائی سے چھلانگ لگانے کی حرمت کر سکتا تھا۔ ہڈیاں سرسر میں جاتیں۔ لیکن مistr ابراٹا کی نہ صرف یہ کہ ہڈیاں سرسرہ بنی تھیں، بلکہ وہ زندہ سلامت نظر آ رہا تھا۔ آخر شوکی سے رہا نہ گیا۔ پکار آٹھا:

”مistr ابراٹا۔ آخر آپ اس قدر نیچے کس طرح پہنچ گئے؟“  
یہ بحمد اس نے پوری قوت لگا کر کہا۔ آواز کی گونج اسے سُنائی دی اور پھر کچھ سینکڑ بعد ابراٹا نے سر اوپر آٹھا کر دیکھا۔ پہنچنے والے یکھڑا رہا، پھر اس نے دونوں ہاتھ من پر رکھ دیے، گویا وہ بھی کچھ کہنے کی تیاری کر رہا تھا، پھر اس کی گونجتی سی آواز شوکی کے سامنے میں آئی:

”تم بھی نیچے آ جاؤ مistr۔“

”میں شوکی ہوں: اس نے کہا۔

”اچھا۔ شوکی۔ تو پھر آ جاؤ۔ سوچ کیا رہے ہو۔“

”مجھے اپنی ہڈی پسلی ایک کرنے کا کوئی شوق نہیں۔“

”کیا تم دیکھ نہیں رہے۔ میں بالکل صحیح سلامت ہوں۔“

”لہاں! اس بات پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔“

”حیرت دُور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم بھی چھلانگ لگا دو۔ کوئی چوٹ دوٹ نہیں آئے گی۔“

”بھائی کیوں مذاق کر رہے ہیں۔ اتنی اوپنچائی سے آدمی چھلانگ لگائے اور چوٹ نہ آئے؟“ شوکی نے کہا۔

”آخر میں نے بھی تو چھلانگ لگائی ہے۔“

”جب کہ میرا خیال ہے۔ کہ آپ کسی اور راستے سے نیچے پہنچے ہیں۔“

”اے نہیں۔ اس کھائی کی نہ میں پہنچنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اوپر سے نیچے چھلانگ لگا دو۔ اور بس۔“

”لیکن آپ نیچے کیا کر رہے ہیں۔ آپ کو نیچے جانے کی ضرورت کیا پیش آگئی؟“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”میرے ساتھی تم لوگوں کے قبضے میں آگئے تھے۔ اب میں ان کے ساتھ رہ کر کیا کرتا۔ میرے لیے اب محفوظ ترین جگہ

اس جگہ پہنچا۔ جہاں سب لوگوں کے ہاتھ اور اٹھوائے گئے تھے،  
اسی وقت اس کے کافنوں سے ایک سرد آواز ملکرائی:  
”خبردار۔ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔“



”میرا خیال ہے۔ اس سے زیادہ بور کام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“  
فاروق نے باقی لوگوں کے جانے کے بعد کہا۔

”نہیں خیر۔ ہونے کو تو اس سے بھی بور کام ہو سکتے  
ہیں۔“ آفتاب بولا۔

”شلا۔ کون کون سے؟“ مکھن نے کہا۔  
”کسی کا انتظار کرنا بور ترین کام ہے۔“ آفتاب بولا۔

”اس کام میں بھی انتظار شامل ہے۔“ فاروق مسکرا یا۔  
”گویا ہمیں کوئی ایسا کام بتانا ہو گا۔ جس میں انتظار

شامل ہو اور بوریت حد دربے کی موجود ہو۔“ مکھن بولا۔  
”ہاں۔ بالکل۔ سوچو۔ خود کرو۔“ فاروق نے کہا۔

دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر مکھن نے سر اور اٹھایا  
اور بولا:

”سوچنے اور غور کرنے کا کام بھی تو بور ہی ہے۔“

یہ کھانی ہی ہے۔“

”اور یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہو گی؟“ شوکی نے کہا۔  
”نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کھانی سے ایک راستا  
ریاست کے اندر جاتا ہے، لیکن اس کھانی کا راز میرے اور  
چند اور آدمیوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔“  
”اوہ۔ اچھا۔ پہلے میں ایک تجربہ کرتا ہوں۔“ شوکی نے کچھ سوچ  
کر کہا۔

”کیا تجربہ۔“ نیچے سے کہا گیا۔

انھیں ایک دوسرے تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے بہت  
محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ شوکی دہاں سے ہٹا اور پھر اس نے ایک  
پتھر اٹھایا۔ دوسرے، ہی لمحے اس نے پتھر کھانی میں میے مارا۔  
وہ سیدھا نیچے چلا۔ ابراٹا نے جو پتھر اپنے سر کی طرف  
آتا دیکھا تو فوراً خود کو کھانی کی دیوار سے لگا یا۔ اسی وقت  
پتھر تھے میں گرتا نظر آیا، لیکن گرنے کے بعد وہ کچھ اور بھی  
آٹھا، پھر نیچے گیا۔ پھر اور آیا۔ کچھ دیر تک اسی طرح ہوتا رہا۔  
اسی وقت شوکی نے دبی آواز میں کہا:

”یہی سمجھ گیا۔“

اسی وقت اس نے ابراٹا کو غائب ہوتے دیکھا۔ گویا  
وہ ریاست کے راستے پر ہو یا تھا۔ شوکی دہاں سے مٹا اور

"دھت تیرے کی۔ یہ تم نے جواب نہیں دیا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"جواب نہیں دیا تو اور کیا دیا ہے۔ اور اگر یہ جواب نہیں ہے تو پھر جواب کیسا ہوتا ہے؟" مکحن جلدی جلدی بولتا۔

"میں تمھارا شپر نہیں ہوں م斯特۔ سمجھے تم؟"

"سمجھ گیا۔ چلیے آپ خود بتا دیں۔ کوئی بور ترین کام"

"میں کیوں بتاؤں۔ اپنے ساتھی سے پوچھو۔"

"کیوں۔ آفتاب جھائی۔ آپ کی سمجھ میں کوئی بات آئی۔"

"ناہیں۔ تم شاعری تو نہیں کرتے رہے۔" فاروق نے چران ہو کر کہا۔

"نن۔ نہیں تو۔ لک۔ کہاں ہے شاعری؟" مکحن بوکھلا آٹھا۔

"لو اور سُنلو۔ پوچھ رہے ہیں۔ کہاں ہے شاعری۔ ہے کوئی

یہک۔"

"اب وہ بے چارہ اور کیا پوچھے۔ تم تو اچھے جلسے آدمی کی مت مار دیتے ہو؟" آفتاب نے منہ بنایا۔

"تو تمھارا مطلب ہے۔ میں نے مکحن میاں کی مت مار دی ہے۔ بھی یہ سراسر الزام ہے مجھ پر۔ مکحن بھائی۔ تم کچھ خیال نہ کرنا۔"

"اگر آپ کہتے ہیں تو نہیں کروں گا۔" اس نے فوراً کہا۔

"ہاں اور کیا۔ جلا مجھے کیا ضرورت ہے تمہاری مت مارنے کی۔ جب کہ۔" فاروق کہتے کہتے ڑک گیا۔

"جب کہ کیا؟"

"جب کہ یہ کہ جب پہنے ہی مت ماری جا چکی ہے تو اب اسے کیا ضرورت ہے۔ آفتاب مسکرا۔"

"یاد تم ہم دونوں کو لڑانے پر یکوں تل گئے ہو۔ تمہیں اور کوئی کام نہیں رہا۔"

"ان حالات میں اور کام ہو بھی کیا سکتا ہے۔ ان حضرات کی بھگوانی ہی کرنا ہے نا۔" آفتاب نے کہا۔

"آپ نظر نہ کریں۔ یہ کچھ بھی کہیں۔ میں آپ سے نہیں لڑوں گا۔" مکحن نے شرم کر کہا۔

"تب تو آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔" فاروق مسکرا۔

"لماں! میں آپ کو آدمی نظر آتا ہوں۔"

"ارے۔ تو تم۔ کیا ہو بھی۔" فاروق کے لمحے میں یہت در آئی۔

"آدمی کا بچہ۔" اس نے کہا۔ اور فاروق کا منہ بن گیا۔

"اب تک تو ان لوگوں کو آجانا چاہیے تھا۔ آفتاب نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"لک۔ کن لوگوں کو۔ ان کے ساتھیوں کو۔" مکحن بوکھلا کر

"نہیں۔ ہمارے ساتھیوں کو"

"اے۔ یہ اس طرف کیا ہے؟ مکھن چونک کہ بولا۔  
دونوں ادھر گھوم گئے۔ اور پھر ان کی آنکھیں خوف سے پیل  
گئیں۔ رائفلوں کی دو نالیں جھاڑیوں میں سے جھانک رہی تھیں۔

اسی وقت ایک سرد آواز گونجی :

"خراز۔ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔"

انہوں نے گھبرا کر سامنے دیکھا۔ چار آدمی ان کے سامنے  
کھڑے تھے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں، باقی  
دو کے پاس خخر تھے۔

"لک۔ کون۔ کون لوگ ہیں جسی آپ؟"

"چلو۔ تم اپنا کام کرو۔ ایک رائفل والے نے دونوں خخر  
والوں سے کہا۔

وہ بندھے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھے اور ان  
کی رسیاں کاٹنے لگے۔

"اے اے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اتنی محنت سے تو  
ہم نے انھیں باندھا تھا۔ اور پھر اس طرح رسیوں کا بھی بیڑہ غرق  
ہو رہا ہے۔" فاروق نے گھٹ بڑا کر کہا۔

"خاموش رہو۔ درد گویوں سے چلنی کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ نہیں بولیں گے۔"

"اور یہ جمڈ جو بولا ہے تم نے۔" ایک رائفل والا بتا کر  
بولا۔

"یہ۔ یہ تو۔ اطلاعی جملہ تھا۔"

"اطلاعی ہو یا کیسا بھی ہو۔ تم زبان بند رکھو۔"

"بہت بہتر۔" فاروق نے کہا اور مذہبند کر دیا۔

"حد ہو گئی۔ بولے بغیر تو تم پھر بھی نہیں رہ سکے۔" وہ گرجا  
اور تینوں سسم گئے۔ مکھن تو کامنے لگا۔ اتنے میں ان کے  
ساتھی کھل گئے اور وہ جلدی آٹھ کر کھڑے ہوتے چھے گئے،  
پھر غصے میں آکر ان تینوں کی طرف لگتے تا ان کر بڑھے۔ ان کی  
رفار بھی کافی تیز تھی۔

"نہیں جسی۔ یہ کام نہ کرو۔ کہیں ٹوٹ پھوٹ نہ جائیں۔" ایک  
رائفل والا ہنسا۔

"اور ہمارے ساتھ انہوں نے کون سازمی کا سلک کیا  
ہے؟ ان میں سے ایک نے جل کر کہا۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم لوگوں کو اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے  
کا پدر را پورا وقت دیا جاتے گا۔"

"یہ کہ کب؟" ایک نے پوچھا۔

"ریاست میں چل کر۔"

” تو اب ہم ریاست میں چل رہے ہیں۔“  
 ” ہاں، لیکن صرف ان تین کو لے کر نہیں۔ باقی لوگوں کو  
 بھی ساتھ لے کر جائیں گے۔ انھیں باندھ لو۔ اور پھر جلدی جلدی  
 درختوں کی اوٹ لے لو۔“

## دوساں آدمی

انھوں نے دیکھا۔ سامنے شوکی اس انداز میں کھڑا تھا جیسے  
 ان کا راستا روکنا چاہتا ہوا:  
 ” شوکی یہ تم ہو۔ کہاں چلے گئے تھے تم؟“ کرنل فارانی نے  
 پوچھا۔

” میں نے ابراٹما کو فرار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ بس میں اس  
 کے پیچھے لگ گیا۔“  
 ” ہم نے بھی یہی اندازہ لگا لیا تھا۔ پھر۔ وہ اب کہاں  
 ہے؟“ محمود نے جلدی سے پوچھا۔

” اس کی بات چھوڑ دیں۔ بعد میں بات کر لیں گے۔ اس وقت  
 ضروری بات یہ ہے کہ آفتاب، فاروق اور مکھن دشمنوں کے قبضے میں  
 آچکے ہیں اور انھوں نے اپنے ساتھیوں کو بھی آزاد کرایا ہے۔“  
 ” اوہ ڈان کے مزے سے ایک ساتھ نکلا۔“

” میں جب اس بجکے قریب پہنچا تو انھیں چاروں طرف

سے گھرا جا چکا تھا۔ اس لیے میں ان کے لیے کچھ نہ کر سکا۔”  
”یہ بھی کچھ کم نہیں ہے کہ تم نے ہمیں وقت سے پہلے  
خبردار کر دیا۔ منور علی خان خوش ہو کر بولے۔  
”اب وہ درختوں کے پیچے پوزیشن بنھائے جیسے ہیں۔  
جوں ہی ہم اس جگہ پہنچیں گے۔ وہ دھڑا دھڑ فائز نگ کا سلسلہ  
شروع کر دیں گے۔“  
”لیکن اب ہم اس جگہ کیوں پہنچنے لگے۔ عقل سے پیدل تھوڑا  
ہی ہیں۔“ احکام نے کہا۔

”ہاں بالکل۔ ہم چکر کاٹ کر ان کے عقب میں پہنچ سکتے  
ہیں۔ اس طرح اٹا وہ ہماری زد پر ہوں گے۔“  
”بالکل ٹھیک۔ یہی میں کہنا چاہتا تھا۔“ شوکی جلدی سے بولا۔  
اور پھر وہ سیدھا راستا چھوڑ کر چکر کاٹتے پلے گئے۔  
یہاں تک کہ دشمن کے پیچے پہنچ گئے۔ وہ بھی اس احتیاط سے  
کہ دشمن کو کافی کافی خبر تک نہ ہوئی۔ انھوں نے آؤ دیکھا  
تاو۔ ان پر فائز نگ شروع کر دی۔ آن کی آن میں دشمن  
خاک و خون میں تڑپتے نظر آئے۔

ان سے فارغ ہو کر آفتاب، فاروق اور نکمن کو کھولا گیا،  
پھر سب لوگ شوکی کی طرف تھے۔  
”ہاں شوکی! اس مہم کا سرا تو چلو رہا تھا میرے سر۔ اب

” بتاؤ۔ ابراٹا کو کہاں چھوڑ آئے ہو۔“ انپکٹر کا مران مزانے کہا۔

”ایک ایسی جگہ۔ جہاں وہ بالکل چھوٹا سا نظر آ رہا تھا۔“ شوکی  
مکرایا۔

” کیا مطلب؟“

” آئیے میرے ساتھ۔“ وہ بولا۔

انھوں نے تمام دشمنوں کو دیکھا جالا، لیکن وہ سب کے  
سب ٹھکانے لگ چکے تھے۔ آخر وہ شوکی کے ساتھ چل پڑے۔  
اور کھائی کے منڈ پر پہنچے۔

” میں نے اسے اس کھائی کی تھی میں دیکھا تھا۔“

” جیرت ہے۔ وہ تھیں اس کھائی کی تھی میں نظر آیا۔ تو پھر  
کیا ہوا؟“ خان رحمان جیرت زدہ انداز میں بولے۔

” میں نے اس سے چند باتیں بھی کی تھیں۔ وہ مجھے بھی نیچے  
آئنے کی دعوت دے رہا تھا۔ پھر وہ غائب ہو گیا۔ ہاں اس  
دوران میں نے ایک تجربہ بھی کیا تھا۔ ایک پتھر آٹھا کر نیچے  
پھینکا تھا۔ پتھر پھینکے تو کھائی کی تھی کی طرف گیا، پھر کچھ اوپر  
آئا، پھر نیچے گیا۔ کچھ دیر تک اسی طرح ہوتا رہا۔“

” اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ نیچے جال تان دیا گیا ہے۔“  
انپکٹر جمیش بولے۔

” ابراٹا نے کہا تھا۔ ریاست میں داخل ہونے کا ایک راستا

پتا نہیں چل سکے گا۔ انپکٹر جمیش درانی کے عالم میں بولے۔

”گویا۔ آپ کے ذہن میں کوئی ترکیب آگئی ہے۔“

”ترکیب سوچنا فرزاد اور فرحت کا کام ہے۔“

”اجازت ہو تو میں ایک ترکیب پیش کروں۔“ فرزاد نے خوش دلی سے کہا۔

”ضرور۔ کیوں نہیں۔“

”ہم آپس میں دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک پارٹی ریاست کے دروازے سے دائیں طرف چلنا شروع کرے، دوسری بائیں طرف۔ اس طرح کم وقت میں ریاست کا چکر مکمل ہو جائے گا۔ دونوں پارٹیوں کو جائزہ یہ یہاں ہے کہ اندر داخل ہونے کا امکان کس جگہ سے ہے۔“

”ترکیب اچھی ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”اچھی ہے تو پھر عمل کریں۔“

”یکن، ہمیں فصیل سے اتنا دُور رہنا ہو گا کہ ہم دشمنوں کی رائفلوں سے محفوظ رہیں۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”اتنی دُور سے چلا کیا نظر آئے گا۔ جب کہ ہم لوگوں کے پاس دُور نہیں بھی نہیں ہیں۔“

”تب پھر ایک دوسری ترکیب بھی ہے۔“ فرحت نے مکرا کر کہا۔

”یہ بھی ہے۔ شوکی نے بتایا۔“

”اوہ۔ تو اس نے یہ کہا تھا۔“ انپکٹر جمیش چونکے۔ انپکٹر کامران مرزا کی آنکھوں میں بھی حیرت نظر آئی۔

”جی ہاں۔“

”تب تو مرزا آگی۔“ ہم بھی آفر ریاست میں ہی داخل ہونا چاہتے ہیں۔ آفتاب چھنکا۔

”ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے کون چھلانگ لگائے گا۔“ فاروق نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

”ہم میں سے کوئی سب سے پہلے چھلانگ نہیں لگائے گا۔“ انپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

”جی۔ یہ آپ نے کیا کہا۔ سب سے پہلے کوئی چھلانگ نہیں لگائے گا۔“ تب پھر چھلانگیں لگانے کا سلسلہ کس طرح شروع ہو گا۔

”یہ سلسلہ شروع ہی نہیں کرنا۔“

”آپ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”ابڑا نے یہ راستا مسٹر شوکی کو جان بوجھ کر دکھایا ہے، یہ ہم سب کو جال میں پھانسے کی سازش ہے، یہکہ ان کے اس جال میں نہیں آئیں گے۔“ ہم اپنے طور پر ریاست میں داخل ہوں گے۔ اور اس طرح داخل ہوں گے کہ اپنی

” اس میں مرحلہ کیسا۔ بھی آدھے آدمی ایک طرف۔ آدھے دوسری طرف۔ تو میں اور انپکٹر کامران مزا الگ الگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تم لوگ آدھے ایک طرف ہو جاؤ۔ آدھے دوسری طرف۔ ” انپکٹر جمیش نے جلدی جلدی کہا۔

اور وہ قدرے فاسٹے پر کھڑے ہو گئے۔ سب لوگ آجھن کے عالم میں ان کی طرف دیکھتے رہے ہیں تو کوئی انپکٹر جمیش کی طرف بڑھا اور نہ انپکٹر کامران مزا کی طرف۔

” یہ کیا بھی۔ تم لوگ تو ساکت ہو گئے۔ ” انپکٹر کامران مزا بولے۔

” تبت۔ تو اور کیا کریں۔ ہم آجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کہ کس کی طرف بڑھیں اور کس کی طرف نہ بڑھیں۔ ”  
” ہوں۔ خیر۔ میں اس کا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ” انپکٹر جمیش نے مسکرا کر کہا۔

” ضرور۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ ”  
” تو پھر میری طرف یہ حضرت آ جائیں۔ منور علی خان، کرنل فارانی، فاروق، فتح، آناتاب، محسن، اخلاق اور شاہد۔ یہ ہو گئے ہم گل نو افراد۔ باقی آٹھ افراد انپکٹر کامران مزا کا ساتھ دیں گے۔ یہ بھی گل نو افراد ہو گئے۔ ”

” لیکن جناب۔ دونوں طرف نو نو افراد ہو گئے۔ میں کس طرف

” اور وہ کیا؟ ”

” مرنے والے دشمنوں کی وردیاں ہم لوگ پہن لیں۔ اور اعلانیہ فضیل کے گرد چکر لگائیں۔ یہ ظاہر کر کے کہ ہم لوگوں کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ ”

” اس طرح قریب اندر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ” اخلاق نے فوراً کہا۔

” نہیں۔ اندر داخل ہونے کے لیے ہمیں دروازے سے گزرنا ہو گا۔ اور دروازے پر کھڑے نگران، ہمیں پہچان جائیں گے۔ جب کہ تلاش کے بھانے ہم فضیل سے قدرے سے دور رہ کر چکر لگا سکتے ہیں۔ فضیل والے فوجی ہمارے چہروں کا اچھی طرح جائز نہیں لے سکیں گے۔ ”

” میرا خیال ہے۔ یہ ترکیب قابل عمل ہے۔ ” انپکٹر جمیش نے مسکرا کر کہا۔

” اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ ہم میں چار آدمیوں کو اٹھدھے کے خون سے تھڑے کپڑوں سے نجات مل جائے گی۔ باقی لوگ اپنے کپڑوں کے اوپر ہی وردیاں پہن لیں۔ ”  
” اس ترکیب پر عمل کیا گیا۔ جلد ہی وہ دشمنوں کی وردیوں میں بلوں نظر آنے لگے۔ ”

” اب دو پارٹیوں میں تقسیم ہونے کا مرحلہ رہ گیا۔ ” خان رحابی

جاوں۔ دسوائی آدمی میں ہوں۔ شاہ اعظم بولے۔  
”اوہ ہاں۔ آپ کو تو ہم جھوول ہی گئے۔ اور یہ بھی جھوول  
گئے کہ یہ آپ کی اپنی ریاست ہے۔ آپ تو یہیں کھڑے رہ  
گرے۔ بات بتا سکتے ہیں کہ اندر داخل ہونے کا کہیں کوئی  
امکان موجود ہے یا نہیں۔“

”افسوس۔ اس سلسلے میں یہیں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ  
اس نظریے سے کبھی ریاست کا چکر نہیں لگایا۔ وہ فضیل کے  
باہر رہ گرے۔“

”خیر۔ کوئی بات نہیں جناب۔ آپ انپکڑ کامران مرزا کے ساتھ  
ہو جائیں۔ انپکڑ جمیشید بولے۔“

اب وہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے۔ چھوٹی پارٹی کے  
افراد ڈھیل ڈھالی دردبوں میں بہت عجیب لگ رہے تھے۔ اور  
انہیں دیکھ کر بے تحاشا ہنسی آرہی تھی۔ خان رحمن، منور علی خان  
اور پروفسر داؤڈ کی کئی بارہ سویں بیکل گئی۔

”کوئی بات نہیں انکھل۔ آپ لوگ ہیں یہیں، کبھی ہماری باری  
بھی آجائے گی۔“ فاروق نے مز بنا کر کہا۔

”تم لوگوں کی باری۔ وہ کس طرح اُسکتی ہے۔“ خان رحمن  
نے حیران ہو کر کہا۔

”کبھی ایسا بھی تو ہو سکتا ہے۔ کہ بچوں کے پڑے آپ

لوگوں کو پہننا پڑ جائیں۔“

”خیر۔ جب وقت آئے گا، تو تم بھی ہنسیں یعنی۔“

”افسوس۔ ہنس تو ہم اس وقت بھی نہیں سکیں گے۔“ محمود  
نے کہا۔

”وہ کیوں ہے پروفیسر داؤڈ سکرتے۔“

”اس لیے کہ بڑوں پر ہم کس طرح ہنس سکیں گے۔“ محمود  
بولा۔

”کوئی بات نہیں بھی۔ ہم خوش دلی سے اجازت دے  
دیں گے۔“ کرنل فارانی بولے۔

”یکن۔ اس کے باوجود ہم نہیں ہنس سکیں گے۔ ہم نے  
صرف بڑوں کا ادب کرنا یکھا ہے۔“ اصف بولتا۔

”تب پھر۔ تم ہی بتاؤ۔ ہم کیا کریں۔“

”ہیں کرنا کرانا کیا ہے۔ پروفیسر گرام پر عمل شروع کرتے  
ہیں۔“

”ہاں! یہی بہتر رہے گا۔“

دونوں پارٹیاں ایک بار پھر دروازے کی طرف چل پڑیں،  
قدرے فاصلے پر پہنچ کر وہ مخالف سمنتوں میں چل پڑیں؛ تاہم  
دروازے والوں کی نظروں سے پہنچ کر وہ رواز ہوتے تھے۔  
دروازے سے دور پہنچ کر وہ فضیل سے نزدیک ہونے لگے۔ اور

پھر انپکٹر جمیش کی پارٹی کو فصیل بد موجود نگرانوں نے دیکھ دیا:  
”خبردار۔ تم لوگ کون ہو؟ ایک فوجی نے گرج دار آواز میں  
کہا۔

”اندھے ہو کیا؟ انپکٹر جمیش غرائے۔

”اوہ۔ آپ لوگ ہیں۔ شاہ اعظم کے باغیوں کو تلاش کرنے  
جو نکلے ہیں۔

”اہ۔ ہم انہیں پوری ریاست کے گرد چکر لگا کر تلاش  
کریں گے۔

”بہت خوب، لیکن اگر وہ فضیل کے قریب آئے ہوتے تو  
پھر تو۔ ہم لوگوں کو فوداً خبر ہو جاتی۔“

”یہ ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کوئی چال چلی ہو۔  
”ہوں ٹھیک ہے۔“

اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ پہلا مرحلہ آسانی سے طے ہو  
گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکراتے آگے بڑھتے چلے گئے۔  
اس کے بعد کسی فوجی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور ایسا یقیناً دردیوں  
کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ وہ فضیل اور فصیل کے آس پاس کی جگہوں  
کو بغور دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

”پتا نہیں یہ ریاست کتنی بڑی ہے اور کب ہمارا چکر مکمل  
ہو گا۔“ فاروق بڑا یاد۔

”یہ بات ہمیں شاہ اعظم ضرور بتا سکتے تھے۔ لیکن افسوس۔ ہمیں  
چننے کا خیال نہیں آیا۔ آفتاب نے کہا۔

”ایک بات سمجھ دیں نہیں آئی۔ نقی شاہ اعظم تو خود ہمیں اندر  
بلانا چاہتا تھا۔ آخر ہمیں اس کے گدمیوں سے جنگ کرنے  
ہماری یہ مصیبت بھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم آسانی سے ان کے  
ساتھ اندر چلے گئے جاتے۔ اخلاق نے منہ بننا کر کہا۔

”اس صورت میں ہم قیدیوں کی طرح لے جاتے جاتے۔  
ماری ریاست کے لوگ ہمارا مذاق اڑاتے، پھر ہمیں نقی شاہ اعظم  
کے سامنے پیش کیا جاتا۔ وہاں نہ جانے ہمارے ساتھ کیا  
گزرتی۔ اس سے یہ بہتر نہیں کہ ہم آزاداں اندر داخل ہوں۔  
گزٹل فاراثی بولے۔“

”جی ہاں! باکل یہی بات سوچی تھی ہم نے۔“

”لہذا ثابت ہوا۔ اخلاق کی عقل کام نہیں کر رہی۔“ فاروق  
بولा۔

”پروانہیں۔ یہ آپ کی عقل سے رہنمائی حاصل کروں  
گا۔“ اخلاق نے کہا۔

”دوسرا یہ کہ ابھی تک ہم نے کوئی کامیابی حاصل نہیں  
کی۔“ منور علی خان نے کہا۔

”کامیابیاں حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔“ انپکٹر جمیش

بولے۔

"آخر ہم اندر کس طرح داخل ہو سکیں گے؟" افتاب بڑھ رہا۔  
"بھتی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صورت ممکن  
نظر نہ آئی تو ہم اعلان جنگ کر دیں گے؟"

"ارے۔ تب تو ترکیب بست آسان ہے؟ فرحت جلدی سے  
بولی۔

وہ دبے لجھے میں باتیں کر رہے تھے۔ تاک فیصل پر کھڑے  
وجھی گفت گو کو سمجھو نہ سکیں۔

"ہم رات کا انتظار کریں گے۔ اور اپنا سفر چاری رکھیں  
گے۔ یہاں تک کہ دوسری پارٹی سے ملاقات ہو جائے؟"

"اس طرح ہو سکتا ہے۔ کوئی مناسب ذریعہ نظر آجائے،  
یکوں کہ ابھی ہمیں نہ جانے کتنا فاصلہ طے کرنا ہے؟"

"فاصلہ طے کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم باتیں کرتے  
رہیں۔ اس طرح فاصلے کا پتا نہیں چلے گا۔" کرنل فارانی بولے۔

"یکن انکل۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ فاصلے کے ساتھ ساتھ ہمیں  
کسی تحریغ کا بھی پتا نہ چلے۔" اخلاق بولا۔

"بھتی باتیں تم زبان سے کرو گے، آنکھوں سے نہیں۔ وہ  
مکارے۔

"ایک ترکیب میری سمجھ میں بھی آنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

میں شاہد کی آواز سنائی دی۔

"ابھی صرف کوشش کر رہی ہے۔ تو پھر انکل۔ اس بے چاری  
کوشش کو کامیاب ہو جانے دیں نا۔" فاروق مسکرا یا۔

"ہاں! میں نے اسے آزادی دے رکھی ہے، لیکن نہ جانے  
کہ اسے کیا رکاوٹ پیش آ رہی ہے؟" وہ بڑھ رہا۔

"اللہ کے لیے انکل۔ اس ترکیب کو ذہن سے باہر نکالیے،  
اور اگر اس سلسلے میں ہم میں سے کسی کی مدد کی ضرورت ہو  
گو ہم حاضر ہیں۔" افتاب بولا۔

"مم۔ میں۔ مجھے سوچنے دیں۔ ہاں۔ آگئی۔ ترکیب۔  
اب میں اسے جانے نہیں دوں گا۔"

"تو کیا وہ۔ جانے کی کوشش بھی کر رہی ہے؟" فاروق نے  
لہ کھلا کر کہا۔

"ہوں! آپ نظر نہ کریں۔ میں نے اسے اپنے شکنخے میں  
پوری طرح کس یا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ۔" شاید کہتے کہتے ہل  
کیا۔

"اگر ترکیب کو آپ نے پوری طرح اپنے شکنخے میں جکڑ دیا ہے  
تو پھر۔ اب انکے کیوں گئے؟ فرحت بے چین ہو گئی۔

"مم۔ میں نے ایک آواز سنی ہے۔ ایک عجیب سی آواز۔  
فہاں نے جلدی سے کہا۔

”اب سوال یہ ہے کہ وہ آواز کس طرف سے آئی تھی؟“  
 ”فابلباً اس طرف سے جس طرف ہم جا رہے ہیں۔“ شاہد نے کہا۔  
 ”تب تو ہمیں رفتار بڑھا رینی چاہیے۔“ وہ بولے۔  
 ان کے قدم تیز تیز آٹھنے لگے۔ یہاں تک کہ آواز انھیں  
 ہاتھ مٹانی دینے لگی۔

”خُننو بھئی۔“ میں ایک بات محسوس کر رہا ہوں۔ ایسے میں  
 انپکٹر جمیش نے سرگوشی کی۔

”جی وہ کیا؟“  
 ”یہ کہ اب فصیل پر موجود فوجی جمیں شک کی نظریوں سے  
 دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں خیر محسوس طور پر فصیل سے دور ہوتے چلتے  
 ہانا چاہیے۔“

”بہت بہتر۔“ وہ ایک ساتھ بولے اور آہستہ آہستہ دور ہونے  
 لگے؛ تاہم زمین کھو دنے کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ گویا فصیل  
 سے دور ہونے پر بھی آواز کی سمت میں کوئی فرق نہیں واقع  
 ہوا تھا۔

ان کے قدم آٹھتے رہے۔ بے چینی اب حد درجے بڑھ  
 گئی تھی۔ آخر کچھ فاصلے پر انھیں درختوں کے درمیان چند  
 آدمی نظر آتے۔ ان کے درمیان ایک شخص کdal آٹھائے زمین  
 کھو دتا نظر آیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ آفتاب کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔  
 ”کیا مطلب۔ کیا کیسے ہو سکتا ہے؟“ شاہد جیران ہو کر بولا۔  
 ”آپ نے کوئی عجیب سی آواز سن لی۔ اور فرحت نے  
 نہیں سنی۔“

”اوہ ہاں۔ واقعی۔ ان کے کان تو حد درجے تیز ہیں۔“  
 ”تب پھر مجھے ضرور دہم ہوا ہو گا۔“ اس نے کہا۔  
 ”نہیں انکل۔ آپ کو دہم نہیں ہوا۔ آواز میں نے بھی سنی  
 تھی۔ مگر میں آپ کی بات کو پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ اس  
 لیے۔ فوراً یہ بات نہ کر سکی۔“

”اوہ۔ تو پھر۔ وہ آواز کیسی تھی؟“  
 ”زمین کھو دنے کی سی آواز تھی۔ کیوں فرحت۔ کیا خیال ہے  
 شاہد نے کہا۔

”بانک! میرا بھی یہی خیال ہے۔“  
 ”بہت خوب۔ اس کا مطلب ہے۔ انکل شاہد کے کان ہم  
 میں دوسرے یا پہلے نمبر پر ہیں۔ پہلے یا دوسرے نمبر پر اس لیے  
 ابھی ہم یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ ان دونوں میں نمبر اول پر  
 کس کے کان ہوں گے؟“

”ہوں گے۔ یہ وقت کماں کے مقابلے کا نہیں۔“ انپکٹر  
 جمیش بختا کر بولے، پھر وہ شاہد کی طرف مڑے۔

" یہ کیا کر رہے ہیں؟ اخلاق نے کانپتی آواز میں کہا۔  
 " یہ جاننے کے لیے ہمیں بچھ اور نزدیک جانا ہو گا۔"  
 اب وہ فصیل سے بہت دور تھے۔ گویا زمین کھونے والے  
 فصیل کے اور ان کے درمیان میں آگئے تھے۔ درختوں کی اوڑ  
 پیٹتے جب وہ ان کے اور نزدیک پہنچے تو بات ان کی سمجھ میں  
 آگئی۔

## باتوں کا دھارا

" میر شاہ اعظم۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی " ان پکڑ کامران  
 مرزا کی آواز ان کے کافنوں سے ٹکرائی۔

" جی۔ کون سی بات؟"

" آپ کے قریبی لوگوں نے نقلی شاہ اعظم کو اصلی کس طرح  
 سمجھ یا۔"

" اس بات پر تو میں بھی حیران ہوں۔"

" آپ اندر جانے کے لیے بے تاب تو بہت ہوں گے۔"

" کوئی ایسا ویسا۔ وہ بولے۔"

" یک انسوں۔ ہمیں اندر داخل ہونے کا کوئی محفوظ طریقہ  
 معلوم نہیں۔ ہم معلوم کرنا ہو گا۔"

" حالاں کہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ اب تک طریقہ ہمیں معلوم  
 ہو جانا چاہیے تھا، کیوں کہ۔ آسمت کھت کھتے رک گیا۔  
 کیوں کر لیا؟ ٹوکری بواں۔"

"کیوں کہ فرزاد ہمارے ساتھ ہے۔"

"مجھے چیلنج کر رہے ہو۔ نیر۔ میں تین منٹ کے اندر ایک مدد ترکیب بتا دوں گی۔ فرزاد مُمکرانی۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ محمود نے خوش ہو کر کہا۔"

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آگے نہ بڑھیں۔ خان رحمان بولے۔"

"جی نہیں انکل۔ ہمارے قدم بدستورِ اُٹھتے رہیں گے۔ فرزاد نے کہا۔"

"ہم فیصل سے بہت نزدیک ہو گئے ہیں۔ فوجی عجیب نظروں سے محمود رہے ہیں۔"

"غمورتے رہیں۔ پرواں کریں۔ کم از کم یہ لوگ ہم پر گولی نہیں چلا سکتے۔"

"اے۔ تم لوگ کون ہو؟ اسی وقت فیصل سے چلا کر کہا گیا۔ دیکھ نہیں رہے۔ انپکٹر کامران مرزا نے بُرا سامنہ بنایا کہا۔

"کیا نہیں دیکھ رہے۔" وہ بولا۔

"اندھے ہو کیا۔ ہماری وردیاں نظر نہیں آ رہیں۔"

"اوہ لاؤ مٹھیک ہے۔ شاید آپ لوگ وہ ہیں۔ جو نقلی شاہ اعلیٰ کی تلاش میں نکلے ہیں۔"

"شکر ہے۔ تم سمجھ گئے۔ انپکٹر کامران مرزا نے طنزہ لجھے میں کہا۔"

"مم۔ میں معافی مانگتا ہوں جتاب۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ پہنچ سینڈسک خاموشی رہی، پھر انپکٹر کامران مرزا نے سرگوشی کی۔"

"وہ ابھی تک ہمیں گھور رہا ہے، شاید اس کا پوری طرح اطمینان نہیں ہوا۔"

یہ کہ کر وہ یک دم مڑے اور پھر اسی جگہ پہنچے۔ جہاں فیصل پر موجود فوجی سے بات کی تھی۔

"خیر تو ہے۔ آپ بوٹ آئے۔" اس نے کہا۔

"ایک بات کا خیال آگیا۔ ہم نے ان لوگوں کو ایک درخت کے قریب گھر لیا تھا، لیکن وہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ صدر دروازے والوں کو یہ پیغام دینا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ پوری طرح چوکس رہیں۔" "بہت بہتر۔ یہ پیغام میں ابھی دے دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑے۔

اب انہوں نے محسوس کیا۔ فوجی افسس نہیں گھور رہا تھا، آخر دوہ اپنے ساتھیوں تک پہنچ گئے اور پھر سب قدم آٹھانے لگے۔

"پتا نہیں۔ دوسری پارٹی اس وقت کن حالات سے درجہ  
ہوگی۔ محمود بڑا بڑا یا۔"

"چکر مکمل ہونے پر معلوم ہو جائے گا۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔"

"اور یہ چکر کب مکمل ہو گا؟"

"شاید ایک گھنٹا لگ جائے گا۔ شاہ عالم نے کہا۔"

"ایک گھنٹا۔ تب تو ہمیں ایک گھنٹے کی چھٹی ہوئی چاہیے۔  
آصف بول آٹھا۔"

"ایک گھنٹے کی چھٹی۔ کیا مطلب؟ وہ چونکے۔"

"مطلوب یہ کہ بات چیخت کرنے کی چھٹی۔ اور کوئی کام جو نہ ہوا۔"

"خیر کام تو ہے۔ ہمیں تو دیکھنا، ہی ہے کہ اندر جانے کا کوئی امکان نہیں یا۔ خان رحمان بولے۔"

"کام کیلئے ایک کرتے ہو۔ کوئی کوئی کر سکتے ہیں۔  
لیکن۔ لیکن۔ یہ یا۔ کوئی کی جانی سے۔ انپکٹر

مرزا۔ مسکرائے۔"

"شکریہ انکل۔ آپ کی رچھٹی ہمیں یاد رہے گی۔ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اب وقت ضائع نہ کرو۔ بات شروع کرو۔" فراز دیکھ بولی۔

"وقت ضائع۔ وہ کیسے؟"

"ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں وقت ضائع نہیں ہو گا تو یکا ہو گا۔" فراز دیکھ بولیا۔

"لیکن ہم نے یہ اجازت ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے لیے ہی تو لی ہے۔" شوکی نے کہا۔

"تو پھر سب سے پہلی ادھر ادھر کی بات میں کر دیتا ہوں،  
ہم اب تک مکمل طور پر اندر ہی رہے میں ہیں۔" انشاق بولا۔

"جب کر یہ دن کا وقت ہے۔ ابھی سورج بھی غروب نہیں ہوا۔" محمود نے فرما کہا۔

"یہ اور بھی بُری بات ہے کہ سورج کی روشنی کے باوجود ہم مکمل طور پر اندر ہی رہے میں ہیں!"

"تو پھر سرچ لائٹ روشن کر لیں۔" آصف نے فرمایا۔

"سلیحیے۔ سورج کو سرچ لائٹ دکھا رہے ہیں۔ جیسا کہ کسی زمانے کے بے وقوف لوگ سورج کو چڑاغ دکھایا کرتے تھے۔" محمود نے شوخ انداز میں کہا۔

"تنت۔ تم نے۔ تم نے بھے بے وقوف کہا۔"

"بھی۔ کیسے بھول جاؤں۔ میری یاد داشت کمزور نہیں ہے۔" وہ  
بولا۔

"جیسے تھاری مرضی۔ انھوں نے کندھے اچکائے۔

"گواہ آپ گواہی نہیں دیں گے۔"

"نہیں بھئی۔ میں تم دونوں کو رٹانا نہیں چاہتا۔" انھوں نے  
مُسکرا کر کہا۔

"روانی تو اب ہو کر رہے گی انکل۔" آصف نے کہا اور  
اچھل کر محمود کے سامنے آگیا۔

"ارے ارسے۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" خان رحمان نے  
چونک کر کہا۔

"بھی نہیں۔ ابھی تو دماغ نے کام کرنا شروع کیا ہے۔

"اس کا مطلب ہے۔ اس سے پہلے یہ بھوکچھ بھی کرتا رہا  
ہے۔ دماغ کے بغیر۔"

"اے خبردار۔" آصف چلایا۔

"افسوس؟ انپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

"کس بات پر انکل؟" محمود جلدی سے بولا۔

"میرا خیال تھا۔ ہمارے گروپ میں اس مرتبہ مکمل طور  
پر امن رہے گا، کیوں کہ وقت ضائع کرنے والے تین خاص  
افراد دوسری طرف چلے گئے ہیں۔ لیکن معلوم ہوا۔ ان کی

"نہ۔ نہیں تو۔ تمہارے کان بچے ہوں گے۔"

"میرے کان بکھی نہیں بجھتے۔ میں نے انھیں منع کر رکھا ہے۔  
لہذا ثابت ہوا کہ تم نے مجھے بے وقوف کہا ہے۔ کہو تو بہت  
سے گواہ پیش کر دوں۔"

"ہاں؛ گواہ ضرور پیش کرنے چاہیں۔ تاکہ کسی قسم کا شک  
نہ رہ جائے۔"

"آپ میں سے کون کون یہ گواہی دینا پسند کریں گے کہ  
محمود نے مجھے بے وقوف کہا ہے۔"

"بھئی ہم نے تو یہ بات نہیں سُنی۔ ہاں اس نے بے ضرور  
کہا ہے کہ میسا کر کسی زمانے میں بے وقوف لوگ سورج کو چڑھ  
وکھایا کرتے تھے۔ شاداعظم نے ہنس کر کہا۔

"آپ کیا کہتے ہیں انکل؟" آصف نے خان رحمان کی طرف  
دیکھا۔

"م۔ مطلب تو کچھ ایسا ہی نکلتا ہے۔" وہ ہچکپا کر بولے۔

"نکلتا ہے نا۔ شکری انکل۔ آپ نے میری تائید کر دی۔

اب آپ کیا کہتے ہیں انکل؟ وہ انپکٹر کامران مرزا کی طرف مُرا۔

"میں چرخان ہوں کہ کیا کہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ  
تم یہ بات بھول جاؤ۔" انپکٹر کامران مرزا نے بے چارگی کے  
عالم میں کہا۔

لکی تم دونوں پوری کر دے گے۔  
”اپ یہ بھی تو دیکھیں انھل کہ اس نے مجھے بے وقوف  
کہا ہے۔“

تو کیا محمود کے لئے سے تم بے وقوف ہو گئے ہو؟ انھوں  
نے بتنا کر کہا۔

”ن۔ نہیں۔“ اس نے بوکھلا کر کہا۔

”پھر بڑائی کیسی۔“ وہ مسکراۓ۔

”اوہ! آصف کے منہ سے نکلا۔

”تت۔ تو۔ یہ یہرے لئے سے بے وقوف نہیں ہوا۔  
افسوس۔“ محمود کے منہ سے نیکلا۔

اب تمیں کس بات پر افسوس ہو رہا ہے۔“

”اس بات پر کہ میں نے بلا وجد اپنا وقت ضائع کیا۔  
اتنی محنت کی اور پھر بھی یہ بے وقوف زبن سکا۔“

”تمارے فرشتے بھی نہیں بن سکتے۔“ آصف نے جھلک کر کہا۔

”میرا خیال ہے، فرشتے یہ کام کر سکتے بھی نہیں۔“ شوکی نے  
شوخ آواز میں کہا۔

”لو۔ اپنی بھی ہوا زکام۔“ محمود بولا۔

”دیکھا شوکی بھائی۔“ مجھے بے وقوف کہ اور اب تمیں مینڈکی  
کہ رہا ہے۔“

”لیکن۔ میں مینڈکی کس طرح ہو سکتا ہوں۔ مینڈک کہا  
ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔“ شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

”اب دوسرा محااذ کھلنے کو ہے۔ اللہ اپنا حرم فرمائے۔“ خان  
رحمان بھر پور انداز میں مسکراۓ۔

”اوہ! ارے یہ کیا۔“ فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

”ن۔ نظر تو کچھ نہیں آ رہا۔“ اشفاق نے بوکھلا کر چاروں  
طرف دیکھا۔

”خاموش۔ چُب چاپ آگے بڑھ جائیں۔“ فوجی، ہماری حرکات  
سے مشکوک ہو جائیں گے۔

”معاملہ کیا ہے؟“ خان رحمان بولے۔

”معاملہ خاموش رہنے کا ہے۔“ فرزانہ نے سرگوشی کی  
اور پھر وہ نہایت خاموشی سے آگے بڑھنے پڑے گئے۔

آخر ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گئی۔

”یہ دیکھیے انھل۔ درخت۔“ فرزانہ نے انگلی کا اشارہ کیا۔

”دھت تیرے کی۔ تو تم نے یہ درخت دیکھا تھا۔“ محمود نے  
بھٹا کر کہا۔

”درخت کا بغور جائزہ نہ ہے۔ سمجھ جاؤ گے۔ اور اگر نہ سمجھ سکے  
تو پھر یہی وضاحت کر دوں گی۔“

انھوں نے درخت کا بغور جائزہ لیا، لیکن کوئی ایسی

خاص بات نظر نہ آسکی۔ درخت بلند و بالا ضرور تھا، لیکن فضیل سے تدریس فاسطے پر تھا اور اس کی کوئی شاخ فضیل نہیں جا رہی تھی۔ گویا اس پر چڑھ کر فضیل پر نہیں اترا سکتا تھا۔

بخارت تو کچھ پلے نہیں پڑا۔ اصف بڑا یا۔

”درخت بست اوپنچا رہی نہیں۔ بہت بوڑھا بھی ہے۔ اس کی جثائیں بست لمبی ہیں۔ ان جثائیں سے اٹک کر اگر جھولا لیا جائے تو ہم بہت آسانی سے فضیل تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں جب فضیل پر کوئی آدمی نہ ہو۔“ فرزاں نے جلدی بعدی کہا۔

”اوہ۔ اوہ ان سب کے منہ سے نکلا اور بات ان کی سمجھ میں آگئی۔

اب پھر وہ آگئے بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بھی زین کھودے جانے کی آواز سنی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بھی وہی فیصلہ کیا۔ جو پہلی پارٹی نے کیا تھا اور پھر وہ آواز سے تردیک ہوتے چلے گئے۔

”اوہ۔ یہ تو کسی مردے کو دفن کر رہے ہیں۔“ انپکٹر کامران مرتا کے منہ سے نکلا۔

”لیکن یہاں مردے کو دفن کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”یکوں شاہ اعظم صاحب۔ ریاست کے اندر قبرستان نہیں ہے کیا کوئی؟“  
خان رحمان نے پوچھا۔

”اندر بھی قبرستان ہے۔“ وہ بولے۔

”تب پھر۔ اس مردے کو یہاں یکوں دفن کیا جا رہا ہے؟“  
پروفسر داؤڈ نے جیران ہو کر پوچھا۔

”ریاست سے باہر صرف باغیوں کو دفن کیا جاتا ہے۔“  
ہمایات میری ہیں، تاکہ لوگوں کو خداری کا خیال تک نہ آئے۔

”تو اس وقت ریاست کا کوئی خدار یہاں لا یا گیا ہے؟“  
اشفاق بڑا یا۔

”یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ اس وقت تو وہاں حکومت  
ہی نقل حکمران کی ہے۔ اس سے جس کسی نے خداری کی ہوگی،  
یہاں اس کو لا یا گیا ہو گا۔ گویا یہ کوئی میرا وفادار ہو گا۔“  
اوہ! ان کے منہ سے یک دم نکلا۔

”تب تو معلوم کرنا پڑے گا۔“ انپکٹر کامران مرتا کے  
لئے۔ کیسے۔ کیسے معلوم کریں گے؟

”سب لوگ یہیں تھریں۔ خان رحمان۔ آپ میرے ساتھ آئیں۔“  
انپکٹر کامران مرتا کے کہا اور پھر خان رحمان کے ساتھ اس جگہ  
کی طرف بڑھنے لگے۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی،  
”یکوں بھئی۔ یہاں کس کو دفن کیا جا رہا ہے؟“ تردیک

پہنچ کر انہوں نے کہا۔

وہ پہنچے ہی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اور قدرے  
جھران بھی نظر آ رہے تھے:

"آپ۔ آپ لوگ کون ہیں؟"

"دیکھ نہیں رہتے۔ انپکٹر کامران مرزا نے اپنی وردی کی  
طرف اشارہ کیا۔

"نج۔ جی ہاں۔ یہ تو خیر ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہیں آپ لوگ  
وہ تو نہیں۔ جو نقلی شاہ اعظم کی تلاش میں نکلے ہیں۔"

"ٹھیک سمجھے۔ خان رحمان بولے۔

یہ کس کی لاش ہے؟ انپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔  
خولی بیا کی!

کیوں۔ اس نے کیا کیا؟

"شاہ اعظم کے خلاف اوث پٹانگ باتیں منہ سے نکال رہا  
تھا۔ یہ تسلی کہ دیا کہ آپ اصلی شاہ اعظم نہیں ہیں۔ شاہ اعظم  
کو غصہ آگیا۔ انہوں نے فوراً کہا۔ میں سمجھ گیا۔ تم اس غدار  
نقلی شاہ اعظم سے مل گئے ہو۔ یہ کہتے ہی انہوں نے اسے  
گولی مار دی۔ اب چوں کہ یہ غدار کی موت مرا ہے۔ اس لیے  
ہم اسے دفن کرنے کے لیے باہر لے آئے ہیں۔"

"ہوں! تم نے اچھا کیا۔ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

نہیں جناب۔ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ پیچھے سے آواز

وہ پھونک کر مڑے۔ پیچھے سے شاہ اعظم آتے نظر آئے،  
وہ دیکھ کر مردے کو لانے والے سب لوگ دھک سے رہ  
لے۔ ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھین گئیں۔  
مشت۔ تو۔ آپ ہیں وہ نقلی شاہ اعظم۔"

"نہیں۔ میں اصلی شاہ اعظم ہوں۔ بالکل اصلی۔ اور اس کا  
صب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خولی بیا نے نقلی شاہ اعظم کو پہچا  
لپا تھا۔ خولی بیا سے زیادہ مجھ سے قریب اور کون تھا۔ یہ  
ہمارا پھا وفادار تھا۔ میری تمام حرکات و سکنیوں کو اچھی طرح  
وہچانتا تھا۔ دوسروں نے نقلی کو اصل سمجھ دیا، لیکن اس نے  
اپنے اصل نامنہ سے انکار کر دیا اور اس لیے نقلی اسے برشدت  
ڈکر سکا۔ اور اسے گولی مار دی۔ میں اس کی موت پر جستے  
ہم آنسو بھاؤں کر رہیں۔ شاہ اعظم کہتے چلے گئے۔

"ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ آپ کون ہیں۔ اور کیا  
گا رہے ہیں۔"

"عقل کے اندوں۔ میں ہوں شاہ اعظم۔ اور جو شخص انہر موجود  
ہے۔ وہ نقلی شاہ اعظم ہے۔ ورنہ خولی بیا یہ کیوں کہتا کہ تم  
نقلی شاہ اعظم ہو۔ اور وہ اسے گولی کیوں مارتا۔ ذرا سوچو۔"

اصلی شاہ اعظم اپنے سچے وفادار خول بیا کو گول مار سکتا ہے۔ نہیں  
ہرگز نہیں۔"

"تم لوگ کتنی دیر میں فارغ ہو جاؤ گے؟ انپکٹر کامران  
وہ سوچ میں پڑے گے۔ آخر ایک نے کہا: "لیکن آپ ان لوگوں کے ساتھ کیوں نظر آ رہے ہیں۔"  
آپ کی تلاش میں نکلے ہیں۔" جی بس۔ دس پندرہ منٹ اور لگیں گے۔"

"جو لوگ میری تلاش میں نکلے تھے۔ وہ ان لوگوں کے اتنے شاید اتنی دیر میں ہمارے کچھ اور ساتھی بھی یہاں تک  
مارے گئے ہیں۔ انہوں نے صرف ان کی دردیاں پہن لی ہیں۔" یہ ساتھی مجھے قدرت کی طرف سے ملے ہیں۔ ورنہ اس وقت  
ذہن میں جانے کہاں چھپتا پھر رہا ہوتا۔" اسی وقت  
ہم بھی یہاں پہنچے ہیں۔ آپ ہماری وجہ سے پریشان  
ہوں۔ انپکٹر جمیش کی آواز سنا لی دی۔

وہ پونک کر مڑتے:

"بہت خوب۔ آپ یہاں کب آئے؟"  
"(ہم آپ سے کچھ دیر پہلے ہی آئے ہیں اور چھپ کر جائزہ  
لے رہے تھے۔" انہوں نے کہا۔

"اندر داخل ہونے کا کوئی راستا نظر آیا؟"

"ہاں! ایک راستا نظر تو آیا ہے، لیکن شاید اب اس کی

میزورت نہ پڑے، اب تو ہم ان لوگوں کے ساتھ اندر داخل  
ہو جائیں گے، کیوں مسٹر فٹال؟"

"جی نہیں۔ مردے باہر لانے والے دروازے سے جتنے  
لوگ باہر آتے ہیں، اتنے ہی اندر جاسکتے ہیں۔ زیادہ لوگ  
اندر نہیں جاسکتے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اندر جائیں گے تو

قبضہ کریا ہے۔" وہی بولا۔  
"ہاں! یہی بات ہے۔ اور اب ہمیں تم لوگوں کی مدد کی  
 ضرورت ہے۔"

"اگر آپ اصلی شاہ اعظم ہیں۔ تو پھر ہماری جانیں بھی ماریں۔"

"نکریز کرو۔ ہم ریاست کے اندر چل کر دودھ کا دودھ  
پانی کا پانی کر دیں گے۔ نقل شاہ اعظم کا پول کھول کر رکھا  
دیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" شاہ اعظم نے پوچھا۔

نگاہوں کو شک ہو جائے گا اور ہم سب دھر لیئے جائیں گے۔

"خیر۔ ہم آج رات کے گیارہ بجے اندر داخل ہوں گے۔ تم اور تمہارے ساتھی شمالی دیوار کے قریب جہاں فضیل کے چٹاؤں والا ایک بڑا درخت ہے، موجود رہیں۔" انپکٹر کامران بولے۔

"بہت بہتر۔ لیکن آپ فضیل پر کس طرح پڑھیں گے۔ خدا تو فضیل سے قدرے فاصلے پر ہے۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔" انھوں نے کہا۔

خوبی بیا کو دفاترے کے بعد فٹالی اپنے ساتھیوں کو لے اچلا گیا۔ اور انھوں نے پہلے درختوں کا رُخ کیا، پھر وہاں سے اس درخت کی طرف رواد ہوئے۔ انپکٹر کامران مرزا نے اس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا:

"اور وہ درخت فرزانہ کی دریافت ہے۔" انپکٹر کامران مرزا کہا۔

"تو پھر باندھ دیجیے۔ اس کے سر سہرا۔" فاروق نے جل مجنون کر کھا۔

"یہ سہرا باندھنے کا وقت نہیں ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"شاید تمیں بھی جلن ہو رہی ہے۔" فرزانہ مسکرانی۔

"جلتے ہیں میرے جوتے۔" محمود نے فوراً کھا۔

"ہمیں۔ فرزانہ کی جھوٹیوں کی صحبت میں رہنے لگے ہیں کی۔"

فاروق کے لمحے میں چیرت تھی۔

"بس۔ اب چند یکنڈ کی دیر ہے؟" آفتاب نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"کس بات میں؟" آصف نے کہا۔

"درخت کے پاس پہنچنے میں۔"

"نہیں۔ ان لوگوں کے آپس میں لڑنے میں۔" آصف مسکرا یا۔

"تمہارا اندازہ بالکل غلط ثابت ہو جائے گا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"اب میری خدمیں نہ لڑو تو بات اور ہے۔"

"آخر تم اخیں رڑانے پر یکوں ٹکل گئے ہو۔ امن، پیدا اور محبت اچھی چیزیں ہیں۔" اشناق نے کہا۔

"کاش۔ تمہاری اس بات کو بڑی بڑی طاقتیں تسلیم کر لیتیں۔" غان رحمن نے سرد آہ بھری۔

"تم نے کیا کہا اشناق۔ یہ ہمیں رڑانے پر ٹکل گیا ہے۔" فاروق نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں! شاید میں نے یہی بات کہی تھی۔" اشناق نے گبرا کر کھا۔

"بالکل غلط کہا تھا۔ لمحے کی ضرورت ہے تلنے دلنے کی۔"

کہا۔

”گویا بڑی عمر والے میرے ساتھی ہیں اور چھوٹی عمر والے  
شادے۔“

”جی ہاں! اب تو یہی کرنا ہو گا۔“

”تم کوئی دوسری ترکیب بتا رہے تھے فاروق؟“ فرزاد نے  
گویا یاد دلایا۔

”اوہ ہاں۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ درخت کے پاس پہنچ  
کر ہم الگ الگ بیٹھ جائیں گے، یعنی قدرے فاصلے پر۔ اس  
طرح بڑی پارٹی کے کام بالکل محفوظ رہیں گے۔“  
آخر دوہ اس درخت کے قریب پہنچ گئے۔ سورج غروب ہو  
کے قریب تھا۔ گویا اب انھیں رات تک انتظار کرنا تھا۔

”پہلے ہم کچھ تیاری کر لیں، پھر اطمینان سے بیٹھ کر باقی  
کرتے رہنا۔“ خان رحمان نے کہا۔

”جو آپ فرمائیں، کرنے کے لیے تیار ہیں۔“

”شکریہ! سب لوگ میرے ساتھ آئیں۔“

وہ درختوں کے درمیان چلے گئے۔ چند خشک درخت  
انھوں نے تلاش کیے۔ اب خان رحمان نے کہا:

”ان پر سے شاخیں توڑنا شروع کر دیں۔“ پھر انھیں ان  
کا ذہیر فصیل کے پاس لگانا ہے۔“

آصف نے اسے گھورا۔

”اس طرح تو نہ گھورو۔ جیسے کچا ہی پہا جاؤ گے۔“ فرشت  
نے اشقاں کی حمایت میں کہا۔

”میں آدم خور نہیں ہوں۔“

”شروع ہو گیں ادھر ادھر کی۔ بے کار کی۔ اور اوپنگی بولگی  
باتیں۔ ہمارے دماغ چاٹنے کے لیے۔“ انپکٹر جمیل نے جلد کئے  
لچے میں کہا۔

”اگر آپ لوگوں کو اپنے دماغوں کے بارے میں فکر ہے  
تو پھر ایک دوسری ترکیب بھی ہے۔“ فاروق بولا۔

”پہلے ترکیب بتانے کی اجازت لے تو فرشت اور فرزاد  
سے۔“ آصف مسکرا یا۔

”اجازت لینے کا کام تم کرو۔ میں بتانے کا کام کر رہا  
ہوں۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”ثابت ہو گیا، اب یہ نہیں رکھیں گے۔“ خان رحمان ہنسے۔

”جب ایک بات ثابت ہو چکی ہے انکل تو پھر اس پر  
اعتراف کیسا۔“

”نہیں بھی۔ میں نے تو کوئی اعتراف نہیں کیا۔“ وہ حیران  
ہو کر بولے۔

”آپ نے نہیں کیا۔ آپ کے ساتھی تو کر رہے ہیں نا۔“

وہ اس کام میں بحث گئے۔ اُفر دلختنے کی محنت کے بعد انھوں نے فصیل کے قریب لکڑیوں کا ایک بڑا ڈھیر لگا دیا:

”اب ہم وار کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ اور اللہ نے چاہا تو وار کاری بیٹھنے گا۔“

”گھویا اب ہیں باتیں کرنے کی چیز ہے۔“

”ہاں رات کے گیارہ بجے تک۔ اس کے بعد ہم اپنا کام شروع کریں گے۔“

”یہ تو آپ نے بہت تھوڑا وقت دیا ہے۔“

”اور کیا تمہیں پوری رات پاہیے باتیں کرنے کے لیے۔“

”جہاں اتنے بہت سے بولنے والے موجود ہوں۔ وہاں پوری رات بھی کافی نہیں ہو سکتی۔“ پروفیسر داؤن نے کہا۔

”یکن بھی۔ شرط ایک ہے۔ انپکٹر جمیش نے سوچ کر کہا۔“

”بھی فرمائیے۔ ایک کیا۔ ہم تو آپ کی سو شرافت ماننے کے لیے تیار ہیں۔“

”اگر ایک، ہی مان لو۔ تو بڑی سربانی ہو گی۔“

”خیر۔ فرمائیے۔“

”شوکی برادر کو تنگ نہ کرنا۔“

”یکن آتا جان۔ اگر یہ ووگ ہیں تنگ کرنے پر تسلی گئے۔“ فاروق نے احتجاج لیا۔

”مشکل ہے۔ یہ ووگ تم ووگوں کو تنگ کرنے پر نہیں سمجھے گے۔“

انھوں نے کہا۔

”آخر آپ یہ بات کس طرح کا سمجھتے ہیں؟“

”اپنے تجربے کی بنا پر۔“

”لیکن آپ شوکی برادر کے لیے اس قدر فکر مند کیوں ہیں، یہ حلوہ تو نہیں ہیں۔“ کریم فاروقی بولے۔

”معاف کیجیے گا انکل۔ ہم صرف حلوہ ہی ہضم نہیں کر سمجھتے۔“ آصف نے کہا۔

”خیر۔ اب دونوں پارٹیاں ایک ایک بیٹھیں گی۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”اور درمیان میں فاصلہ اس قدر ہو گا کہ ایک پارٹی کی گفتگو دوسری پارٹی دسم سکے۔“

”ٹھیک ہے۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”لیکن جسی یہ پابندی نہیں ہونی چاہیے کہ کون کس پارٹی میں بیٹھنا پسند کرے گا۔“ پروفیسر داؤن بولے۔

”پہلے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔“ انپکٹر جمیش نے کہا۔

انھوں نے بیٹھنے کے لیے دو مناسب سی جگہیں منتخب کیں، اس وقت تک وہ فصیل پر موجود خوجیوں کی نظروں سے پنج کو کام کرتے رہے تھے۔ اب بھی انھوں نے اس کا خیال رکھا۔

ابھی وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ پروفیسر داؤڈ آئندھن کو  
ہوتے -

"کیوں - آپ کہاں پل دیے" اپنکر جمیش بولے  
"پہلے ہی طے ہو چکا ہے - کوئی اعتراض نہیں کیا جائے  
گا" وہ مسکرائے -

"جی - کیا مطلب؟"  
مطلب یہ کہ یہی چھوٹی پارٹی میں بیٹھوں گا  
"ارے! ان کے مزے سے نکلا -

"ارے کہیں یا درے" وہ بولے اور قدم آٹھانے لگے -  
یہاں تک کہ چھوٹی پارٹی کے زدیک پہنچ گئے - وہ دم سادھے  
بیٹھتے تھے - انھیں دریکھ کر فاروق بول آٹھا :

"خیر تو ہے انکل - آپ یہاں کیسے؟"  
اگر تم لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو یہیں یہاں بیٹھنا پسند  
کروں گا"

"ضرور ضرور انکل - شوق سے - یہ تو ہمارے لیے اور بھی  
خوشی کی بات ہے - بلکہ یہ تو ہماری پارٹی کی ایک طرح سے  
بھیت ہے"

"تب تو عجیب ہے - یہیں تم لوگ غاموش کیوں بیٹھتے تھے،  
اس بات پر مجھے بہت چیرت ہے!"

"جی، تم - تم سوچ رہے تھے - بات کہاں سے شروع کی جائے  
اور کون شروع کرے؟"

"اوہ - یہیں پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا - کبھی تم لوگوں کو  
یہ بات سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔"

"جی بس - پتا نہیں - کیا بات ہے - آج ضرورت پیش آئی  
گئی ہے" شوکی نے بے بھی کے عالم میں کہا -

"تب تو یہیں یوں ہی آیا" انھوں نے مایوساً انداز میں کہا  
"نہیں خیر - ایسی بھی بات نہیں انکل - آپ تشریف رکھیں -

ہم بس شروع ہوا، ہی چاہتے ہیں اور ایک بار شروع ہو گئے تو  
پھر یہ دھارا روکے نہیں رکے گا"

"تت - تمہارا مطلب ہے - باتوں کا دھارا" پروفیسر داؤڈ  
بولے -

"بب - باتوں کا دھارا" فاروق ہکلایا -  
"بس بس - رہنے دو - یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا"

محمود نے بھتنا کر کہا -  
"اچھا - ٹھیک ہے - رہنے دیتا ہوں" اس نے کہا -

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی - انھوں نے مرکر دیکھا،  
تو خان رحمان پہلے آ رہے تھے :

"خیر تو ہے انکل"

"بس بھئی۔ ادھر مزا نہیں آ رہا تھا۔ انپکٹر جمیڈ اور انپکٹر کامران مرازا سراغرانی کے فن پر نہایت خشک باتیں لے بیٹھے ہیں۔"

"تھت۔ تو آپ بھی ہم میں شامل ہو رہے ہیں۔ خوش آمدید۔ تشریف رکھئے۔ فاروق چھکا۔

ابھی ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ منور علی خان بھی آ گئے۔

"اوے۔ یہ تو انکل منور علی خان بھی آ گئے۔"

"کیا کیا جائے۔ بجھوڑی ہے۔ انھوں نے کندھے اچکائے۔ اتنے میں کرنل فارانی بھی وہیں آ گئے۔

"اب وہاں رہ کون گیا۔ اب آ جان۔ انکل شاہد، انکل اکرام اور شاہ اعظم۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"انکل شاہد اور انکل اکرام کا بھی دل تو چاہ رہا ہو گا کہ ادھر چلے آئیں۔ لیکن چوں کہ وہ ماتحت ہیں۔ اس لیے نہیں آ سکتے۔"

"پابندی تو خیر نہیں ہے۔" پروفیسر داؤڈ بولے۔

"بلے شک۔ پابندی نہیں ہے، لیکن ادب بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"خیر چھوڑو۔ اب تم اپنی باتیں کرو۔ کرنل فارانی بولے۔"

"یہی تو مشکل ہے انکل۔ آج کوئی بات سو جھوہی نہیں  
لہیں۔ مکھن بولا۔"

"ادے۔ یہ میں نے کیا سُنا ہے۔"

"نکر د کریں۔ آپ کے کام با انکل صحیک ہیں۔" اصفہ مُسکرا یا۔

"لفظ کام بھی عجیب ہے۔" فاروق بڑ بڑا یا۔

"یکھوں۔ اس میں عجیب بات کیا ہے۔"

"دیکھیئے نا۔ بگان انسانی جسم کا حصہ بھی ہے۔ معدنیات کی بھی  
گان ہوتی ہے۔ اب ذرا معاورات وغیرہ کی طرف آ جائیے۔"

اوے ارے۔ اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ اس بات کو جانتے کے  
لئے اٹھنا ضروری نہیں۔" فاروق کہتا جا رہا تھا کہ خان رحمان منہ  
ہٹا کر بولے :

"لیکن ہم میں سے تو کوئی بھی نہیں اٹھا۔"

"بھی۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ آپ میں سے کوئی نہیں اٹھا۔"

"ماں ا یہی بات ہے۔"

"لیکن۔ میں تو پچھوڑو گوں کو کھڑے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

فاروق نے جیرت زدہ انداز میں کہا اور پھر پوری طرح ان کی  
ٹھنڈی کھا جو کھڑے تھے۔

"ماں میں یہ کیا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

اس کے ہائیں یہ کیا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

اور پھر ان سب کی آشیکیں جہت سے چیل گئیں؛ یکوں کہ ان جیں سے واقعی کوئی کھڑا نہیں ہوا تھا۔ کھڑے تو دراصل انپکٹر کامران مرزا، انپکٹر جشید، اکرام، شاہد اور شاہ عظیم تھے۔ اور انہیں کوئی طرح گھور رہے تھے۔

آ۔ آپ۔ یعنی کہ آپ۔ "شوکی نے کانپ کر کہا۔

"اے! ہم۔ ہم بھی ادھر بیٹھے رہ کر کیا کرتے۔ سب تو ادھر آگئے ہیں؟"

اور ان سب کے چہروں پر مسکراہیں چیل گئیں۔

رات کے شامک، گارہ بجے انہوں نے لکڑیوں کے ڈھیر کو آگ دکھا دی۔ خشک لکڑیوں نے فوراً آگ پکڑ لی۔ اور وہ بلند ہوتی چلی گئی۔ فصیل پر فوراً ہل چل کے آثار پیدا ہوئے۔ فوجی دوڑ دوڑ کر ادھر آنے لگے۔ بھیج ریکارڈ کا سلسہ شروع ہو گیا۔ آگ فصیل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اور اس پاس کے درختوں کو بھی اپنی پیٹ میں لے رہی تھی۔ آخر انہیں آگ بچانے کی نظر شروع ہوئی۔ ادھر یہ لوگ اس درخت کے بیچے جمع تھے۔ انپکٹر جشید درخت کی جناؤں کو پکڑ کر فصیل کے مخالف سمت میں رہت رہے تھے۔ اور پھر انہوں نے جھولا دیا۔ انپکٹر کامران مرزا نے جھوٹے کر بلند کرنے کے لیے ان کی کمر پر لاتھہ نارنا شروع کیا۔ اس طرح وہ بلند ہوتے چلتے گئے۔ جھولا اوپنجا ہوتا چلا گیا۔ اور پھر وہ فصیل سے بھی اوپر نکلنے لگے۔ اس وقت اس جگہ فصیل پر

کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے اندازہ لگایا اور پھر جٹائیں  
لائھ سے چھوڑ دیں۔ ساتھ، ہی انہوں نے جیب سے  
پستول نکال دیا۔ ادھر انپکٹر کامران مزا جٹائیں پکڑ لے چکے  
تھے۔ اور جھولا جھول رہے تھے۔ عین اسی وقت مخالف  
سمت سے فصیل پر آٹھ دس آدمی دوڑ کر آتے دکھانی  
دیے۔ وہ فوراً بچے لیٹے گئے اور فصیل کو ہاتھوں سے  
پکڑ کر بچے لٹک گئے۔ فوجی دوڑتے ہوئے گزر گئے تو  
وہ پھر اور آگئے۔ اب انہوں نے فصیل سے بچے دیکھا  
وہاں۔ شاہ اعظم کے وہ ساتھی موجود تھے۔ جو خوبی بیساکو  
ڈھن کرنے گئے تھے۔ انہوں نے اشارے سے انھیں بتایا  
کہ فصیل پر کس جگہ ہیں۔ وہ تیزی سے اس طرف برڑھے۔  
کوئی سیڑھی ہے۔ آپ لوگوں کے پاس؟ انہوں نے کہا  
”ہاں ہے۔“

تو پھر لگا دو اللہ کا نام لے کر۔ کہ سکتے ہیں کہ آگ  
بجانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا۔  
ادھر سیڑھی دیوار سے لگی۔ ادھر انپکٹر کامران مزا  
فصیل پر پہنچ گئے۔  
میں بچے آتے رہا ہوں۔ آپ اپنے بچے آنے والوں  
کو سیڑھی کی طرف اشارہ کر کے آت آئیے گا۔ انپکٹر جشید

لولے۔

”ٹھیک ہے۔“

اور انپکٹر جشید سیڑھی پر اترتے چلے گئے۔ بچے پہنچ کر  
انہوں نے کہا:

”باقی ساتھی بھی آ رہے ہیں، سیڑھی لگی رہنے دیں۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ نکر دکری۔“

اسی وقت فوجیوں کی ایک جیپ دہاں آ کر رکی کہ:  
”اے۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ سیڑھی کیوں لگا دکھی ہے؟  
جیپ میں سے اُرنے والے ایک فوجی نے چلا کر کہا۔

”فصیل کے دوسری طرف آگ لگی ہے جاہ۔ ہم اس سیڑھی  
کے ذریعے آگ بھانے والوں کو اور پہنچانے کا ارادہ رکھتے  
ہیں۔“ فٹالی نے فوراً جواب دیا۔

”ہوں۔ ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا اور پھر جیپ میں بیٹھ  
گیا۔ جیپ آگے بڑھ گئی۔

ادھر سے ادھر آترنے کا سلسہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ  
سب لوگ پہنچ گئے۔ البتہ منور علی خان ابھی تک نہیں پہنچے  
تھے۔ اور وہ پہنچتے کس طرح۔ انھیں جھولا جلانے والا کوئی نہیں  
رو گیا تھا۔ غالباً وہ خود ہی جھولے کو اوپنا کرنے کی کوشش  
میں مصروف تھے۔ انھیں پانچ منٹ تک ان کا انتظار کرتا

پڑا۔ اور پھر وہ بھی آگئے۔

"مجھے جھولے کو فصل تک اوپنچا اٹھانے کے لیے بہت محنت کرنا پڑی۔ اس لیے دیر ہو گئی۔" انھوں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں، آ تو گئے تا۔ مسٹر فالی۔ اب ہمیں یہاں سے کسی اور جگہ لے چلیے۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا گھر حاضر ہے۔" اس نے کہا۔

ٹالی ایک بڑی دین لے کر آیا تھا۔ ان سب کو اس دین میں بٹھایا گیا، پھر دیس ایک بڑے گھر۔ سامنے رک۔ اور وہ اندر داخل ہوئے، لیکن دوسرا لمبہ چونکا دینہ والا تھا۔ اندر مسلح فوجی پوکس کھڑے تھے۔ اور ان سب سے آگے کھڑے فوجی کے چہرے پر ایک گھری طرزی سکلا بٹ ناچ رہی تھی۔

"غدار ٹالی۔ اور اس کے ساتھیو۔ خوش آمدید۔" اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

مسلح فوجیوں کے ہاتھوں میں جدید قسم کی رائفلیں تھیں، ٹالی نے نظر بھر کر ان کی طرف دیکھا اور پر سکون آواز میں بولا:

"غدار گون ہے۔ اس کا فیصد وقت کرے گا۔"

"میں تمہارے ساتھ نقل شاہ اعظم کو دیکھ رہا ہوں اور

تم خود کو غدار بھی تسلیم نہیں کر دے ہے۔"

"احمق شابل۔ یہ نقل نہیں۔ اصلی ہیں۔ اور جس کے احکامات کی تم تعییل کر رہے ہو۔ وہ نقلی ہے اور ہماری ریاست پر قبضہ جما بیٹھا ہے۔"

"ایک تباہ حال ریاست پر قبضہ کرنے کی اسے جلا کیا ضرورت تھی۔"

"اگر یہ نقلی ہیں تو یہ بات ان کے لیے بھی کہی جاسکتی ہے، انھیں کیا ضرورت تھی۔ تباہ حال ریاست پر قبضہ کرنے کی۔" ٹالی نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

"ہوں! بات ٹھیک ہے، لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ اصلی شاہ اعظم ہیں؟"

"اور تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ جس کو تم اصلی شاہ اعظم خیال کر رہے ہو، وہ اصلی ہے بھی۔" ٹالی نے کہا۔

شابل سوچ میں پڑ گیا، چھر کندھ سے اچکا کر بولا:

"میرے پاس کوئی ثبوت نہیں، لیکن اگر تم لوگ کوئی ثبوت دے دو تو ہم نتیجہ تو نکال، ہی سکتے ہیں۔"

"ہاں شابل۔ میں تمھیں ثبوت دے سکتا ہوں۔" ایسے میں شاہ اعظم کی آواز گوئی۔

"اوہ۔ شاہ کی آواز کی کس قدر کامیاب نقل آمادی ہے۔"

"پہلے ثبوت سنو۔ انہوں نے جل کر کہا۔  
” ضرور کیوں نہیں، لیکن کوئی چال پہلنے کی کوشش نہ کی جائے،  
ورونہ چھلنی کر دیے جائیں گے۔ کیوں کہ شاہ عظیم کو پہلے  
ہی فٹالی پر شک تھا۔ اس نے مجھے اس کی نگرانی پر لگایا  
تھا اور ان کا شک درست نکلا۔“  
” تو تم ہماری نگرانی کر رہے تھے؟ فٹالی کے لمحے میں حیرت  
تھی۔

” ہاں! لیکن بہت ہی خفیہ طریقے سے۔“  
” خیر کوئی بات نہیں۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو  
جائے گا۔ ایک سفر پر صرف میں اور تم گئے تھے شابل۔ کچھ  
یاد ہے۔ وہ کون سا سفر تھا۔“ اتنا کہ کر شاہ عظیم خاموش ہو گئے۔  
” ہاں! یاد ہے۔“ اس نے لمحوںے کھوئے انداز میں کہا۔  
” شکریہ شابل۔ ہمیں وہاں ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آیا تھا۔“  
” یہ بھی تھیک ہے۔“ شابل کی آنکھوں میں ملجن دوڑ گئی۔  
” اس سے پہلے کہ میں یہ بتاؤں۔ وہ حادثہ کیا تھا۔ تم ذرا  
اپنے شاہ عظیم کو فون کر کے اس سے تو معلوم کرو۔ وہ ایک بات  
بھی نہیں بتا سکے گا۔“

” ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ حادثہ کیا پیش آیا تھا۔ خیر میں  
انھیں فون کرتا ہوں۔“

فون برادر سے میں ہی ایک تیاری پر رکھا تھا۔ شابل اس  
طرف بڑھا ہی تھا کہ انپکٹر جمشید بول آئیے:  
” نہیں سظر شابل۔ آپ ایسا نہیں کریں گے۔“  
” یکوں۔ کیا بات ہے۔“ اس نے جیران ہو کر کہا۔  
” اگر تم نے اس قسم کا فون اس شخص کو کیا تو وہ جان  
جائے گا کہ اب اس کا بجاندًا چھوٹنے والا ہے۔ لہذا وہ کوئی وار  
ضرور کرنے کی کوشش کرے گا اور ہم نقصان اٹھا سکتے ہیں۔“  
” خیر۔ یوں ہی سی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ مجھے بتا دیں،  
حادثہ کیا تھا؟“  
” ضرور کیوں نہیں۔ میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔“ شاہ عظیم نے  
کہا، پھر بولا:  
” آپ لوگوں کو تو کوئی اعتراض نہیں؟“  
” بھلا، ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“  
” حادثہ یہ پیش آیا تھا کہ ہماری کار کے نیچے ایک بچہ آگیا  
تھا۔“  
” اوہ۔ ان سب کے منز سے نکلا۔“  
” ہاں! یہی وہ حادثہ تھا۔ اور اب میں یقین سے کہ سکتا  
ہوں کہ آپ اصلی شاہ عظیم ہیں، کیوں کہ ہم دونوں نے کسی سے  
بھی اس حادثے کا ذکر نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔“

اور وہ بچھے تھے

"ڈہ۔ مر گیا تھا۔ اپنامک جو سڑک پر آگیا تھا۔"

"اور آپ دہان کے نہیں تھے۔ گزرے چلے گئے تھے۔"

"ہاں! اس لیے کہ میں اس کے ماں باپ کو روتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بات میرے بس سے باہر تھی۔"

"ہوں۔ شاید موجودہ پریشانی آپ کو اس حادثے کی وجہ سے، ہی ہیش آئی ہے۔ نبیر۔ مسٹر شابل۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میں ہر وہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس کا یہ حکم دیں۔"

"یہاں آنے سے پہلے تم نے نقلی شاہ اعظم کو اطلاع دی تھی کہ تم ہمارے تعاقب میں ہو۔"

"نہیں۔ میں نے املاع نہیں دی تھی۔ اس نے بتایا۔"

"خوب۔ شب تو معاملہ راز رہ سکتا ہے۔ مجھے ساری بات بتائیے۔"

انھوں نے مختصر طور پر ساری بات بتا دی، پھر انپر کڑا جھیش نے کہا:

"نقلی شاہ اعظم کو نہایت خاموشی سے نکال لانے کا کون

ٹریلوٹ بتا سکتے ہیں آپ دونوں؟"

شاپل اور نہایل سوچ یہ ڈوب گئے۔ آخر شابل نہ کہا:

"بست مشکل ہے۔ فوج نے پورے محل کو اپنی حفاظت

میں لے رکھا ہے، کیوں کہ اس نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ ایک نقلی شاہ اعظم ریاست پر قبضہ کرنے کے لیے سازشیں کر رہا تھا۔"

"ہوں! اب پھر کیا صورت ممکن ہے۔" ٹھالی نے کہا۔

"صرف اور صرف ایک۔ فرزاد بولی۔"

"کیا مطلب۔ ترکیب، ہم نے ان حضرات سے پوچھی ہے اور بتا رہی ہو تو تم۔"

"میں ایسی ترکیب بتاؤں گی کہ ہم نقلی شاہ اعظم کو گرفتار کر لیں گے۔"

"بہت مشکل ہے۔ ایک کھُردی آواز ان کے کافنوں میں آئی۔"

"وہ یک دم دروازے کی طرف مڑے اور ساکت رہ گئے، دہان خوف ناک صورتوں والے چار آدمی کھڑے تھے۔ وہ سر سے

ویرتک لو ہے میں غرق تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں ٹینیں ٹھنیں بالکل تیار تھیں۔"

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ صرف ہم چار ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سارا مکان پوری طرح لیکھرے ہیں ہے۔ شاہ اعظم

اس قدر ہے خبر نہیں کہ غداروں کی خبر رکھے؛ تاہم انھیں شابل کی غداری پر ضرور افسوس ہو گا۔ ایک شیئن گن والا کہتا چلا گی۔"

"لیکن مسٹر مرکان۔ تم نہیں جانتے۔ یہ اصلی شاہ اعظم ہیں"

"اس کا فیصدہ محل ہیں ہو گا۔" مرکان نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ ہم محل پہنچتے ہیں۔" شابل نے کندھ سے اچکائے۔

"نہیں مسٹر شابل۔ اس طرح نہیں۔ اب تم لوگوں کو ہتھکڑیاں

پہنا کر لے جایا جائے گا۔ تھاری غداری ثابت ہو چکی ہے۔"

"بہت جلد یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ غدار کون ہے۔"

چلو، ہم چل رہے ہیں، لگا تو ہتھکڑیاں۔"

"لیکن کیوں مسٹر شابل۔ یہ صرف چار ہیں۔ باہر کوئی ہے یا نہیں۔ ہمیں نہیں معلوم۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ ذرا تم ہی باہر نکل کر ایک نظر ڈالو۔ معلوم ہو جائے گا۔" مرکان نے طنزہ لجھے میں کہا۔

محمود دروازے تک گیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھول کر اس نے باہر نظر ڈالی اور پھر تھرا آٹھا۔ پوری لگلی مسلح فوجیوں سے بھری پڑی تھی۔

"اُت تو بہ۔ اتنے فوجی۔ کیا ہم سے اتنا ہی خطرہ تھا۔"

"شاہ اعظم کی خواہش ہے کہ آپ میں سے ایک بھی فرار نہ ہونے پائے۔"

"انھیں ہمارے بارے میں کیا معلوم؟"

"انھیں پل پل کی خبر مل رہی ہے۔ آگ کا لگنا۔ پھر تم لوگوں

یہاں آنا۔ یہاں جو باتیں ہو میں۔ وہ بھی انھیں معلوم ہیں۔

لوگوں نے پہلے ہی اس گھر میں آلات فٹ کرادیے تھے۔

"اُرے؟ خٹالی کے منہ سے نکلا۔"

"ہاں! اب تم لوگ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن لو۔

مات تھیں جیل میں بسر کرنا ہو گی۔ صحیح میں تم لوگوں کو کھٹے دبار

میں پہنچ کر دوں گا۔"

"کھٹے دربار میں۔ کیا مطلب؟"

"صحیح شاہ اعظم پوری ریاست کے لوگوں کے سامنے دربار

جا کیں گے۔ اور غداری کی سزا دیں گے؟"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔

جب صحیح ہو گی اور ہم اس کے سامنے جا کیں گے تو اس وقت

کہ دیکھ لیں گے؟ انپکڑ جمیش نے بے نکری کے عالم میں کہا۔

"کیا دیکھ لیں گے؟" مرکان نے منہ بنایا۔

"یہ کہ کون اصلی ہے۔ کون نقلی۔ غدار کون ہے اور

وفادر کون۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ بھرے دربار میں یہی تو فیصدہ ہو گا۔"

اس نے کہا۔

انھیں ہتھکڑیاں لگانی جانے لگیں۔ اور پھر گھر سے باہر لایا

جیا۔ باہر پویس کی کھل جیسیں موجود تھیں۔ انھیں ان پر سوار کی

گیا اور پھر بیسیں آہستہ رفتار سے رواز ہوتیں۔ شاید یہ خبر پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی کہ نقلی شاہ اعظم کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور جلوس کی شکل میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو شاہی تید خانے تک لے جایا جائے گا۔ اس لیے لوگ سڑکوں کے دونوں طرف جمع تھے۔ وہ سب کے سب خوشی سے اچل کو درہ ہے تھے، ان پر جملے کس رہے تھے۔

”گویا انھیں یقین دلا یا جا چکا ہے کہ ریاست میں موجود شاہ اعظم اصل ہے؟“ انپکٹر جمیش بڑھاتے۔

”ہوں۔ شاہ اعظم صاحب۔ بھرے دربار میں کیا آپ خود کو اصلی شاہ اعظم ثابت کر سکیں گے؟“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں۔ ہم یہی سے جو نقلی ہے۔ وہ ضرور میک آپ میں ہے۔ اور جب اس کا میک آپ آتا رہا جائے گا تو پس جھوٹ کا نظارا ہو جائے گا۔“ شاہ اعظم بولے۔

”ہوں! بات ٹھیک ہے۔ خیر دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے؟“ انپکٹر جمیش نے فکر مند ہو کر کہا۔

”کیوں آباجان۔ کیا آپ کے خیال میں، اس نہیں ہو سکے گا؟“ محمد نے بغور ان کی طرف دیکھا۔

”جو شخص شاہ اعظم نہیں ہے اور شاہ اعظم بننا بیٹھا ہے اور بھرے دربار میں اصل کا سماں ہنا کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس

”میں کچھ تو مفہومی ہو گی؟“ انھوں نے جواب دیا۔

”اور یہی بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا بڑھاتے۔

”اور جب ایک بات آپ دونوں کو پریشان کرے تو پھر وہ معمولی نہیں ہوتی۔ اہم ترین ہوتی ہے：“

”بھر حال ذہنوں کو الجھانے کی ضرورت نہیں۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”جیپوں کا قافلہ گزرتا رہا۔ لوگ ان پر بھیتیاں کتے رہے، قیچے لگاتے رہے۔ آخر وہ شاہی محل تک پہنچ گئے۔ ملٹی دستوں

نے انھیں گھیرے میں لے کر جیل کی کوٹھری تک پہنچایا۔

ان سب کو ایک ہی کوٹھری میں شخونس دیا گا، لیکن کوٹھری اتنی چھوٹی نہیں تھی۔ وہ آسانی سے اس میں سما گئے۔

”صحیح کا سورج نکلنے تک تم لوگوں کو یہاں رہنا ہو گا۔“

”اوہ کھانے دانے کا کیا ہو گا؟“ پردفیر داؤ جلدی سے بولے۔ وہ مسکرا دیے۔

”کھانا بھی ملے گا اور دانا بھی۔ فکر نہ کرو۔“

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ۔“ تم نے ہمارے ساتھ اپنے اصل شاہ اعظم کو بھی جیل میں ڈال دیا ہے۔ خان رحمان بولے۔

”یہ درست نہیں۔ بلکہ ہم نے تو ان کے احکامات پر عمل کیا ہے۔“

"خیر۔ شیک ہے؟" منور علی خان نے کندھے اچھائے۔  
انھیں یہاں تک پہنچانے والے چلے گئے۔ کوٹھری کے  
باہر مسلخ فوجی ٹہلتے نظر آتے رہے۔ گویا ان کے بارے میں  
بہت احتیاط کی جا رہی تھی۔

"کیا کام ایسا میک آپ تو ایجاد نہیں کر دیا گی۔ جسے  
آمارا نہ جاسکے؟" شاہ اعظم نے پریشان اواز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ اس فن میں ترقی تو بہت ہو سکی ہے" انپرکر  
جمشید بڑھ رہا۔

"اگر میں بھرے دربار میں خود کو اصلی ثابت نہ کر سکتا تو  
کیا ہو گا۔"

"وہی ہو گا جو اللہ تو منظور ہو گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"  
آنات نے مسکرا کر کہا۔

"میں پریشان کیوں نہ ہوں۔ میں اس ریاست کا حکمران  
ہوں اور جیل میں ڈال دیا گیا ہوں۔ آخر میرے تمام دفاتاروں  
کو لیا ہو گیا ہے۔ کیا ان سب کی عقلیں ماری گئیں؟"  
اور ابھی تک ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ کرنل شوکت حامل  
کو کیوں اغوا کیا گیا۔ پروفیسر غری کی تجربہ لگاہ کو کیوں اڑایا  
گیا۔ سی موں اور بلا کشہ لکنگ کہاں ہیں۔ اور کیا یہ ان  
دوفون کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ اور اس ریاست کو

فرید نے کاپروگرام کیوں بنایا تھا۔ "نقی شاہ اعظم کون ہے،  
ریاست کی کچھ زمین جو آپ سے حاصل کی گئی، اس پر کون  
سے منصوبے اپرہ عمل کیا جا رہا ہے؟" انھوں نے جلدی جلدی  
کہا۔

"اب ہمیں یہاں کب تک رہنا ہے؟" پروفیسر دادو گھبرا گئے۔  
ایک دو دن تور ہیں گے ہی پروفیسر انگل۔ ایسی بھی کیا  
جلدی ہے؟" اشتفاق بولا۔

"لو اور مسنون۔ تمیس بھی شوق ہو گا میاں۔ تم دہو شوق  
سے۔ میں تو فوری طور پر نکل چانا چاہتا ہوں یہاں سے۔  
دم گھٹ رہا ہے میرا۔" پروفیسر دادو جلدی جلدی بولے۔

"نکر د کریں پروفیسر انگل۔ ہم تو ان لوگوں کا دل رکھنے  
کے لئے یہاں آگئے ہیں۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں یہاں لا سکتے تھے  
بھلا۔" محمود نے کہا۔

"یار کیوں ڈینگیں بار رہے ہو؟" اصف نے مزہ بنایا۔  
"ڈینگیں۔ نہیں تو۔ میں ڈینگیں بار رہا ہوں آبا جان،  
نہیں بھی۔ تمیس کم از کم ڈینگیں مارنے کی عادت نہیں؟"  
چلو اچھا ہی ہے۔ جان پڑھ گئی ان کی۔" فاروق نے  
خوش ہو کر کہا۔  
"گاک۔ کن کی؟" اخلاق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ایک تو آپ ان کی حمایت پر اُتراتے ہیں۔"

"کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔"

"مجبوری کسی؟ انپکٹر کامران مزا نے جiran ہو کر پوچھا۔

"حمایت نہ کریں تو تم انھیں خاموش رہنے پر مجبور کر دو، اور ان کی خاموشی ہم سے نہیں دیکھی جاتی۔"

"شش۔ شکریہ انگل" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اس میں شکریہ کی ضرورت نہیں۔ پروفیسر داؤڈ نے چلدی سے کہا۔"

"جی۔ تو پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟ محمد نے جiran ہو کر پوچھا۔

"باتوں کی۔ وہ بولے۔"

"وہ تو نیڑا ہم کر ہی رہے ہیں۔"

"ذجنے کی بات ہے۔ اج وہ شامل نہیں ہوتے۔ صفت نے الجھن کے عالم میں کہا۔"

"وہ کون۔ اور کس چیز میں شامل نہیں ہوتے؟ فرحت کے پوچھا۔

"مم۔ عادورے۔ ضرب الامثال۔ اُصفت ہمکلایا۔"

"ناراض لگتے ہیں ہم سے۔ تبھی تو ہماری گفتگو میں ہزا نہیں مادر ہے۔ فرزانہ نے خیال خلا بر کیا۔"

"ڈینگوں کی۔ اور گن کی۔ تمہاری تو نہیں کر رہا۔" فاروق نے گما مان کر کہا۔

"ہماری جانیں تو دیسے ہی پچی پچائی میں۔" مصالحی بولا۔

"اس حد تک خوش فہمی بھی ٹھیک نہیں۔ جہاں تک میرا خیال سپئے۔ ہمارے سروں پر تکوار تک رہی ہے۔"

"اُسے باپ دے۔ آفتاب نے گھرا کر مذ ادپر جو کیا تو اس کا سر مکھن کے کان پدر لگا۔"

"کیا کرتے ہو۔ سر بھی اوپر کرنا نہیں آتا۔ وہ بھتا اٹھا۔"

"اب سیکھوں گا تم سے۔" اس نے جل کر کہا۔

"کیا۔ سر اوپر کرنا۔ پروفیسر داؤڈ نے جiran ہو کر کہا۔"

"جج۔ جبی ہاں۔ آفتاب بولا۔"

"حد ہو گئی۔ اب سر اوپر کرنے کا طریقہ بھی سکھانا پڑے گا۔" شوکی نے طرزیہ لجھے ہیں کہا۔

"اور شاید اس کا بہترین طریقہ ہے کہ پہلے سر کے بل کھڑے ہونا چاہیے۔" منور علی خان مسکا رے۔

"اب گفت گو مکمل ٹھوڑ پر اوٹ پٹانگ ہو چلی ہے۔"

انپکٹر جمیل نے اعلان کیا۔

"کوئی بات نہیں بھی۔ ان کی اوٹ پٹانگ باتوں میں بھی ایک لطف ہے۔" پروفیسر داؤڈ مسکا رے۔

"ہو سکتا ہے۔ ان کو سانپ سونگھ گیا ہو۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"کن کو۔ محاورات کو۔" اشفاق نے جرأت ظاہر کی۔

"اور سانپ سونگھا محاورہ نہیں ہے کیا۔" اخلاق بولا۔  
گویا قدم رنجہ فرمانے لگے ہیں۔ بس سمجھو۔ اب آئیں  
گے تابڑ توڑ انداز سے۔" اشفاق خوش ہو گیا۔

"یہ محاورے ہیں۔ کوئی اولے نہیں۔ جو سرمنڈاتے ہی  
پڑنے لگتے ہیں، محمود نے منڈنا کر کہا۔

"ہو گیا سوار۔ محاورات کا بھوت اب کہاں اترے گا۔"  
انپکٹر جمیل نے جل بھسن کر کہا۔

"اسے کہتے ہیں، محاورے پر محاورہ۔" انپکٹر کامران مزا نے  
مکرا کر کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے محاورے آپ لوگوں کی لمحتی میں  
پڑتے ہوں۔ شاہ اعظم کے لمحے میں جرأت تھی۔ ان کی بات سن  
کر سب کے سب مکرانے پر بجھوڑ ہو گئے۔"

"آپ نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ ہے کچھ ایسی ہی بات یا پھر  
یوں کہ لیں کہ ان محاورات کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ  
ہے۔" آصف نے کہا۔

"کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ محاورات ہمارا اوڑھنا

بچھنا ہو گئے ہیں۔" مکھ بولا۔

"ہاں! مطلب یہ کہ زبان کو لگام نہیں دیں گے۔ کچھ نہ  
کچھ کہتے ضرور رہیں گے۔" انپکٹر کامران مزا نے جل کر کہا۔

"تو آپ ہی کون سا محاورے سے اپنا دامن بچا سکتے ہیں۔"  
شاہد ہنسا۔

"اوہ ہمیں۔ اور خود تم۔ تم بھی تو شہیدوں میں شامل ہو  
گئے۔" احکام بولا۔

"ہو گیا سب کو محاورے خویا۔"

"یہ مالی خویا کا رشتہ دار ہے شاید۔" شوکی نے جلدی سے  
کہا۔

"کاش۔ سورج نکلنے سے پہلے ہم کچھ کام بھی کر لیتے۔"  
انپکٹر جمیل نے سرد آہ بھری۔

"نج۔ جی کام۔ اور جیل خانے میں۔ یہاں بھلا ہم کیا کام  
کر سکتے ہیں؟"

"بہت سے کام کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تم کہنئے اور کرنے پر  
تیار ہو۔ وہ بُرا سامنہ بننا کر بولے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہم سب تیار ہیں۔ کیوں بھی؟" محمود

نے پُر جوش انداز میں کہا۔

” بالکل! اس بیک زبان ہو کر بولے۔

” یہکن یہ کام ہمیں ذرا اوٹ میں رہ کر کرنا ہو گا۔ تاکہ پھر سے داروں کی نظر نہ پڑ سکے۔

” بہتر یہ کیا شکل ہے۔ ہم ابھی کیسے دیتے ہیں؟

اور پھر کوٹھری میں تاریکی پھیل گئی۔ پھر سے دارچونک آئے۔

” اسے تاریکی کہتے ہیں جناب۔ ہم رات کے وقت تاریکی پسند کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ روشنی میں سونتے کے عادی نہیں ہیں۔ کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟

” اعتراض۔ پتا نہیں۔ اعتراض ہونا چاہیے یا نہیں؟ پھر دار ہملا کیا۔

” تو پھر۔ پہلے اپنے انچارج سے معلوم کر لیں۔ اگر انہیں اعتراض ہو تو اگر ہم سے بات کر لیں۔

” ہوں! یہ ٹھیک رہے گا۔ اے۔ تم لوگ چوکس رہو۔ میں سر سے بات کر کے آتا ہوں۔

” بہت بہتر جناب۔ کئی آوازیں ابھریں۔ اور جانتے قدموں کی آواز منانی دی۔

ادھر یہ لوگ فاروق کی نسخی سی مارچ روشن کر کے کام

پیش مصروف رہے۔ جیل کی کوٹھری کے درمیان انہوں نے کپڑے  
مان رکھتے تھے۔

جلد ہی قدموں کی آواز پھر منائی دی۔ اور اس پر سے دار  
کی آواز منائی دی۔

” سر آ رہے ہیں؟

” اوه۔ اچھا! اس کے ساتھ ہی ایرٹیاں بجھنے لگیں۔

” ہیلو۔ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ اس نے نزدیک آگ کہا۔

” پتنا نام۔ ہم کوٹھری میں رہ کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ  
اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں؟

” یوں تو تم لوگ ایک دوسرے کو قتل بھی کرنا شروع کر  
دو گے۔ تو کیا مجھے اس صورت میں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

” ہم ایک دوسرے کو کیوں قتل کرنے لگے۔ ہم تو ایک دوسرے  
سے بہت محبت کرتے ہیں!

” کرتے ہو گے۔ ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش  
نہ کرو۔ اس پر دے کو درمیان سے ہٹا دو۔ اس نے غرما کر  
کھا۔

” انہوں۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

” تب پھر مجھے سختی کرنا پڑتے گی۔

” مشکل ہے جناب۔ آپ سختی نہیں کر سکتے۔ ان پکڑ جیش مکارے۔

"وہ کس طرح؟"

"ہمیں صح بھرے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ اگر آپ نے سختی کی تو پھر کس طرح پیش کر سکیں گے؟"  
"اوہ! اس کے مذہبے نکلا۔

"اب کیا خیال ہے؟"

"میں جیل کے انچارج سے بات کرتا ہوں۔ جیسا وہ کہیں گے، کروں گا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں؟" انپکٹر کامران مرزا خوش ہو گئے۔  
ایک بار پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ آخر پندرہ منٹ بعد پھر قدموں کی آواز ابھری اور اسی نگران کی آواز سنائی دی:

"انچارج خود تشریف لازم ہے ہیں؟"

"یہ اور ابھی بات ہے۔" خان رحمان نے مطمئن لمحے میں جلد ہی چند آدمیوں کے بھاری قدموں کی آواز گونجی اور پھر ایک سرد آواز نے اخیں جھنجوڑ ڈالا:

"بھیلو۔ تم لوگ پوشیدہ طور پر کیا کام کر رہے ہو؟"  
"اندر آگر دیکھیں یہیں۔ انپکٹر جمیش بولے۔  
"اندر آگر۔ نہیں۔ ہم اندر تو نہیں آ سکتے۔ ہدایات

ایسی ہیں۔"

"لکھ۔ کیسی؟" شوکی نے ہلکا کر کہا۔ انپکٹر جمیش نے پسندیدگی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"ہم اس کو ٹھری کا دروازہ صحیح سے پہلے نہیں کھول سکتے۔"

"تب پھر صبر کریں۔"

"یکن ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم لوگ اندر کیا کر رہے ہے۔"

"تو کہر یہ معلوم۔ ہم نے روکا تو نہیں۔" فاروق چمکتا۔

"اب۔ اب مجھے۔ شاہ اعظم کو فون ہی کرنا پڑے گا۔"

"ضرور کریں۔" انپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بھئی۔ اب ان لوگوں کو زیادہ پریشان بھی نہیں کرنا چاہیے،  
یہ ہمارے میراں ہیں۔" پروفیسر داؤڈ بولے۔

"اوہ ہاں؛ آپ کی بھوک کا بھی تو مسدہ ہے۔ نجد۔ ہم  
وہ ہٹا رہے ہیں۔ یہ لو بھئی۔ دیکھ لو۔ ہم کیا کر رہے ہے  
کہا۔"

ساختہ ہی کو ٹھری کا بلب جل گیا۔ یکن اندر کوئی بھی  
ریلی نظر نہیں آئی۔

"تو تم لوگ ہمیں یوں ہی پریشان کر رہے تھے۔ انچارج  
بجنہا کہ کہا۔"

"جی۔ بس۔ ذرا وقت گزار رہے تھے۔ کم بخوبی رات بہت  
لبی محسوس ہو رہی تھی۔ محمود نے مسمی صورت بنائی۔

"عد ہو گئی۔ تم نے مجھے بھی بلا وجہ تکلیف دی۔ انچارہ  
نگران پر آنکھ پڑا۔

"مم۔ میں سمجھا تھا سر۔ وہ ہکلایا۔

"خاک سمجھے تھے تم۔ اور خود میں بھی۔

"گویا عقول پر پتھر پڑ لگئے تھے۔ فاروق کے مزار سے  
نکلا۔

"بکومت۔ کاش۔ مجھے کچھ اختیار دے دیا گیا ہوتا۔  
تو میں اس وقت تم لوگوں کو بتاتا۔"

"بات دراصل ہے جناب کہ اللہ میاں گنجے کو ناخن  
نہیں دیتے۔"

"خیر۔ میں کل بھرے دربار میں شاہ اعظم سے ایک اجازت  
چاہوں گا۔" اس نے جتنا کر کما۔

"اوہ وہ اجازت کیا ہوگی۔"  
یہ کہ چند منٹ کے لیے مجھے تم لوگوں کی پیشی بنانے کی  
اجازت دے دیں۔"

"اوہ اچھا۔ اگر آپ کو یہ اجازت مل جائے تو، میں بھی  
خبر کر دیجیے گا۔" مکحن بولا۔

"کیوں۔ تم کیا کر دے گے؟ اس نے جیزاں ہو کر کما۔

"ہم بھی چینی کھانے کے شوقیں ہیں۔"

"اپنی چینی خود کھاؤ گے۔" اس کے لمحے میں حیرت تھی۔

"اگر آپ کو اعتراض ہے۔ یا یہ بات عجیب لگتی ہے تو

پھر، میں اپنی چینی کھلا دیجیے گا۔" مکھن نے مسکا کر کما۔

"اے۔ کیا بکواس کر رہے ہو۔" اس نے غرا کر کما۔

"ابھی تو آپ بہت دل چپی سے میری بات سن رہے  
تھے۔ اور اب یہ بکواس ہو گئی۔" مکھن نے جیزاں ہو کر کما۔

"تمہاری بات پہلے بھی بکواس تھی اور بعد میں بھی۔ اب  
اس پچونچ کو بند رکھو۔" اس نے جلا کر کما اور جانے کے لیے  
مڑ گیا۔

دوسرے دن انھوں نے جیل کی کوٹھری میں ہی تباہ  
کر کے نماز ادا کی۔ سورج نکلنے سے پہلے، ہی انھیں باہر نکال  
لیا گیا۔ وہی انچارج ان کے سروں پر موجود تھا۔ جس نے  
رات ان سے بات کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی نفرت

کی پنگاریاں دیکھی جا سکتی تھیں۔

"شاہ اعظم کے سامنے پیش ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"اس کے لیے تو ہم رات سے تیار ہیں جناب۔" فاروق  
نے مزار بنایا۔

سُننے میں آیا ہے کہ تم لوگ بہت بہادر ہو۔ اب معلوم ہو گا۔

کیا معلوم ہو گا۔ محمود بولا۔

یہ کہ کتنے پانی میں ہو؟

لیکن ہمارے بارے میں آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

پوری ریاست میں اس وقت تم لوگوں کا پھرچ ہے۔

حرت ہے۔ ہم اتنے مشہور کب سے ہو گے؟

اس پر حرث مجھے بھی ہے، حالانکہ میں اس شخص کا نام جانتا ہوں۔ جس نے تم لوگوں کو شہرت کی بلندی پر پہنچا دیا ہے۔

تب پھر اس میں حرث ہونے کی کیا بات رہ جاتی ہے؟  
آفتاب نے حرث ہو کر کہا۔

ب بات کہ اس سے کیا ضرورت تھی تم لوگوں کو شہرت دینے کی۔

اور وہ کون ذاتِ شریف ہے؟

شادِ عظیم۔ اس نے کہا۔

آپ کا مطلب ہے نقی شادِ عظیم۔ اصنف جلدی سے بلا۔

نہیں۔ وہ آپ کے ساتھ ہے۔ اس نے بھی فرمایا کہ۔

شکریہ۔ وقت بتائے گا کہ نقی کس کے ساتھ ہے۔

”اچا اب چلو۔ وقت ہو گیا ہے۔“

عین اسی وقت انہوں نے بلند آواز میں بگل بخنے کی آواز سنی۔ بگل کی آواز بالکل صاف آ رہی تھی۔ اگرچہ وہ کہیں دور بیج رہا تھا۔

بگل کی آواز کے ساتھ انہوں نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر تیز ہوتے محسوس کیا۔

” ضرور کیوں نہیں؟ انپکٹر کامران مرزا مکارے۔

جوں ہی وہ اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔

انہوں نے دیکھا۔ وہ لوہے کی سلاخوں سے بند ایک پنجرے میں کھڑے تھے۔ زیماں سے پورا میدان صاف نظر آ رہا تھا، تماشائیوں کے لیے سیڑھی نہ جگ بنائی گئی تھی۔ وہ سب ان سیڑھیوں پر بیٹھے تھے۔ بڑی طرح ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ہمچنانچہ اور چلا رہے تھے۔ ان میں سے اکثر اس پنجرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس میں وہ بند تھے۔

اچانک تالیوں کا شور گونجا۔ لوگ آٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا پنچھا اونچھا جگہ پر تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی صاف دیکھا۔ ایک اونچے راستے پر شاہ اعظم چلا آ رہا تھا۔ شوکہ را درز اور انپکٹر کامران مرزا وغیرہ اسے دیکھ پکھے تھے، لیکن انپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزاد وغیرہ پہلی مرتبہ اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں جرت سے پھیل گئیں۔ پھر فرزاد نے بڑھانے کے انداز میں کہا:

” کمال ہے۔ ان دونوں میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ”

” اگر فرق نظر آتا تو میری ریاست کے لوگ اسے کبھی بھی اپنا حکمران تیسم نہ کرتے ” شاہ اعظم

” لگ کریں۔ ایسا تو نہیں کہ آپ ہی نقل ہوں ۔ ” شوکہ

## شکست کا دوسرا نام

” یہ۔ بگل کی آواز کیسی ہے؟ ” شاہ بدھ کھلایا۔

” بگل بجنے کا مطلب یہ ہے کہ شاہ اعظم دربار میں پہنچنے کے لیے چل پڑے ہیں۔ تم لوگوں کو ان کی آمد سے پہلے میدان میں موجود ہونا چاہیے ”

” تو پھر چلو۔ ہمیں کیا اعتراض ہے؟ ” انپکٹر کامران مرزا بولے۔

انھیں ایک بڑی دین میں سوار کیا گیا۔ دس منٹ تک دین چلتی رہی۔ آخر ایک بڑے میدان کے کنارے پہنچی۔

ہزاروں آدمیوں کے سر انھیں دکھائی دیے۔ پھر انھیں ایک بڑے دروازے میں سے گزرا را گیا۔ اور وہی کی سلاخوں والے ایک دروازے تک لایا گیا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ اب انچارج نے کہا:

” اس میں داخل ہو جاؤ ۔ ”

"کیا بات کرتے ہیں؟" انھوں نے گما سامنہ بنایا۔

"گما نہ مانیں۔ ایسے ہی یہ بات یہرے منزے سے نکل گئی۔ دراصل سوراخ رسانی کے اصول ہی کچھ ایسے ہیں کہ ہر ایک کوشک کی نظر سے دیکھنا پڑتا ہے۔"

"ہوں! کوئی بات نہیں۔ آپ لوگ ہی تو اس وقت یہ سمجھی ہیں۔ یہ سب تو دشمن بننے ہوئے ہیں۔"

"جب تک اللہ نہ چاہے۔ کوئی دشمن کسی کا بال بھی بکا نہیں کر سکتا۔"

اچانک تائیوں کا شور تھم گیا۔ مجھے پرستا ٹھا طاری ہو گیا۔ شاہ اعظم اپنی شاہزاد کرسی پر بیٹھو چکا تھا۔ اور دائرے کی صورت میں تمام لوگوں پر نظر دوڑا رہا تھا۔ یہاں تک کہ پنجھرے پر اس کی نظر پہنچ کر ڈک گئی۔

"تو یہ ہیں وہ لوگ۔ جن کے بارے میں اتنا کچھ سن چکا ہوں۔ اور یہ ہے وہ نقلی شاہ اعظم۔"

"غلط۔ باکمل غلط۔ نقلی میں نہیں۔ تم ہو۔"

"اور تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟"

"میں ثبوت نہیں کروں گا۔ پھر مجھے پنجھرے سے لکا لو۔"

"پنجھرے سے تو صرف تم ہی نہیں۔ سبھی نکلیں گے۔"

کھول دو بھئی میدان والا دروازہ۔ اس نے کہا۔

میدان کے چاروں طرف لوگ تھے۔ درمیان میں ایک بہت بڑے دائرے کی صورت میں جگہ خالی تھی۔ اس جگہ بزرگ گھس کی موٹی تر جی تھی۔ گویا میدان بہت خوب صورت تھا۔

دروازہ کھل گیا۔ وہ لوگ باہر نکل کر میدان کے درمیان بھتے کی طرف بڑھنے لگے۔ اب سب ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اگر اجازت ہو تو یہیں کچھ عرض کر سکتا ہوں۔ آقا۔" ایک آواز نے انھیں پونکا دیا۔ وہ اس طرف متوجہ۔ اسی وقت شاہ اعظم کی آواز گوئی:

"باہر نکل کر بات کرو۔"

ایک نوجوان آدمی باہر نکل کر ان سے قدرتے فاصے پر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے دیکھا۔ وہ جیل کا انچارج تھا۔

"اوہ ہو۔ یہ تو وہی انچارج ہے۔ فاروق بڑھا دیا۔"

"ہاں! شاید یہ ہماری چیزی بنانے کے لیے بے چین ہے۔"

"ہاں! کیا بات ہے؟ شاہ اعظم نے کہا۔"

"اس سے پہلے کہ ان لوگوں کو سزا دی جائے۔ یا ان کی سزا کا اعلان کیا جائے۔ میربانی فرمائ کر مجھے ان میں سے کسی ایک سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"وہ کیوں؟" شاہ اعظم نے کہا۔

”اس یہے کہ رات کو ظھری کے اندر انھوں نے کافی بڑھ  
چھڑھ کر باتیں بنائی تھیں۔ میں ان کی باتوں کا جواب ہاتھوں  
سے دینا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”خوب۔ تمہاری بات پسند آئی۔ لیکن اگر تم جواب نہ دے  
سکے۔ تو۔“

”تب پھر جو میرزا آپ میرے لیے تجویز کریں۔ مجھے منظور  
ہو گی۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔ تمہیں اور انھیں اجازت ہے۔ آپس میں  
فیصلہ کر دو۔“

”یکوں بھی۔ تم میں سے کون ہے۔ جو مجھے مقابلہ  
کرنا پسند کرے۔“

”اصف۔ جاؤ۔ اس سے دو دو ہاتھ کرو۔“ انپکٹر کامران  
مرزانے فوراً کہا۔

”بہت بہتر انکل۔“

”ابا جان۔ آپ نے مجھے اجازت کیوں نہیں دی۔ کیا آپ  
مجھ سے اصفت کی نسبت زیادہ محبت کرتے ہیں؟“ افتاق نے  
شکایت کیمپر لجھے میں کہا۔

”یہ بات نہیں۔ اس مقابلے کے لیے میں اصفت کو ہی  
بہتر خیال کرتا ہوں۔“

”نکر کریں انکل۔ میں آپ کی امیدوں پر پورا آتزوں گا۔“

”شکریہ آصف۔“

آصف ان کے درمیان سے بکل کر انچارج کے سامنے کھڑا  
ہو گیا۔ وہ اس کے مقابلے میں بالکل بچپنگ رہا تھا۔ کیوں کہ  
انچارج کافی مبا چوڑا نوجوان تھا۔ جمع ہنسنے لگا۔

”بھی اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ آصف نے منہ بنایا۔  
”یہ کیا۔ میرے مقابلے میں ایک بچے کو بیٹھ دیا۔ بڑوں  
میں سے کوئی آتا۔“ انچارج نے طنزی بھے میں کہا۔

”اگر تم نے اسے شکست دے دی تو پھر بڑوں میں سے  
کوئی آجائے گا۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”سمجا۔ اس طرح تمہارا پروگرام مجھے تھکا دینے کا ہے۔“

”اگر تمہیں یہ خطرہ ہے تو ہم اس بچے کی ہاد کو اپنی سب  
کی ہاد خیال کر لیں گے اور پھر تم ہمارے ساتھ جو چاہو۔  
سلوک کر سکتے ہو۔“

”کیا مطلب ہے؟“

”مطلب یہ کہ ہم ہاتھ بالدھ کر تمہارے سامنے کھڑے ہو  
جائیں گے۔ تم شوق سے ہماری چٹپتی بناتے رہنا۔“ فاروقی بولا۔

”کیا واقعی؟“ اس نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں! بالکل۔“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"بہت خوب۔ اس صورت میں مجھے اس سے مقابلہ منظور ہے، یکوں کہ اب مجھے تھکنے کا کوئی ڈر نہیں رہا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ آگے بڑھو۔" آصف نے پُر سکون انداز میں کہا۔

انچارج نے پہلے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ نزدیک آتے ہی ہاتھ لہرا کر بولا:

"لو۔ مجھ سے ہاتھ ملاو۔ اس طرح اندازہ ہو جائے گا کہ مقابلے کا فیصلہ کس کے حق میں ہونا ہے۔"

"ہوں! بہتر۔ آصف نے کہا اور اپنا دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔ دونوں نے ہاتھ ملایا۔ انچارج نے اس کا ہاتھ ربانے کی کوشش کی اور آصف نے اس کا۔ دونوں پورا زور لگاتے رہے، آخر انچارج نے ہاتھ چھوڑ دیا اور بولا:

"ٹھیک ہے۔ میرے مقابلے میں کسی کمزور فرد کو نہیں بھیجا گیا۔"

"گویا اب تم مطمئن ہو۔ تو پھر حملہ کرو۔"

"فرود۔ یکوں نہیں۔" یہ کہتے ہی اس نے اپنی دائیں ٹانگ گھما دی۔

آصف اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کو تو امید تھی کہ وہ ہاتھوں سے حملہ کرے گا۔ نیتھر یہ نکلا کہ وہ دھڑام

سے گرا۔

پورا میدان تالیوں سے گونج آٹھا۔ انپکٹر کامران مرزا چلا آئے:

"آصف۔ ہوشیاری سے۔"

"فکر نہ کریں انکل۔" اس نے فوری طور پر آٹھتے ہوئے کہ ادھر انچارج کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار دوڑ گئے۔

"یکوں بھئی۔ تم خوف زدہ ہو گئے۔" شاہ اعظم کی آواز اُبھری۔

"جی نہیں تو۔ ہاں میں اس کی پھرتی پر حیرت زدہ ضرور ہوں۔ مجھے امید نہیں کہ یہ اتنی تیزی سے آٹھتے گا۔" "خیر۔ اس مقابلے کو جلد ختم کرو۔ ہمیں ابھی دوسرے معاملات بھی نہیں ہیں۔"

"ابھی یہیجے آقا۔" اس نے قدرے چھک کر کہا۔

اور پھر آصف کی طرف پڑا۔ اب آصف پھر اس کے سامنے تھا۔ اس نے اس بار دایاں ہاتھ گھایا۔ آصف نیچے بیٹھ گیا۔ ہاتھ اس کے سر پر سے گزد گیا۔ فوراً ہی آصف آٹھ گیا۔ اس نے بھی دیر نہیں لگائی۔ فوراً ہی بایاں ہاتھ گھایا۔ وہ پھر اسی تیزی سے بیٹھ گیا۔ اس کا ہاتھ پھر سر

پر سے گزد گیا۔

"کی کر رہے ہو بھئی" مجھے میں سے کسی نے بے چین ہو کر کہا۔

"بے چارہ بھی کیا کرے۔ اسے کسی کم پھر تینے روکے سے واسطہ تو نہیں پڑتا۔ شاہ اعظم مسکرا یا۔ اب اس کی آنکھوں میں دل چپی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

"اگل۔ کیا مطلب آقا۔ آپ نے یکے اندازہ لگایا کہ یہ بہت پھر تیلا روکا ہے۔ کئی آوازیں اُبھریں۔

"میں تو اُڑتی چڑیا کے پر گن یتا ہوں" ادھر آصف اور انچارج ایک بار پھر پرتوں پکے تھے، لیکن اب انچارج کے پھرے پر قدرے خوف چھا چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ آنکھوں میں غصہ بڑھ گیا تھا۔

اچانک وہ آصف پر چھٹا اور اسے اپنے بازوں میں جکڑا۔ اب وہ بازوں پر خوب زور لگا رہا تھا۔ اور آصف کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی پسلیاں اب ٹوٹیں کر اب ٹوٹیں۔ لیکن جلد ہی اس نے اپنی دائیں کہنی اس کی پسلیوں میں پورے زور سے دے ماری۔ وہ بلبلہ آٹھا اور اس کے ہاتھ اگل ہو گئے۔ آصف نے ایک چکر کاٹا اور پھر اس کے سامنے تھا۔

مقابلہ دیکھنے والے دونوں فریقوں کا حال گرا تھا۔  
بے چینی بہت بڑھ گئی تھی۔

"آصف۔ تم بھی وار کرو۔" اپکٹر کامران مرزا نے دل اواز میں کہا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پہنچے ہے اپنے دل کے ارمان نکال لے۔" آصف بولا۔

"نہیں۔ دشمن کو موقع دینا مناسب نہیں۔ تھیس بھی حمد کرنے کا پورا پورا حق ہے۔ وہ بولے۔

"یہ بات صحیح ہے۔ شاہ اعظم مسکرا یا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر یہ ہیں۔

اتنا کہ کہ آصف تیزی سے گھوما اور پھر بلڈ کی رفتار سے انچارج کی طرف دوڑا۔ لیکن وہ اس کے بالکل سامنے کی طرف نہیں دوڑ رہا تھا۔ گویا اس کے نزدیک سے نکل جانے کا ارادہ تھا اور اس نے کیا بھی بھی، لیکن نزدیک سے گزرتے وقت اس نے دائیں ہاتھ کا ایک نہ بردست مکا اس کی ٹھوڑی پر جڑ دیا۔ کچھ تو مکا نہ بردست تھا۔ کچھ اس کے دوڑ نے کی وجہ سے ملکے میں زور پیدا ہو گیا تھا۔ نتیجہ پر کہ انچارج بُری طرح روکھڑا یا اور پھر اپنی ٹھوڑی پکڑ کر بیٹھا چلا گیا۔ آصف نور آر کا اور پلٹ کر دوڑا۔ اس بار اس کا ایک

پیر انچارج کی کمر پر لگا۔ وہ اوندھے منزیل پڑ گیا۔ آفٹ  
نے اسی پر بس نہیں کی۔ اچھل کر اس کی کمر پر گرا۔  
اور پھر تین چار مرتبہ اچھلا۔ انچارج اب بُری طرح بدل رہا  
تھا۔ اور پھر اس کے ہاتھ پیر ڈیسے پڑ گئے۔ آفٹ اس  
کے پاس سے ہٹ کیا اور چند سینٹ تک اس کی طرف دیکھتے  
رہنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف مُرد گیا۔

” یہ۔ تو ختم ہوا مقابلہ۔ اب آگے چلیے ” انپکٹر کامران مژا  
مُسکرا کر بولے۔

” اب تم ثبوت پیش کرو گے کہ تمہارے ساتھ اصلی شاہ  
اعظم ہے۔ اگر ثابت ذکر کے تو تم سب کو خداری کی سزا  
سُنا جائے گی اور سزا اسی میدان میں دی جائے گی۔ اس نے  
بلند آواز میں اعلان کیا۔ اعلان سننی خیز تھا۔ گھر ساتھا طاری ہو  
گیا۔ سب لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ انچارج بُری مشکل سے  
آٹھا اور ڈگنگاتا ہوا مجھے کی طرف بڑھنے لگا۔ عین اسی وقت  
ایک فائر ہوا۔ اور انچارج کا لاش تڑپنے لگا۔ انہوں نے دیکھا،  
شاہ اعظم کے ہاتھ میں پستول تھا۔ گویا انچارج کو گولی اس نے  
ماری تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انچارج کا جسم ساکت ہو گیا۔

” یہی ہے اصلی شاہ اعظم کی پہچان۔ ” شاہ اعظم کے دامیں ہاتھ  
والی گرسی پر بیٹھا نوجوان چلایا۔

” ہاں بُشکست کھانے والے ساتھیوں کو یہ برداشت نہیں کرتے۔  
باہمیں طرف سے ایک درباری نے کہا۔

” یہ دونوں کون ہیں؟ ” انپکٹر جمیش نے سرگوشی کی۔

” میرے شیر۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ بھی اس  
کے ساتھ مل گئے ہیں۔ ”  
” خیر۔ دیکھا جائے گا۔ ”

” ہاں تو اسٹر نقلی شاہ اعظم۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ  
تم اصلی ہو۔ اس کی آواز گو نجی چاروں طرف ہائک اور سپیکر  
لگ کر ہوئے تھے۔ ”

ان کے ساتھی شاہ اعظم ان کے پاس سے ہٹ کر میدان  
میں اور آگے بڑھ گئے اور بلند آواز میں بولے۔  
” یہ بات ثابت کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ”  
” ٹھیک ہے۔ تمہیں جائز ہے۔ ثابت کرو۔ ” تخت وائے  
شاہ اعظم نے کہا۔

” اگر میں نے ثابت کر دیا تو پھر جانتے ہو۔ ” تمہاری  
سزا موت ہو گی۔ ”

” اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن تم بھی ٹھنڈے ہو۔ اگر تم ثابت  
کر سکے تو پھر خود تمہیں موت کا جام پینا ہو گا۔ ”  
” میں اس کے لیے تیار ہوں۔ ” وہ بولے۔

"پھر دیر کا ہے کی؟"

"اس ریاست کا حکمران۔ جانتے ہو۔ کون ہو سکتا ہے؟"  
کیوں نہیں جانتا۔ آخر میں یہاں کا حکمران ہوں۔ یہاں  
کا حکمران بے شک ہمارے خاندان کا ہوتا ہے، لیکن اس کے  
لئے ضروری ہے کہ وہ پوری ریاست کے لوگوں میں سے سب  
سے زیادہ طاقت در ہو۔ یہ اور بات ہے کہ ریاست کے لوگ  
مقابلے میں نہیں آتے۔"

"باکلیٹھیک کہا۔ میں بھی یہی کہوں گا۔ حکمران بلاشبہ ہمارے  
خاندان کا ہی ہوتا ہے اور اسے خاص تربیت دیے کہ بہت  
طاقت ور بنا یا جاتا ہے۔ اگر میں اس ریاست کا حکمران ہوں تو  
میں سب سے زیادہ طاقت در ہوں۔ اور اگر تم حکمران ہو تو تم  
سب سے زیادہ طاقت در ہو۔ اس لیے "وہ کہتے کہتے روک گئے۔

"اس لیے کیا۔ تخت پر بیٹھے شاہ اعظم نے کہا۔

"اس لیے آؤ۔ ہم دونوں مقابلہ کر لیں۔"

"اوہ!" وہ چونکا۔

"کیوں۔ تم کس بات پر جیران ہو؟"  
میرا خیال تھا کہ تم میک آپ وغیرہ ثابت کرو گے، لیکن تم  
نے تو ایک باکلی ہی مختلف طریقہ اختیار کیا ہے۔  
تو کیا تمہیں میری تجویز پسند نہیں؟" وہ بولے۔

"یہ بات نہیں۔ تجویز تو بہت پسند آتی ہے۔"

"تو پھر بکل آؤ میدان میں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔ تخت دائے  
شاہ اعظم نے کہا۔

"کیا ہے وہ بولے۔

"مقابلہ اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ ہم  
میں سے ایک جان سے نہ مارا جائے۔"

"تم بے شک مجھے مار دالا، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں  
نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں۔ وجہ؟"

"وجہ پھر بتاؤں گا۔"

"تیر۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس نے کہدی  
اچکائے۔ اور آٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا آقا۔ آپ اس کی باتوں پر اس قدر توجہ کیوں دے  
رہے ہیں۔"

"میں نظام نہیں ہوں۔ انصاف پسند ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن یہ شخص ہمارا تیدی ہے۔ اور آپ کو اس سے مقابلہ  
کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر مقابلہ کرنا ہی ہے تو ہم  
میں سے کوئی کر لے گا۔"

روبو ہوا میں اچھلا۔ اس کے دونوں پیران کے سینے کے  
پشت تیر کی طرح آتے نظر آئے۔ انہوں نے ذرا سی کہنی کاٹی۔  
وہ کمر کے بل نیچے کی طرف چلا۔ لیکن اس سے پہلے ہی انہوں  
نے ایک پاؤں پر اسے اچھال دیا۔ وہ کافی اوپھا اچھلا اور  
وصب سے گرا۔ اور بس گرنے کے بعد پھر اس نے حرکت  
نمیں کی۔

”سیا ہوا بھی۔ آٹھو“ نقلی شاہ اعظم نے حیرت زدہ انداز  
میں کہا۔

”اب یہ نہیں آٹھ سکے گا۔ پہلے چارے کی ریڑھ کی ہڈی  
ٹوٹ گئی ہے۔“

”اوہ“ ہزاروں کے منہ سے نکلا۔

”مستر آقا۔ بہتر ہو گا کہ آپ ہی آ جائیں۔ اب شاید  
کسی میں اپنی ریڑھ کی ہڈی تڑپوانے کا خود نہیں رہ گیا ہو گا۔“  
”یہ فلطف ہے۔ ہم اپنے آقا پر جان دینے کے لیے ہر  
وقت تیار ہیں۔“ دوسرے نے چلا کر کہا۔

”نہیں مابے۔ تم جوش میں نہ گاؤ۔ اس سے مجھے ہی مقابلہ  
کرنے دو۔ ابھی سچ اور جھوٹ کا تظارہ ہو جائے گا۔“ نقلی  
شاہ اعظم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ضرور۔ یکوں نہیں۔ میں تو بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔“

”تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ غور کر د۔ اسے اپنی  
طاقت پر کتنا بھروسہ ہے؟“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”غلط۔ بالکل غلط۔ مجھے اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں۔ اپنے  
اللہ پر بھروسہ ہے۔“

”خیر خیر۔ یوں ہی سہی۔“ اس نے کہا۔

”پھر بھی۔ آپ ہم میں سے کسی کو موقع تو دیں۔ آخر  
آپ کے غلام کس دن کام آئیں گے؟“

”اچھی بات ہے۔ جاؤ روبو۔ اپنے حوصلے نکال لو۔“ نقلی  
شاہ اعظم نے تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”شکری آقا۔ اب آئے گا مزا۔“

”ہاں لا مزا تو خیر آنا چاہیے۔“ فاروق بڑھایا۔ پھر وہ  
روبو کی طرف دیکھنے لگا جو آٹھ کر میدان میں بڑھ رہا تھا۔  
اس کا جسم بہت گھٹا ہوا تھا۔ اور حد درجے چوت دچالاک  
نظر آ رہا تھا۔

آخر وہ ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ چند یکنڈ تک  
دونوں ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ آخر روپ نے کہا:

”میں حمد کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر پہلے تم حمد کرنا  
چاہتے ہو تو مجھی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”پہلے تم ہی کر لو۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔

”ٹھیک ہے۔ میں مقابلے کے لیے تیار ہوں اور آپ کو  
ملے کی اجازت دیا ہوں۔“

”تمہیں بھی اجازت ہے۔“ اس نے کہا۔

”یہ بات کچھ بچھی نہیں جناب۔“ ایسے میں محمود بول اٹھا۔

”کون سی بات؟“ نقلی نے چونک کر کہا۔

”یہ کہ آپ کل بجائے آپ کے ایک ساتھ نے دل کی بھڑاس  
لکال لی، لیکن ہمیں یہ اجازت نہیں دی گئی۔“

”گویا۔ ان سے پہلے۔ تم میں سے کوئی مجھ سے مقابلہ  
کرنا چاہتا ہے۔“ نقلی نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں؟ محمود بولا۔“

”مجھے۔ کوئی ضرورت نہیں۔“ اس نے کندھے اچھائے۔

”لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟“ شاہ اعظم بلدی سے بولے  
اور محمود کو گھور کر دیکھا۔

”ہم بھی اپنے دل کی بھڑاس لکالنا چاہتے ہیں۔“

”جب کہ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ شاہ اعظم  
نے کہا۔

”دے دونا بھی۔“ نقلی نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

”نہیں؟“

”آخر کیا حرج ہے؟“ منور علی خان نے بلند آواز میں کہا۔

”وہ بولے۔“

جوں ہی نقلی شاہ اعظم اٹھا۔ سب لوگوں نے پُر جوش انداز  
میں تالیاں بچانا شروع کر دیں۔ اور جب تک وہ ان کے  
باہلک سامنے اگر نہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت تک تالیاں نہ  
رکیں۔ آخر سکوت طاری ہو گیا۔

دونوں چند سینڈ تک ایک دوسرے کو گھورتے رہے، پھر  
نقلی نے اصلی سے کہا:

”ہمیں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ اصلی کون ہے۔ اور نقلی کون؟“

”ہاں! پہی بات ہے۔“ وہ بولے۔

”ہم میں سے جو نار گیا۔ وہ نقلی ہو جائے۔ چاہے وہ اصلی  
ہی کیوں نہ ہو۔“

”باہلک ٹھیک۔“

”اس مقابلے کے تین راؤنڈ ہوں گے۔“ نقلی نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونک کر بولے۔

”تین راؤنڈ۔ یعنی پہلا مقابلہ صرف ہاتھوں سے ہو گا۔ اگر  
ہم میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو خنجروں کی باری آئے گی اور  
خنجروں کے ذریعے بھی فیصلہ نہ ہو سکا تو پھر ہم پستول اٹھائیں  
گے۔ اور ایک دوسرے کو بھرے میدان میں نشانہ بنانے کی  
کوشش کریں گے۔“

”آپ لوگ نہیں جانتے۔ کہ کیا حرج ہے؟“ شاہ عظیم نے کہا۔

”میں بھی ان کی تائید کرتا ہوں۔ انہیں اجازت ہونی چاہیے۔“ خان رحمان بولے۔

”آٹ۔ آپ سب لوگ میرے پیچے کیوں پڑ گئے۔ خیر۔ اُز محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔“ محمود فوراً آگے بڑھا۔

”اس بچے سے میرا مقابلہ کراؤ گے۔ یہ میری بے عنقی ہے۔“ اس نے جتنا کر کہا۔

”تب پھر آپ اس ریاست کے کسی بچے یا بڑے سے مجھے روکر دیکھ لیں۔ اگر میں اس قابل نظر آؤں کہ آپ مقابلہ کرنے میں کوئی براہی نہ سمجھیں تو صحیک ہے۔ ورنہ نہیں۔“

”ہاں! یہ بات صحیک ہے گی۔ لیکن نہیں۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔“ اس نے فوراً ہی اپنی رائے بدل دی۔

”کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوتی جناب؟“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”هم لوگ پہلے ہی اس قسم کا ایک مقابلہ دیکھ چکے ہیں۔“ ”تو ایک اور سی۔“ محمود بولا۔

”اچھا! اگر تم زیادہ ہی بے چین ہو تو ہو جائے مقابلہ۔“

لیکن گانی فاس۔ شکست نہ کھا جانا۔ کیوں شکست کا دوسرا نام الموت ہے۔ یہاں تک کہ میری شکست کا دوسرا نام بھی میری شکست ہے۔“

”نہیں جناب۔ آپ کی شکست کا نام آپ کی موت نہیں ہو گا، ہم یہ فیصلہ پہلے ہی دے چکے ہیں۔“ محمود نے جلدی سے کہا۔

”میں تو یہی فیصلہ دے پچھا ہوں نا۔“

”ہاں! یہ صحیک ہے۔“ محمود بولا۔

”آپ نکر د کریں۔ یا یہ زندہ رہے گا یا میں۔“ گانی فاس بولا۔

”صحیک ہے۔“

یہ کہ کر نقلی تخت کی طرف لوٹ گیا۔ اور جب وہ بیٹھ گی تو گانی فاس محمود کے بالکل سامنے آکھڑا ہوا۔

”لڑکے! میں تم پر وار نہیں کروں گا۔ تم پر وار کرنا میری توہین ہے۔ لہذا تم وار کرو۔ میں صرف وار بچاتا رہوں گا، یہاں تک کہ تم وار کرتے کرتے بے دم ہو جاؤ گے۔“ اور جب تم میں ہلنے سخنے کی سکت نہیں رہ جائے گی۔ اس وقت میں اتنا کروں گا کہ دونوں ہاتھوں سے تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“

"اچھا!" محمود بولا۔ اور پھر اس نے گویا ہوا میں آڑتے ہوئے اس کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس کا سر اس کے سینے سے ٹکرایا، اسے بچنے کی مہلت تک نہ مل سکی۔ چاروں شانے بالکل چست گرا۔ اور ایسا گرا کہ اٹھنا نہ سکا۔ پلن بر کے لیے اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں اور پھر بند ہو گئیں۔ محمود ہاتھ جھاؤ لگا۔

"مٹھو گائی فاس۔ یہ کیا۔" نقل نے بتا کر کہا۔

لیکن گائی ناس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ پورا مجمع بُتوں کی طرح ساکت ہو گیا۔ خود نقلی شاہ اعظم کا رنگ بھی آڑ گی۔

## ٹریکر دبادو

کہتے ہی لمحے گزد گئے۔ آخر محمود نے بند آواز میں کہا:

"مڑ نقلی آقا۔ اب یہ نہیں آئے گا۔ اپنے آدمیوں سے کہیے۔ آکر اسے آٹھا لے جائیں۔"

"وہ بعد میں آئیں گے آٹھانے کے لیے۔ پہنچے میری گولی اس کی کھوپڑی میں آڑتے گی۔" اس نے گرج دار آواز میں کہا۔ ساتھ ہی ایک بار پھر اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ ایک فائر ہوا اور گائی ناس تڑپنے لگا۔ اس کے بعد چار آدمی اسے گھسٹ لے گئے۔

"میدان اب خون آکو د ہو گیا ہے۔ یہاں اور خون بھے گا۔" ایک بوڑھی آواز نے سارے مجھے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انہوں نے بھی اس طرف دیکھا۔

"وہ ایک سفید بالوں والا بہت ہی بوڑھا آدمی تھا۔ اور مجھے میں سے بولا تھا۔"

" یہ بوب ہے۔ ریاست کا سب سے بوڑھا آدمی۔ میرے باپ کا وزیر رہ چکا ہے؟" شاہ اعظم نے دبی آواز میں بتایا۔  
 " ہاں! ہو چکا ہے زنگین۔ اور بھی ہو گا تو کیا ہے۔ مجھے میں سے کوئی نہ بولے۔" نقلی شاہ اعظم نے بلند آواز میں کہا۔  
 یک لخت موت کا سانٹا ٹاری ہو گیا۔ اور پھر وہ اٹھا۔ میدان کی طرف آتے ہوئے اس نے پرسکون آواز میں کہا:  
 " میں اپنے دوسرا تھی گنوا چکا ہوں۔ تیسرے کو گنوانے کی حماقت نہیں کروں گا۔"

" گویا اب خود کو گنواؤ گے" شاہ اعظم نے سکرا کر کہا۔  
 " اس کا فصلہ یہ میدان کرے گا۔" وہ بولے۔  
 ایک بار پھر دونوں آئنے سامنے کھڑے تھے۔ چند یکنہ ملک وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر نقلی نے کہا:  
 " کیا خیال ہے۔ ہم میں سے کون نقلی ہے؟"  
 " اس کا فصلہ کرنے کے لیے یہ مقابلہ ہو رہا ہے۔" اصلی نے کہا۔

" مقابلے سے پہلے میں تمہاری زبان سے بھی سنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔  
 " تو من لو۔ میرا دعویٰ ہے کہ تم اصلی شاہ اعظم نہیں ہو۔" اصلی نے کہا۔

" تم اپنے بارے میں کیا کہتے ہو؟"  
 " میں۔ ظاہر ہے۔ میں اپنے بارے میں کیا کہوں گا۔"  
 " وہ بولے۔  
 " جو ظاہر ہے۔ وہی زبان سے کہو۔"  
 " کر تو چکا ہوں۔"  
 " میرا مطلب ہے۔ الفاظ میں ادا کرو۔"  
 " پتا نہیں۔ تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو؟" انھوں نے منہ بنایا۔  
 " نیز۔ میں سمجھ گیا۔ تم زبان سے اقرار نہیں کرو گے۔"  
 " اس نے مسکرا کر کہا۔  
 " کیا مطلب۔ میں کیا اقرار نہیں کروں گا۔"  
 " یہ کہ تم اصلی شاہ اعظم ہو۔"  
 " سمجھ میں نہیں آیا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔  
 " آئے گا بھی نہیں۔ خیر آؤ۔ پہلے مقابلہ ہو جائے۔"  
 " اس نے کندھ سے اچکاتے۔  
 " ضرور۔ میں تیار ہوں۔"  
 " کہا خیال ہے۔ پہلے میں وار کروں۔" نقلی شاہ اعظم نے کہا۔

کے پریوں کے پاس گرا۔ ایک بار پھر موت کا سکوت چا  
لیا۔

ہمت ہے تو اٹھو۔ اور پھر مجھ سے ناقہ ملاز۔ اصلی نے کہا  
لیکن نقل نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تاہم یہی  
لیے بولا:

”تم بحیت گئے دوست۔ لیکن میرا خیال درست تھا۔“

”کیا مطلب۔ تمہارا خیال درست تھا۔ کون سا خیال۔“  
وہ بولے۔

”میں شاہِ اعظم نہیں ہوں، لیکن تم بھی شاہِ اعظم نہیں ہو۔“  
”لیکا؟“ پورا مجمع چلا آٹھا۔

”مجھے میں سے کوئی حرکت نہ کرے۔ پوری ریاست کے  
عوام پر اس وقت موت کیبل رہی ہے۔“ نقلی نے ترجیح دار  
آواز میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ مجمع چلا آٹھا۔

”تم سب لوگ یہی ناخ صادمیوں کی ناخ ص زد میں ہو۔“  
حرکت کی نہیں اور جسم چلنی ہوئے نہیں:

”لیکن۔ اگر۔ یہ بھی اصلی شاہِ اعظم نہیں ہے اور تم بھی  
نہیں ہو۔ تو پھر اصلی شاہِ اعظم کہاں ہیں؟“ بڑھے باب کی  
آواز گونج آٹھی۔

”ہاں،“ اس سوال کا جواب یہی صاحب دیں گے۔ جو میرے  
سر پر کھڑے ہیں۔ ویسے میں نے آج بہت شان دار  
مقابلہ لڑا ہے۔ برابر کی چھٹ اسے کھتے ہیں اور جب تک  
چھٹ برابر کی نہ ہو۔ مقابلے کا مزا نہیں آتا۔“

”لیکن آپ تو ہار گئے ہیں۔“

”نہیں بھتی۔ ابھی انپکڑ جمیش نے دس تک نہیں گنا۔“  
اصلی طور پر انھیں بھی دس تک گنا ہو گا۔  
”انپکڑ جمیش۔“ کئی آوازیں اُبھریں۔

”ہاں،“ یہ شاہِ اعظم کے روپ میں انپکڑ جمیش ہیں اور  
یہ روپ انھوں نے شاید رات کے وقت جیل کی کوٹھری میں  
بدلا ہے۔“

”ہاں مشری مون۔ آپ شیخ کہتے ہیں۔“  
”لیکا؟“ محمود، خاروق اور فرزاد بلند آواز میں چلا آٹھے، لیکن  
ان سے بھی زیادہ بلند آواز انپکڑ کامران مرزا کی تھی۔



پورا مجمع ایک بہت بن گیا۔ صرف سائنسوں کی آواز سنائی  
دئے رہی تھی۔ یا پھر پھٹی پھٹی آنکھیں انپکڑ جمیش اور سی مون پر

جمی تھیں۔ ایسے میں محمود کے منزے نکلا:

”اُن ماںک۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”انپکٹر جمیش۔ آپ دس تک گئیں گے یا میں خود ہی اُنہوں جاؤں؟“ سی موں نے مسکرا کر کہا۔

”اگر آپ میں آٹھنے کی ہمت ہے تو پھر دس تک گئنے کی بھی کیا ضرورت ہے؟“ انپکٹر جمیش نے بھی خوش گوار بجھے میں کہا۔

”ہاں کیوں نہیں؟“ اس نے کہا اور یک دم کھڑا ہو گیا، پھر بولا:

”یکن میں چران ہوں۔ میرے دار کے بعد آپ کس طرح

آٹھ بیٹھے۔ آپ کا تو جوڑ جوڑ الگ محسوس ہونا چاہیے تھا۔“

”میں اس دوران مسلسل مشن کرتا رہا ہوں۔ اور ایک حد تک تھارے دار سے محفوظ رہ سکتا ہوں۔ کیوں کہ میں جانتا تھا۔ تم سے جلد از جلد ملاقات ہو گی۔“

”بہت خوب۔ اب کیا پروگرام ہے؟“ سی موں بولا۔

”پروگرام بخلاف میں کس طرح بتا سکتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ پروگرام میں بتاؤں گا۔ اصل شاہ اعظم شاید آپ کے میک آپ میں ہیں؟“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”مرٹر شاہ اعظم آپ آگے آ جائیں۔ اپنا میک آپ آتا رہیں؟“  
شاہ اعظم نے سوالیہ انداز میں انپکٹر جمیش کی طرف دیکھا:  
”ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کریں۔“ وہ بولے۔

ان کے آگے آنے اور میک آپ آتا رہنے کے بعد سی موں  
نے بلند آواز میں کہا:

”ریاست کے باشندو۔ یہ رہے تمہارے شاہ اعظم۔ یہ سب  
درactual ایک ڈرامہ تھا۔ جو ہم کھیل رہے تھے۔ امید ہے  
کہ تم سب کو یہ ڈرامہ پسند کیا ہو گا۔ اب تم لوگ اپنے  
گھروں کو جا سکتے ہو۔ اپنے کاروبار کرو۔ خوش رہو۔“

”ڈرامہ۔ ڈرامہ۔“ ہزاروں آوازیں گونجیں۔

”ہاں! ڈرامہ۔ یہ جاننا چاہتے تھے کہ تم لوگ کس حد  
تک اپنے شاہ اعظم کو پہچانتے ہو۔“

”اوہ۔ اوہ۔“ وہ چران رہ گئے۔

”ٹھیک ہے شاہ اعظم۔ ان سب کو جانے کے لیے کہ  
دیں۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”جاوہ۔ اپنا اپنا کام کرو۔ الجھن میں پڑنے کی ضرورت  
نہیں۔“

اور لوگ آٹھ آٹھ کر جانے لگے۔ جب میدان صاف ہو  
گی تو شین گنوں والے لوگ ان کے گرد کھڑے نظر آئے۔

"اب ہم محل کے اندر چلیں گے۔"

"اور تم ہمیں یہ بتاؤ گے کہ یہ سب چکر کیا ہے۔"  
نہیں خیر۔ چکر تو یہ نہیں بتا سکتا۔ چکر تو راز میں  
رہے گا۔ ہاں کچھ ضروری باتیں ضرور بتا سکوں گا۔"

"خیر۔ یوں ہی سمجھی۔" انپکٹر جہشید نے کندھے اچھائے۔  
شین گنوں کے لگھرے میں وہ محل میں داخل ہوئے۔  
اور پھر شاہِ اعظم کے خاص کمرے میں وہ آکر بیٹھ گئے۔  
کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

"اس وقت پورا محل میرے آدمیوں کے قبضے میں ہے،  
شاہِ اعظم کی فوج کو پہلے ہی قبضے میں کر لیا گیا ہے اور  
پولیس بھی کوٹھریوں میں بند پڑی ہے، لیکن ان باتوں کا  
کسی کو علم نہیں، کیوں کہ ان کی جگہ میرے آدمی لے پکے  
ہیں۔"

"اوہ! ان کے منزے سے نکلا۔"

"رہ گئے سادہ بوج عوام۔ ان کا کیا ہے۔ چند فارڈ کر  
دو۔ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اصل خطرہ مجھے آپ لوگوں کی  
طرف سے تھا۔ سو آپ بھی یہاں آگئے۔"

"لیکن اس ریاست پر قبضہ کرنے کی ضرورت کیا تھی  
مژہ سی موں؟" انپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ شاید انپکٹر کامران مرزا ہیں۔"

"ہاں! وہ بولے۔"

"اور ہم آفتاب، آصف اور فرحت ہیں۔" آصف نے کہا۔

"ہوں۔ لیکن۔ یہ لوگ کون ہیں۔ ذرا ان کا تعارف بھی

ہو جائے۔" اس نے باقی لوگوں کی طرف دیکھا۔

"یہ میرے دوست منور علی خان ہیں۔ اور یہ خان رحمان  
ہیں۔ ادھر پر فیسر داؤد ہیں۔ یہ اکرام اور شاہد ہیں۔ ہمارے  
اسٹٹوٹ۔" یہاں تک کہ کر انپکٹر جہشید غاموش ہو گئے۔

"اور یہ۔ یہ تو وہی ہیں جنہیں میں چھولداری تک لے گی  
تحا۔"

"ہاں! یہ شوکی برادرز ہیں۔ بڑے بھائی کا نام شوکی ہے،  
اس لیے یہ شوکی برادرز کہلاتے ہیں۔"

"لیکن آپ لوگوں کے ساتھ کیوں نظر آ رہے ہیں۔ آپ سے  
ان کا کیا تعلق؟"

"ان کا تعلق بھی ٹرائغ رسالی سے ہے۔"

"اوہ ہو اچھا۔ وہ کیسے؟" سی ٹوون کے لمحے میں حیرت تھی۔

"یہ دراصل پرائیویٹ جاسوس ہیں، لیکن مُلک اور قوم کے  
کام آنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔"  
"میں سمجھ گی۔ اس معاملے میں یہ آپ لوگوں بیسے جذبات

”میں یہ بات بھی نہیں بتا سکتا۔“

”تب پھر۔ آپ ہی ہمیں بتا دیں۔ ہم آپ سے کیا پوچھیں رہے گئے؟“ اس نے کرنل فارانی کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں بھی۔ یہ تمہارا شعبہ ہے۔ تم ہی سوال کرو۔“

”کیا غاک سوال کریں۔ آپ بتاتے ہی نہیں کچھ۔“

”ایک سوال میں بھی کر سکتا ہوں۔“ شوکی نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”ہاں؟ کیوں نہیں؟“

”مڑا برالٹا ایک کھائی میں کو دیکھتے تھے۔ انہوں نے سب تھا کہ اس کھائی سے ایک راتنا ریاست کے اندھا آتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟“

”ہاں؟ یہ صحیح ہے۔“ اس نے کہا۔

”مشکر ہے۔ آپ نے کسی بات کا تو جواب دیا۔“

”خوش ہو کر کہا۔“

”لیکن یہ جواب ہمارے کسی کام کا نہیں۔“ آصہ

”یہ بعد کی بات ہے۔“ شوکی نے کہا۔

”درخت کی کھوہ سے محل تک آنے والے را۔“ اس نے کو کیسے پتا چلا؟“

”ہاں؟ ایسی باتوں کی طرف میں پھٹے توجہ دیا۔ لیف انسان کی

رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ اب یہ صاحب رہے گے؟“ اس نے کرنل فارانی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ کرنل فارانی ہیں۔“ شوکی برادرز کے انکل۔

”ہمتوں۔“ تو ہو گیا تعارف۔ اب ذرا یہ بھی بتا دیں کہ آپ دوگ کسی چکر میں ہیں؟“

”یہ بھی ایک، ہی کہی۔“ چکر میں تو آپ نے خود ہمیں ڈالا ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”اور تم فاروق ہو۔ کیوں صحیح ہے نا۔“

”نج۔ جی ہاں؟“ اس نے شرم کر کہا۔

”کم اذکم ایک بات بتا دیں مشری مون۔“ انپکٹر جمیش نے آجھن کے حالم میں کہا۔

”چیلے پورچیے۔ ایک آدم بات تو یہ بتا، ہی دوں گا۔“

”کرنل شوکت حالم کو کس لیے انگوکیا گیا ہے؟“

”افنوں! میں یہ بات نہیں بتا سکتا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”اہد یہی بات جانتے کے لیے ہم بُری طرح بے چین ہیں۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”چیلے نیز۔ یہ بتا دیں۔“ اس ریاست پر قبضہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

"بات دراصل یہ ہے مistrی مون کہ ہم اندازے لگانے کے معاملے میں بہت مشور ہیں" محمود مسکرا یا۔  
"لیکن میں پھر وہی بات کہوں گا" سی مون بولا۔  
"کیا۔ یہ کہ آپ یہ بات بھی نہیں بتا سکتے۔"  
"ماں! اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم اب آپ کے اس جواب کے عادی ہو چکے ہیں" افتاب نے مسمی صورت بنائی۔  
"سوالات سے ہٹ کر میں آپ سے ایک شکایت کرنا چاہتا ہوں" انپکٹر جمیش کی بات نے انھیں چونکا دیا۔ سب نے ان کی طرف دیکھا۔ سی مون بھی چونکے بغیر رہ سکا۔  
"میں سمجھا نہیں" اس نے کہا۔

"جیل سے نکلنے کے لیے اس قدر خلاماڈ طریقہ آپ اختیار کریں گے۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا" انپکٹر جمیش بولتے۔  
"خلاماڈ طریقہ۔ کیا مطلب ہے وہ اور بھی زور سے چونکا۔  
"کیوں۔ کیا آپ کو نہیں معلوم۔"

"میں نے راکنگ سے پوچھا تھا۔ اس نے بس یہ کہ دیا تھا کہ اس نے ایس پی جیل کو مجبور کر دیا تھا۔ مجبور اس نے کس طریقہ سے کیا۔ یہ میں نے نہیں پوچھا۔"

"تب پھر میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اس شریف انسان کی

"اور اب ایک سوال میں بھی پوچھوں گی" فرزانہ بولی۔  
"ضرور۔ کیوں نہیں؟"

"مistr بلانڈ کنگ آپ کے ساتھ نظر نہیں آ رہے۔ جب کہ وہ اور آپ اکٹھے جیل سے فرار ہوئے تھے۔ اور آپ انھیں چھڑانے کے لیے ہی جیل گئے تھے۔"

"ماں! میں اس سوال کا جواب بھی دے سکتا ہوں۔  
مistr بلانڈ کنگ واقعی میرے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ اور اب ہے وہ میرے ساتھ ہیں۔ لیکن ان کی ڈیوٹی ذرا دوسری طرف سی مون نے کہا۔

"دوسری طرف۔ کہاں ہے فرزانہ بے تابانہ بولی۔  
"یہ نہیں بتا سکتا۔"

"ابھن آپ نے ریاست کے لوگوں کے سامنے اپنے اصل نہ پکا اقرار کیوں کیا؟"  
"وہ مسکرا یاں کا کیا ہے۔ وہ تو اب بھی مجھے ہی اصل شاہ عالم کرتے۔"

"افربات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ پروفیسر غوری کی رصداہ اور یہ لایا گیا۔ پروفیسر داؤد بڑا ہے۔"

آفتاب نے مدت تو آپ نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ یہ بھی ہم پہلے نہ ہے۔

مزدورت کیوں

ہو۔ لیکن تم بھول گئے تھے رائٹنگ کو تھیں کس کی ماتحتی میں دیا گیا ہے۔ جس کی بڑی سے بڑی دشمنی بھی بد تعریف نہیں کرتا۔ تم نے ہمیشہ دشمنوں کے منزے بھی سی موں کی تعریف ہی سنی ہو گی۔ لہذا تمہارے لیے بہتر طریقہ یہی ہے رائٹنگ کو نال کو کن پٹی پر رکھ کر طریقہ دبادو۔ ورنہ۔

اس دن میں ذجائبے کیا تھا۔ اس کا جسم زور سے کاپا اور پھر ہاتھ مشینی انداز میں کن پٹی کی طرف آٹھ گی۔ دوسرا بھی لمحے کمرے میں گولی چلنے کا دھماکا گونج آٹھا۔

## وہ بھل گئے

چند منٹ بعد کہ اس طرح صاف کیا جا چکا تھا جیسے وہاں کسی کا ٹھون گرا ہی نہیں تھا اور پھر انہیں جمیڈنے سی موں سے کہا:

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"ہمارا پروگرام جاری رہے گا۔ اس میں کوئی رخصت نہیں ہوتے گا۔" سی موں مسکرایا۔

"ہمارے بارے میں آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"آپ لوگ اس ریاست میں مہاں ہوں گے۔" لیکن آپ محل سے باہر نہیں جا سکتے۔ بنی محل کے اندر رہنا ہو گا۔ آپ میں سے جس نے بھی محل سے فرار ہونے کو کوشش کی۔ اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ جب تک میں چاہوں گا۔ آپ لوگ یہاں رہیں گے اور جب میں سے محروس کیا کرے آپ لوگوں کو روک کر رکھنے کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔

تو میں آپ کو باعورت طور پر جانے کی اجازت دے دوں گا۔  
” اور میر شاہ اعظم، انپکٹر کامران مرزا نے سوالیہ انداز میں  
کہا۔

” ہاں۔ یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ بس انھیں ذہن  
سے اپنی ریاست کا خیال نکالنا ہو گا۔ یہ تھوڑا جانا ہو گا کہ  
کبھی یہ ریاست ان کی تھی۔ ”

” ہم سمجھ گئے۔ آپ صرف اس ریاست پر قابلیش  
رہنا چاہتے ہیں۔ ”

” ہاں؛ یہ ریاست اب ہماری ہے، لیکن کسی کو کافی کام  
یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اس ریاست میں کوئی تبدیلی آپکی ہے۔ ”

” کیا مطلب؟ وہ زور سے چونکا۔ ”

” اودہ! سی موں کے منہ سے نکلا۔ ”

” کیا ہوا مسٹر سی موں؟ ”

” جو بات بتانے والی نہیں تھی۔ منہ سے نکل گئی۔ ” اس نے  
کہا۔

” چلیے اب تو نکل گئی۔ اس کا باقی حصہ بھی بتا دیں۔ ”

” آپ پچھو پرچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی۔ ” انپکٹر  
کامران مرزا نے منہ پہنایا۔

” کیا مطلب؟ آصف بولا۔ ”

” یہ لوگ اس ریاست پر اپنا قبضہ اس طرح رکھا  
چاہتے ہیں کہ ہماری حکومت کو پکھ پتا مدد چلے۔ حکومت یہی  
خیال کرتی رہے کہ شاہ اعظم ہی ریاست کے حکمران ہیں۔  
لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہو گا۔ حکومت ان لوگوں کی ہو  
گی اور یہ یہاں من مانی کریں گے۔ ”

” من مانی۔ کیا مطلب۔ آخر یہ یہاں کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ”  
” جہاں تک میرا خیال ہے۔ اس بات کا تعلق ضرور کرنل  
شوکت عالم کے اغوا سے ہے۔ ”  
” نہ۔ نہیں۔ ” سی موں کے منہ سے چیرت زدہ انداز میں  
نکلا۔

” آپ کا یہ نہیں سمجھ میں نہیں آیا۔ ” شوکت نے چیرت زدہ  
انداز میں کہا۔  
” میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم لوگ یہ نتیجہ بھی نکال  
وو گے۔ ”

” ابھی کیا ہے۔ مسٹر سی موں۔ آگے آگے دیکھیے۔ ہوتا  
ہے کیا۔ ابھی تو ہم نہ جانے کیا کیا اور کیسے کیسے نتیجے نکالیں  
گے۔ ”

” ہوں! میں سمجھ گی۔ تم لوگوں کو یہاں رکھنا خطرناک ہے،  
لیکن ان حالات میں تمھیں یہاں سے بیچج دینا بھی غلط ہو گا۔ ”

جلدی سے اس کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا بات ہے مسٹر کامران مرزا؟"

"آپ ہمارے ساتھ اس کمرے میں بالکل تنہا ہیں۔ آخر

ہم آپ کو اپنے پروگرام پر عمل کیوں کرنے دیں؟"

"میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مسٹر کامران مرزا؟"

اس نے طرزیہ لجھے میں کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ انپکٹر کامران مرزانے ہے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ انھیں ایک زبردست جھٹکا لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ وہ لڑکھڑا گئے۔ آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"ان کی آنکھوں میں دیکھنے کی غلطی ہے کہیں انپکٹر کامران مرزا۔ انپکٹر جمیش ہو لے۔

"اوہ۔ ہوں۔" وہ ہو لے، پھر انھوں نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا:

"آپ ہمارے ساتھ اس کمرے میں تنہا موجود ہیں۔ کیوں نہ ہم آپ کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ ہم آپ کو تمہارے پروگرام پر عمل کیوں کرنے دیں؟"

"سمجا۔ تو یہ ہے آپ کا پروگرام۔ خیر۔ اب میں گھنٹی میں بجاوں گا۔ اب گھنٹی صرف اس وقت بجے گی جب تم سب

"اس بات پر تو ہمیں حیرت ہوتی تھی۔ جب آپ ہمیں جانے کی اجازت دے دیں گے تو یہ کیسے ملک ہو گا کہ ہماری حکومت کو اس ریاست میں آنے والی اس تبدیلی کا علم نہ ہو سکے۔ ہم تو پہلا کام ہی یہ کریں گے کہ حکومت کو سارے حالات سندا دیں گے۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اس کی ترکیب تو خیز ہیں نے سوچ رکھی ہے، لیکن اب پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا ہو گی۔ تم لوگوں کو اسی وقت یہاں سے رواز کرنا ہو گا۔"

"اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو گی کہ ہم اپنے شر پہنچ جائیں اور چین کی بانسری بجاویں۔" فاروق بولا۔

"خیر۔ تم لوگوں کی یہ خواہش تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں جانتا ہوں۔ اس ریاست میں کیا ہو رہا ہے، یہ جانے بغیر تم یہاں سے ہرگز جانا نہ چاہو گے۔ خیر میں ابھی بندوں کرتا ہوں۔"

"آخر کیا بندوں سے کریں گے آپ؟" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔" اس نے کہا اور میز پر لگے گھنٹی کے بیٹن کی طرف ناچھ پڑھایا۔

"ایک منٹ ہر چھتی میون۔" انپکٹر کامران مرزانے کہا اور

اپنی ہار مان دو گے۔ اور میرے مقابلے میں کھڑے رہنے کی  
لکھی میں سکت نہیں رہ جائے گی۔

”اوہ۔ تو کیا ایسا ہو سکے گا۔“

”ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔ ایسا ضرور ہو گا۔ میں اب  
اس جگہ سے ہٹ کر کمرے کے دوسرے برسے کی طرف چلا جاتا  
ہوں۔ تم میں ہمت ہے تو مجھے گھٹٹی کی طرف آنے سے روک  
کر دکھا دو۔“ اس نے کہا اور آٹھ کروڑی طرف چلا گی۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ تم بہت بہادر دشمن ہو۔ اپنکے  
کامران مرا نے مسکرا کر کہا۔“

”اوہ بہادر دشمن سے مل کر ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے۔“  
فرحت نے خوشی ہو کر کہا۔

”میرا بھی یہی حال ہے۔“ سی موں نے اس کی طرف دیکھا،  
پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے، کیوں کہ اسی وقت کمرے  
کے دروازے پر لگا بزرگ کا بلب بلب بار بار جلنے اور بجھنے  
لگا تھا۔

”کیوں۔ کیا ہوا؟“

”ایک منٹ ٹھری۔“ اس نے ہاتھ آٹھا کر کہا۔  
اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک دیو قامت آدمی اندر  
داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں چھیل گئیں۔ ان کے

دل دھک دھک کرنے لگے۔ ایسے میں سی موں کے منہ سے نکلا:  
”مestr بلانڈ لنگ۔ خیریت تو ہے۔ آپ یہاں کیوں تشریف  
لے آئے؟“

”میں نے ان کی گرفتاری کی خبر سنی تھی۔ اس لیے چلا  
آیا۔ بلانڈ لنگ نے کہا۔“

”اس میں چلے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو اپنا معاذ  
چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“  
”بس۔ میں رہ نہ سکا۔ بے قابو ہو گیا۔ کیوں کہ مجھے  
ان لوگوں سے انتقام لینا ہے۔ اور انتقام لینے کا اس سے  
اچھا موقع پھر کب ملے گا۔“

بلانڈ لنگ کی سرد آواز سے کمرے کا درجہ حرارت گرتا  
محسوس ہوا۔



”تشریف رکھیے مestr بلانڈ لنگ۔“ سی موں نے پُر سکون  
آواز میں کہا۔

”ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ شاید آپ مجھ سے کچھ بات کہا  
چاہتے ہیں۔“

"یہی بات ہے۔ اس نے کہا۔

بلائند کنگ ایک گرسی پر بیٹھ گی۔ اب سی مون بھی اس کے سامنے والی گرسی پر بیٹھ گی۔ اس نے ان لوگوں پر نظر ڈالی اور بولا:

"آپ حضرات بھی تشریف رکھئے۔ میں ذرا ان سے بات کر لوں، پھر آپ کی اور میری بات ہو گی۔"

"یکسی بات؟ بلائند کنگ نے چونکر کہا۔

"آپ کی بات۔"

"دشمنوں سے اور آپ کی بات۔"

"میں ذرا اور قسم کا آدمی ہوں۔ اور یہ دشمن مجھے بہت پسند ہیں۔" سی مون نے مسکرا کر کہا۔

"پسند ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ ان سے آپ کی باتیں شروع کر دیں۔"

"چھوڑ دیے اس بات کو۔ آپ پہلے یہ بتائیے۔ کیا چاہتے ہیں۔"

"ان کو میرے حوالے کر دیں۔"

"اوہ پھر۔ آپ کی کریں گے؟ سی مون نے پوچھا۔

"ان کا اچار ڈالوں گا۔" اس نے منہ بنایا۔

"نہیں مطر بلائند کنگ۔ میں ان کے بارے میں ایک فیصلہ

مدد چکا ہوں۔ اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ یہ یہاں سے اپنے شہر  
چلے جائیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوتی۔ یہ یہاں سے اپنے شہر چلے جائیں گے۔ اور وہاں سے مدد لے کر اس ریاست پر حملہ آور ہو جائیں گے۔" بلائند کنگ نے کہا۔

"نہیں؛ یہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ میں نے اس کا انتظام  
کر لیا ہے۔"

"آپ کچھ بھی کیں۔ یہ میرے شکار ہیں، انھیں میرے  
حوالے کر دیں۔"

"نہیں مطر بلائند کنگ۔ اس بات کو جانے دیں اور مزید  
حکث نہ کریں۔" سی مون اب بھی پُر سکون آواز میں بولا۔

"آخر آپ کو ان سے کیا ہمدردی ہے۔ آپ کیوں چاہتے  
ہیں کہ یہ یہاں سے زندہ سلامت اپنے شہر چلے جائیں۔ اور  
حضرت ہمیں پریشان کرنے کے لیے اوہر آ جائیں۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔ ان کے فرشتے بھی ہمیں پریشان نہیں  
کر سکیں گے۔"

"ان سب باتوں کے باوجود یہیں ان سے انتقام لے کر  
ہوں گا۔ آپ ان کو میرے حوالے کرنے پر بھجوہ ہوں گے۔  
یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اور بھجوہ۔ ناممکن۔" سی مون نے

وہ سب کے سب چونک آئتھے۔ ان کی سوالیہ نظری مestr بلائنس کنگ کی طرف آٹھ گئیں۔ سی موں کی آواز میں انھوں نے پہلی مرتبہ سختی محسوس کی تھی:

”تم ان لوگوں کو نہیں لے جاؤ گے۔ یہ میرے سماں ہیں۔“  
سی موں کی آواز میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔

”مestr سی موں۔ میرا خیال ہے۔ ہم دونوں کو پڑ سکون انداز میں بیٹھ کر بات کر لیں چاہیے۔“ بلائنس کنگ نے جلدی سے کہا۔  
”نہیں! اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی۔“ وہ بولا۔  
”اگر یہ بات ہے تو پھر میں بھی انھیں لے کر جاؤں گا۔“

”اس صورت میں میں آپ کا راستا روکوں گا۔“  
”جیت ہے۔ افسوس ہے۔ آپ دشمنوں کی غاطر اپنوں سے لڑیں گے۔“

”ہاں! اس لیے کہ میں اصول کا آدمی ہوں۔“  
”تب پھر ہم آپس میں کیوں لڑیں۔ اس کا فصلہ اپنی حکومت سے کیوں نہ لے لیں۔“ بلائنس کنگ نے تجویز پیش کی۔  
”میں اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اگر آپ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ میرا یہ اقدام غلط ہے۔ تو بعد میں آپ یہ معاملہ حکومت کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔“  
”اس کا مطلب ہے۔ آپ ہر حالات میں جنگ پر ٹکلے گئے ہیں۔“

مسکرا کر کہا۔

”مestr سی موں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں کون ہوں اور حکومت نے آپ کو صرف اس لیے بیجا تھا کہ مجھے رہا کرائیں، یعنی آپ مجھے رہا کرنے کی بجائے خود جیل میں چھس گئے۔“  
کیا اس سے آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میری ملک میں کیا چیزیں ہے؟“

”ہاں! میں جانتا ہوں۔ اس کے باوجود آپ کے حوالے ان لوگوں کو نہیں کروں گا۔“

”تب میں آپ کو حکم دیتا ہوں۔ ایک طرف ہٹ جائیں۔“  
اور مجھے ان لوگوں کو لے جانے دیں۔ اب۔ اب میں اس کے علاوہ ایک لفظ بھی نہیں سننے گا۔“

یہ کہ کہ اس نے شماری بھائی۔ فوراً ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور بیسوں فوجی دھڑا دھڑا اندر داخل ہونے لگے۔  
”ان لوگوں کو گرفتار کر کے لے جانا ہے۔“ بلائنس کنگ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اوے سر۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔ اور پھر ان کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اچانک سی موں بولا:

”ٹھہرو۔ کوئی ان کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔“  
”جی۔ جی۔ کیا مطلب؟“ بلائنس کنگ کے ساتھی بول آئتھے۔

” نہیں تو۔ میں تو آپ کو مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ اپنے  
مکان پر جائیں۔ یہاں تو آپ کو آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔  
ریاست کے معاملات اس طرح کھلائی میں پڑھ سکتے ہیں۔“  
” آپ چاہیے کچھ ہو۔ میں ان لوگوں کو اپنے محافظ پر ضرور  
لے جاؤں گا اور اپنے دل کی بھروسہ نکال کر رہوں گا۔“  
” اور میرا اعلان ہے۔ کہ آپ ان لوگوں کو نہیں لے جائیں۔“  
” تب پھر ہمارے درمیان فیصلہ طاقت سے ہو گا۔ بلائنز کل  
نے اکھڑ لجھے میں کہا۔

” مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ سی مون جلدی سے ایک طرف ہو گی۔  
اس کی پھر تی پر دو سب حیرت زدہ رہ گئے، لیکن کوپک  
چکتے میں وہ تکرے کے دوسرے برسے پر نظر آیا تھا۔  
” آئیے اور مجھ سے فیصلہ کر دیجیے۔“

” مشریقی مون۔ اب میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ بلائنز  
لگ کے نے سکاری سی بھری۔

” میرا بھی یہی خیال ہے۔“ سی مون بولا۔  
” کیا۔ یہ کہ آپ میرے ہاتھوں مارے جائیں گے۔“ بلائنز  
لگ کے نہیں۔

” نہیں۔ میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“  
” تو پھر آئیے۔“ بلائنز کلگ نے مجھے کی دعوت دی۔

” یہ لڑائی آپ کی صد پر شروع ہو رہی ہے۔ اس لیے  
پہل بھی آپ ہی کریں گے۔“  
” نہیں۔ میری صد پر نہیں۔ آپ کی صد پر ہو رہی ہے۔“  
” تو پھر شیک ہے۔ میں نہیں کرتا جمد۔ مجھے کیا ضرورت  
ہے۔“ سی مون نے کندھے اچکائے۔  
” بہت خوب۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ آپ ہمیں  
کھڑے رہیں۔ میرے آدمی ان لوگوں کو پکڑ کرے جاتے ہیں،  
پھر بھی۔ نے چلو انھیں۔“  
بلائنز کلگ کے ماتحت ایک بار پھر ان کی طرف بڑھے۔  
” خبردار۔ ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔“ سی مون غرماً  
اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن پھر فوراً ہمی معمول پر آگی۔  
وہ بھرا کر رک گئے۔  
” یوں کام نہیں چلے گا۔ پہلے میں آپ کا کاشنا نکالوں گا  
اور پھر دیکھوں گا یہ کیسے نہیں لے جاتے ان لوگوں کو۔“  
” یہ کہتے ہی بلائنز کلگ نے اپنی بندگ سے چھلانگ لگائی،  
اس کی طویل چھلانگ کا انھیں تجربہ تھا، لیکن اس بار تو اس نے  
اور بھی زیادہ سہارت سے چھلانگ لگائی تھی۔  
ایک زور دار دھمک سی ہوئی۔ بلائنز کلگ منہ کے بل  
فرش پر نظر آیا۔ سی مون بلائنس کی تیزی سے ایک طرف ہٹے گیا۔

تھا۔ وہ صرف ہٹا ہی نہیں۔ پلٹ کر اس نے بھی بلاستنڈ لگ پر چھلانگ لگائی، لیکن یہاں اس سے بھی غلطی ہوئی۔ بلاستنڈ لگ بھی پلٹتی کھا گیا تھا؛ تاہم سی موں گرا نہیں۔ اتنے میں بلاستنڈ لگ آٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

اس مرتبہ ایسا ہوا کہ دونوں نے بیک وقت ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف چھلانگ لگائی۔ دونوں کے جسم فضا میں ایک دوسرے سے پوری قوت سے ٹکرائے۔ دونوں پہنچنے کی طرف آٹھ گئے۔ ایک لمبے تک دونوں ساکت یلسے رہے۔ پھر یک دم آٹھے۔ اور پھر ایک دوسرے پر چھپے۔ سی موں نے جھکائی جودی تو بلاستنڈ لگ اپنے ذور میں دروازے سے باہر بھل گیا۔ سی موں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاوا۔ اس کے پیچے کرے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ بلاستنڈ لگ کے ساتھی بھی باہر کی طرف پکے۔

اب کمرے میں صرف وہ رہ گئے۔ انہوں نے سواریہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اپکر جمیش نے انہیں اشارہ کیا:

”بھی یہیں رکے رہیے۔“

باہر اب زور دار روایتی کی آوازیں آرہی تھیں، پھر آوازیں دودھ گئیں۔ انہوں نے دروازے پر آ کر دیکھا۔ سی موں

در بلاستنڈ لگ لڑتے ہوئے دو بنکل گئے تھے۔ محل کے لوگ اب اس خوف ناک روایتی کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ”موقع اچھا ہے۔ آؤ۔“ اپکر جمیش نے سرگوشی کی۔

اور وہ اس راستے پر ہو یئے جس سے محل کے اندر داخل ہوئے تھے۔ انہیں راستے میں کوئی بھی نہ ملا۔ مٹا بھی کیسے۔ سب تو روایتی دیکھ رہے تھے۔ اور شاید اپنی زندگی کی چیرت انگلیز ترین اور خوف ناک ترین روایتی دیکھ رہے تھے۔ ان کی روایتی کی آواز وہ اب تک سُن رہے تھے۔

ان کے قدم تیزی سے آٹھتے چلے گئے۔ تاہم انہوں نے دوڑنے کی کوشش نہیں کی۔ بکلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ محل سے باہر بھل آئے۔ صدر دروازے پر بھی کوئی لٹکاؤ نہیں تھا۔

گویا سب کے سب اس روایتی کی پیٹ میں آپکے تھے۔ محل سے باہر بھل کر بھی انہوں نے دوڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اس طرح لوگ ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ بس وہ محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ پلتے رہے۔ یہاں تک کہ محل کے عقب میں پہنچ گئے۔ ایسے میں فائدہ ق کی نظریں محل کے اپر کی طرف آٹھ گئیں۔ وہ چونک آٹھا:

”اوہ۔ اب وہ محل کی فصیل پر لٹڑ رہے ہیں۔“  
”سیا۔ ان کے منہ سے نکلا۔“

پھر سب کے سب اور پر دیکھنے لگے۔ واقعی سی مون اور بلا کنڈ  
کنگ فصیل پر لٹا رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے پر اب بھی  
اس تیزی سے دار کر رہے تھے۔ گویا ذرا بھی نہیں تھکے تھے۔  
اچانک ان میں سے ایک آچلا اور نیچے آتا نظر آیا۔

وہ سب جلدی سے ایک طرف ہٹ گئے۔ ورنہ وہ ان  
میں سے کسی پر آگرتا۔ اور پھر۔ جیسے کوئی بھاری بھر کم چنان  
ان کے پیروں کے پاس گری ہو۔ انھیں بالکل ایسا محسوس  
ہوا۔ انھوں نے دیکھا۔ گرنے والا بلا کنڈ کنگ تھا۔ گرتے  
ہی اس کا سر پھٹ گیا۔ اور لاشہ تڑپنے لگا۔ عین اسی لمحے  
انھوں نے ایک آواز سنی:

”اے اے۔ وہ نکل گئے۔ پھر وہ انھیں۔“

”جم۔ جمشید۔ میں۔ م۔“

انپکٹر جمشید ان کی آواز سن کر مرے۔ پھر انھیں اٹھا  
کر کندھے پر ڈالا اور دوڑ لگا دی:

”اے اے۔ یہ کیا کر رہے ہو جمشید۔ پروفیسر داؤڈ گھرا گئے۔

”تو اور کیا کر دیں۔ وہ مسکراتے۔“

”لوگ کی کہیں گے۔“ انھوں نے کہا۔

”ایسے میں کسی کیا پڑی ہے کہ پچھکے۔ اور ہمیں  
بھی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی پچھہ کہتا ہے تو کتنا“

رہے۔ ہمیں تو ان کی پہنچ سے دور نکلنے ہے۔ تاکہ سکون سے بیٹھ کر مشورہ کر سکیں اور کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر سکیں، ورنہ سی موں تو شاید ہمارے دماغ پلٹوا کر، ہمیں ہمارے نک میختے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"ارے باپ رے!" ان کے مذہ سے نکلا۔

وہ دوڑتے رہے۔ جلد ہی انہوں نے گاڑیوں کا شور سننا۔ شاید بہت سی گاڑیاں ان کے تعاقب میں روانہ ہو رہی تھیں۔

"ہم اب گاڑیوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ آؤ۔"

گیکوں کی راہ پیتے ہیں۔ انپکٹر کامران مرزا نے کہا اور ایک گلی میں متوجئے، پھر اس میں سے نکلنے والی ایک اور گلی میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح وہ متوجئے رہے۔ اچانک ان کے سامنے پھر سڑک آگئی۔ وہ واپس مڑے ہی تھے کہ پھر گاڑیوں کے سارے سنائی دیے۔ وہ بوکھلا آئئے:

"یوں کام نہیں چلے گا۔ اب کسی گھر میں پناہ یعنی پڑھے گی۔ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

اور پھر انپکٹر کامران مرزا نے ایک دروازے پر دستک دے دی۔ اس گلی میں وہ ابھی ابھی مڑے تھے، اس

ان کے دوڑتے کی آواز نے لوگوں کو اپنی طفہ متوہجہ کیا تھا۔ دردنا جہاں جہاں سے وہ گزر کر آتے تھے، درنے والے لوگ اور گھروں میں موجود لوگ سب یہ اور باہر بکل بکل کر انھیں دیکھنے لگ گئے تھے۔ ان کے گھروں پر حیرت دوڑتی رہی تھی، لیکن کسی نے بھی انھیں روکنے پکرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اور پھر اس گھر کا دروازہ کھل گیا۔ دروازہ ایک نوجوان بھی نے کھولا تھا۔ انپکٹر کامران مرزا نے زمی سے اسے ایک طرف ہٹا دیا اور اندر داخل ہوتے ہوئے بولے:

"جلدی کریں۔"

"یہ۔ یہ کیا۔" نوجوان گبرا گیا۔ ساتھ ہی اس کی نظریں شاہ اعظم پر پڑیں۔

"اوہ۔ نقلی شاہ اعظم۔"

یہی سمجھ لیں۔" انپکٹر جمیڈنے کہا۔

اسی وقت انپکٹر کامران مرزا نے دروازہ بند کر دیا۔

"معاملہ کیا ہے جناب۔ اوہ۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

یہ کہ کر نوجوان اندر کی طرف چھٹا۔

خان رحمان نے آگے بڑھ کر اس کا راستا روک لیا اور بولے:

"مرہبائی فرمائ کر پہلے ہماری بات سن لیں۔"

"نج - جی فرمائیے۔" اس نے قدرے خوف زدہ ہو کر کہا۔  
میں اسی وقت فرزانہ نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔  
فرحت نے بھی فوراً اس کا ساتھ دیا۔ دونوں یک دم ایک سب  
میں داخل ہو گئیں۔ وہاں ایک نوجوان عورت گبراہٹ کے  
عالم میں فون کے نمبر لگا دہی تھی۔

"نہیں محترمہ۔ فرزانہ نے یہ کہتے ہوئے فون پر ٹانکر کھ دیا۔  
لگ - کیا مطلب ہے؟ عورت ہمکلائی۔

"آپ - پولیس کو فون نہیں کر سکتیں۔  
اتبے میں باقی لوگ بھی وہیں آگئے۔

"یہ سب کیا ہے۔ لالی۔" عورت نے نوجوان سے کہا۔  
ابھی مجھے بھی کچھ نہیں معلوم سونیا۔ ویسے میرا خیال ہے۔  
یہ دہی نقلی شاہ اعظم ہے اور کسی طرح یہ لوگ محل سے فرار ہونے  
میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"اوہ ہا سونیا بولی۔

"مرہبائی فرمائ کر پہلے ہماری بات سن لیں اور پھر کوئی رائے  
قام کریں۔ ہم آپ لوگوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا کوئی  
ارادہ نہیں رکھتے۔ آپ کی ریاست کے خلاف کوئی بہت، ہی جیسا کہ  
سازش کی گئی ہے۔ ہم تو اس سازش کا شرائغ لگانے کے چکر

ہیں۔ ان حالات میں تو آپ کو ہماری مدد کرنی چاہیے،  
جو ہمارے ساتھ ہیں بالکل اصل شاہ اعظم ہیں۔ محل میں اب  
بھی نقلی شاہ اعظم ہی موجود ہے۔"  
"ہم - ہم کس طرح یقین کر لیں۔"  
"پوری بات سن لیں۔ اس کے بعد آپ کو ان شاہزادے  
یقین آجائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ سب حضرات تشریف رکھیں۔ لالی بولا۔  
پہلے تو یہ بتائیں۔ یہاں کوئی چھپنے کی جگہ بھی ہے یا نہیں،  
کیوں کہ جلد ہی گھر گھر کی تلاشی شروع ہونے والی ہے۔  
اوہ - ہاں۔ آپ نکر دکریں۔ میرے گھر میں چھپنے کی ایک  
بہت ہی اچھی جگہ ہے۔"  
"اگر آپ وہ ہمیں دکھا دیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔ ہم  
اس کے بارے میں اندازہ لگا لیں گے۔"  
"ضرور کیوں نہیں۔ آئیے۔" اس نے کہا۔  
وہ چلنے لگے۔ اچانک فرزانہ مٹری:

"محترمہ سونیا۔ آپ بھی آئیے ہا۔ آپ یہاں کھڑی رہ کر  
کیا کریں گی۔" یہ الفاظ اس نے مسکرا کر کے۔  
اوہ ہاں۔ بھلا میں یہاں رہ کر کیا کروں گی۔ اس نے  
شرمندہ ہو کر کہا اور ان کے ساتھ قدم آٹھانے لگی۔

"گھر میں اور کون کون ہے؟"

"بس ہم دو، ہی رہتے ہیں۔ نوجوان لال نے کہا۔

"کوئی ملازم؟"

"نہیں۔" اس نے کہا۔

اور پھر وہ ایک اندر دنی کمرے میں داخل ہوئے۔ لالی نے قالین آٹ دیا۔ کمرے کے فرش کے سین درمیان میں فرش کے رینگ کا ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ نوجوان نے اسے آٹھایا تو بیڑھیاں نظر آئیں :

"تو کیا یہ رہ خانہ ہے؟" اسپکٹر جمیش بولے۔

"جی ہاں۔"

"بہت خوب۔ تب تو ہم نے ایک بہت ہی اچھے گھر میں پناہ لی ہے۔"

"یکن بھئی۔ اپنے نے یہ رہ خانہ کس لیے بنایا ہے؟" محمود کے لجھے میں حیرت تھی۔

لالی نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا، پھر بولا :

"اپنی حفاظت کے لیے؟"

"ہوں۔ شیخ تو ہے؟"

عین اسی وقت ان کے دروازے پر زور دار دستک ہوتی۔

633

"اوہ شاید پولیس آگئی۔ مژا لالی۔ آپ جا کر پولیس سے بٹیئے، لیکن نہیں۔ پہلے ہم تھے خانے میں جاتے ہیں؟ آپ دروازہ بند کر کے قالین اچھی طرح بچا دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم یہی کریں گے۔"

"ہم نہیں۔ صرف میں کیہے۔" اسپکٹر کامران مژا اسکرا کے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"صرف آپ جا کر ان سے بات کریں گے۔ آپ کی بیگم بطور امانت ہمارے ساتھ رہیں گی۔ اگر آپ نے ان لوگوں کو ہمارے بارے میں بتایا اور وہ ہمیں گرفتار کرنے تھے خانے میں داخل ہوئے تو پھر آپ اپنی بیگم کو زندہ حالت میں نہیں دیکھ سکیں گے۔ کیا خیال ہے۔ یہ بات آپ کو پسند ہے؟"

"نہ۔ نہیں۔ وہ ہمکلایا۔"

"مل۔ لالی۔" سونیا نے کانپ کر کہا۔

"گھرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت شریف لوگ ہیں، بس آپ لوگ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں، پھر دیکھیے گا، کتنے فائدے میں رہتے ہیں؟"

"اچھے۔ چا۔"

اسی وقت دوسری بار دستک ہوتی۔

"جلدی کریں۔ ورنہ ان لوگوں کو شک ہو جائے گا۔"

خان رحمان بولے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" لالی نے جلدی سے کہا۔

وہ جلدی جلدی نیچے آتے گئے۔ سونیا کو سب سے پہلے  
نیچے آتیں پڑا تھا۔ آخری آدمی کے آتیں کے بعد لالی نے  
دروازہ بند کیا اور قالین اچھی طرح سے بچھا دیا، پھر ایک نظر  
کمرے پر ڈالی۔ اور باہر نکل کر دروازے کی طرف بڑھا۔  
بُجُون، ہی اس نے دروازہ کھولا۔ کچھ پولیس والے اسے دھیکتے ہوئے  
اندر گھس گئے، پھر ان میں سے ایک نے غرما کر کہا:

"تم نے دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟"

"مم۔ میں باتحہ روم میں تھا۔ اور گھر میں اور کوئی نہیں  
ہے۔" لالی نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں۔ کیا تم ایکلے رہتے ہو؟"

"نہیں! بیرونی بیوی بھی پرے ساتھ رہتی ہے، لیکن وہ  
اپنے والدین کے گھر گئی ہوئی ہے۔"

"اوہ اچھا۔ چلو بھئی۔ تلاشی لو۔ اچھی طرح۔"

"بات کیا ہے جناب؟"

"تم نے اپنے گھر میں کچھ لوگوں کو پناہ دی ہے۔  
دی ہے نا۔"

"جی۔ نہیں تو۔ اس نے فوراً کہا۔"

"دیکھو بھئی۔ جھوٹ بولنے کی کوشش ذکر و جھوٹ کا کوئی  
فالدہ نہیں ہوگا۔ ہم ان کو برآمد کر لیں گے۔"  
گھر آپ کے سامنے حاضر ہے جناب۔ اس نے کندھے  
اچکائے۔

"ٹھیک ہے۔ تلاشی ہی یہاں پڑے گی۔ تم بھی ساتھ کوئی۔"  
اس نے کہا۔

لالی کو بھی ان کے ساتھ ساتھ چلانا پڑا، وہ ایک ایک  
کمرے کو اچھی طرح دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ آخر وہ  
قالین والے کمرے میں داخل ہوئے۔

"کیا یہ کمرہ ڈرانٹک روم ہے۔"

"جی ہاں!" لالی نے جلدی سے کہا۔

لیکن یہاں صرف یہ قالین موجود ہے۔ فریضہ تو کوئی  
ہے نہیں۔"

"شادی نہیں نہیں ہوئی ہے جناب۔ بیوی کے والدین بہت  
غیریں ہیں۔ کچھ دے نہیں سکے، زمین نے مطابرہ کیا۔ خود  
بیرے حالات بھی ایسے ہی ہیں۔ کچھ پیسے جمع ہو جائیں تو  
فریضہ خریدوں گا۔"

"تب پھر تم نے یہ قیمتی قالین کیسے خرید لیا؟"  
یہ باپ کے زمانے کا ہے۔ اس وقت حالات بہت

اچھے تھے۔"

"نہ جانے کیا بات ہے۔ مجھے تھاری باتوں پر یقین نہیں آدھا۔ چلو بھئی۔ اٹھاؤ اس قالین کو۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" لالی کے منہ سے خوف زدہ آواز ملکی۔

"یکوں۔ تم کیوں ڈر گئے؟"

"ڈرنے کی کیا بات ہے جناب۔ بجلاء میں کیوں ڈر دوں گا۔ اپ تالین اٹ کر اپنا اطمینان ضرور کریں۔" لالی نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"تمہارا پھرہ تو دھوکا ہو رہا ہے۔"

"پولیس کو دیکھ کر میں بلاوجہ ہی خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔

"تم نے سنا نہیں۔ تالین اٹ دو۔"

اس کے دو ساتھیوں نے تالین اٹ دیا۔ اور پھر وہ اچل پڑے۔ ان کی آنکھوں میں چمک نمودار ہو گئی۔

"انعام ہمارا ہے۔ ان کے آفیرنے ہاتھ ہلاتے ہوتے نعروں گایا۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"یہ تھانے کا دروازہ ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔ گویا وہ لوگ نیچے ہیں۔"

"نہیں جناب۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ گھر میں تھا اور بت پہلے سے موجود ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ نیز۔ ہم اطمینان ضرور کریں گے۔"

"آپ ہر طرح اطمینان کریں جناب۔" لالی نے کندھے اچھائے۔

وہ خود کو پر سکون ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا نور لگا رہا تھا، لیکن اندر سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ تاہم وہ خاموش تھا۔ آفیر کے ساتھیوں نے دروازہ آٹھا دیا۔ اور وہ بولا:

"ٹھرو۔ ابھی نیچے نہ آتیں۔ پہلے میں ٹارچ کے ذریعے اندر جھانک لوں۔"

"میں کہ چکا ہوں جناب۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ صرف اور صرف میں ہوں۔"

"خاموش کھڑے رہو۔ ہم اپنا اطمینان کر کے ہی یہاں سے جائیں گے۔ شاید تمیں نہیں معلوم۔ شاہ اعظم نے ان کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کر رکھا ہے، اگر پولیس کی کسی پارٹی نے انھیں برآمد کر لیا۔ تو اس انعام کی حق دار وہ پارٹی ہو گی۔"

"پانچ لاکھ روپے کا انعام۔" لالی کے منہ سے نکلا۔ "اُن اب بھی وقت ہے۔ اگر تم نے ان لوگوں کو کہیں چھپا

رکھا ہے تو بتا دو۔ اور ہماری بجاے انعام تم حاصل کرو۔“  
”نہیں جناب۔ آپ خود ہی دیکھ لیں۔“ اس نے کہا۔

اب وہ تھانے کے دروازے پر آیا اور ٹارچ روشن  
کر کے روشنی اندر چکرائی۔

”نظر تو کوئی نہیں آتا۔ میر۔ کہیں تم یہ تھانہ سمجھنگ  
کا سامان رکھنے کے لیے تو استعمال نہیں کرتے۔“

”کیا بات کرتے ہیں جناب۔ میرے تو کبھی فرشتوں نے  
بھی یہ کام نہیں کیا۔“

”خیر۔ ہم اس تھانے کو بھی دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔

”جی۔ نوما۔ تم دونوں نیچے آڑو۔ ٹارچ ہاتھ میں لے لو۔“

”اوکے سر۔“ ان میں سے ایک نے ایک نے کہا۔ اور پھر دو آدمی  
یہڑیاں آرتے گے۔ ٹارچ اگلے کے ہاتھ میں تھی۔

”جی۔ کیا تم نیچے پہنچ چکے ہو؟“ اوپر سے آفیسر نے پوچھا۔

”یہ سر۔“ نیچے سے کہا گیا۔

”کیا یہاں کوئی ہے؟“

”ہم کچھ کرنے سکتے۔“

”کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی۔“

”میرا تو خیال ہے۔ آپ خود نیچے آ جائیں جناب۔ اور تھانے  
کو دیکھ لیں۔ یہ جگہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”بات کیا ہے جمی۔ آفیسر پریشان ہو گیا۔

”یہاں چند صندوق موجود ہیں۔ پرانے زمانے کے صندوق۔  
لکھ۔ کہیں ان میں لاشیں نہ موجود ہوں۔“

”اوہ۔ تمہارا مطلب ہے۔ وہ صندوق نہیں، تابوت ہیں۔“

”انج۔ جو ہاں۔ میرا تو یہی خیال ہے۔“

”ٹھٹھھ۔ ٹھڑو۔ ہم بھی آ رہے ہیں۔“

”کچھ نہیں ہے جناب۔ وہ تابوت نہیں ہیں۔ میرے باپ  
دادا کے زمانے کے صندوق ہی ہیں اور ان میں گھر کا پڑانا سامان  
موجود ہے۔“

”کچھ بھی ہو۔ ہم دیکھے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

”آپ کی مرضی۔“ لالی نے کندھے اچکائے۔

اور وہ لوگ نیچے آترنے لگے۔ لالی کو بھی سامنے لے دیا  
گیا۔ بیرونی دروازہ وہ پہلے ہی اندر سے بند کر چکے تھے۔ نیچے  
پہنچ کر آفیسر جمی کی طرف بڑھا، کیوں کہ ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی:

”لاڈ۔ میں دیکھتا ہوں۔“ یہ کہ کہ اس نے ٹارچ لے لی  
اور پہلے صندوق کی طرف بڑھا۔

صندوق کا ڈھکنا اٹھاتے ہی اس کے منڈ سے ایک چینچ  
نکل۔ ڈھکنا ہاتھ سے چھوٹ کر زور سے گرا اور پھر وہ یہڑیوں  
کی طرف بھاگا۔ بس پھر کیا تھا۔ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوتے۔

سب سے آخر میں لرزتا کا پتالا لالی اور پہنچا، لیکن پولیس اس کرے میں نہیں رُکی تھی۔ وہ صحن میں آگیا۔ سب پولیس والے دہان کھڑے ہانپ رہے تھے۔ افیر کی خون خوار نظریں اس پر جم گئیں:

”تم نے تو کہا تھا۔ صندوقوں میں پرانا سامان ہے۔“

”ہاں جناب! میں نے یہی کہا تھا، لیکن آپ کو کیا نظر آیا ہے؟“

”اس میں تو ایک مردہ شخص یہاں ہوا تھا۔“

”کیا! لاں پوری طاقت سے چلा آٹھا۔“

”تو۔ تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔“ افیر کی نظریں اس پر جم گئیں۔

”نن۔ نہیں جناب۔ میں نے ان صندوقوں کو کبھی کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ پرانے سامان کی کہی ضرورت ہی نہیں پڑی، مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ ان میں پرانا سامان ہے۔“

”خیر۔ ہم چلتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ یہاں نہیں ہیں۔ ہوتے تو نظر آجاتے۔“ اس نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

”کچھ چائے والے تو پلی جائیے جناب۔“

”نہیں۔ اور ہاں! اس تھا غانے کا دروازہ آج کے بعد بھر کھون۔ کہیں کوئی روح اور نہ آ جائے۔“

”نج— جی۔ آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔“

”ہم تمہیں کیا ڈرائیں گے۔ ہمارا تو خود مارے ڈر کے ترا حال ہے۔ آٹ توبہ۔ کس قدر خون ناک مردہ تھا۔“

”اکل زندہ لگ رہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں بالکل کھلی، ہوتی تھیں۔“

”مربائی فرماد کہ اس ذکر کو یہیں ختم کر دیں۔ کہیں مجھے گھر خالی نہ کرنا پڑ جائے۔“

”تت۔ تم۔ اس گھر کو چھوڑ ہی دو مطر۔“ افیر نے کہا اور گھر سے نکل گی۔

”م۔ میں۔ آپ کے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کوں کا۔“ اس نے رختی آواز میں کہا اور پھر ان سب کے باہر نکل گانے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔

اب وہ دوڑتا کاپتا پھر تھا غانے والے کرے میں آیا۔ دروازہ کھول کر دبی آواز میں بولا:

”آپ لوگ کہاں ہیں۔ وہ چلنے گئے ہیں۔“

”ہم ان صندوقوں میں ہیں۔ اور آپ کی خیریت اللہ تعالیٰ کے نیک چاہتے ہیں۔“ فاروق کی آواز گونجی۔

”اور۔ اور وہ مردہ۔“

سے ”مردوں کے ساتھ ہماری پرانی دوستی ہے۔ یہ ہمیں کچھ نہیں کہتے؛ آفتاب نے کہا۔

”تت۔ تو کیا ان صندوقوں میں واقعی مرد ہے ہیں؟“

”اُبے نہیں۔ بس ذرا دیر کے لیے ہم خود مرد ہے ہیں۔“  
گئے تھے۔ ذرا دیر کے مردہ بننا کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہوتا۔  
بے شک آپ بھی بن گر دیکھ لیں۔ مکعن نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں جناب؟“ اس نے لرزتی کلام میں کہا۔

”آپ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ ہم آپر آئے ہیں، ان فکر مدد ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان صندوقوں میں کوئی مردہ نہیں ہے۔“ انپکٹر جمیش بولے۔

”اوہ؟ اس نے مطمئن ہو کر کہا۔

اور پھر دُہ باہر آنے لے گے۔

”ویسے یہ بھی خوب رہا۔“ خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

”فرزاد نے ترکیب بتائی تھی نا۔ اس لیے؟“ فاروق نے نے من بنایا۔

تو تم بتا دیتے۔ تحسین کس نے روکا تھا۔ فرزاد نے بھٹک کر کہا۔

”اچاہیں۔ اب اتنی سی بات پر نہ لڑ پڑنا۔ ہمیں ایک بہت ہی اہم مسئلے پر بات کرنی ہے، لیکن نہیں، پہلے تو ہمیں مسئلہ لالی اور ان کی بیکم کو مطمئن کرنا ہو گا۔“

انپکٹر جمیش نے کہا اور پھر نقلی اور اصلی شاہ اعظم کے اوارے میں تفصیل سے انھیں بتانے لگے۔ ان کے خاموش ہونے پر لالی نے کانپتی آواز نہیں کہا:

”تت۔ تو کیا۔ اصلی شاہ اعظم یہ ہیں۔“

”ہاں! اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔“

”اُن مالک۔ تب تو بہت اچھا ہو گی کہ آپ نے اس ہمیں، انہیں پنام لے لی۔ یہاں تھا خانہ موجود ہے۔“ اس نے کہا۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اب ہم ایک کرے یہیں جیٹھے مشورہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن آپ لوگ اس مشورے میں شریک نہیں ہو سکتے۔“

”ٹھیک ہے، ہم سمجھ گئے۔“ لالی بولا۔

”ہم آپ کے لیے کھانے پینے کی کچھ پیزیں تیار کرتے ہیں۔“ سونیا بولی۔

اچانک انھیں یاد آیا۔ آج انھوں نے ابھی تک کچھ نہیں کیا تھا۔ جیل سے نکالتے وقت انھیں ناشا بھی نہیں دیا تھا اور ایسا ضرور سی موں کی لاعلمی میں کیا گیا تھا۔ اس

قسم کی زیادتیاں اس کا طریقہ کار نہیں تھا۔  
”آپ رحمت نہ کریں“ انپکٹر جمیش بولے۔

”آپ کے چہروں سے بھوک صاف نظر ہے میر، ہی ہے، لہذا اس بارے میں آپ کچھ نہ کہیں۔ اب آپ ہمارے ہمان ہیں۔ معزز ہمان۔“

”چلو جسی جمیش۔ انہیں ان کی مرضی پر چھوڑ دو۔“ پروفیسر داؤڈ جلدی سے بولے۔ شاید انہیں کچھ زیادہ ہی بھوک لگ رہی تھی۔ وہ سب مکارے بغیر نہ رہ سکے اور میاں بیوی انہیں ایک کمرے میں چھوڑ کر پہنچے گئے۔ انپکٹر کامران مزانے دروازہ اندر سے بند کر دیا:

”کیا ہم ان پر اس حد تک اعتماد کر سکتے ہیں۔“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

”ہاں باہکل۔ اب یہ لوگ ہمارے خلاف کوئی قدم نہیں آٹھائیں گے۔“ انہوں نے کہا۔

”سوچ لیجیے۔ ہماری گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام ہے۔ اور یہ انعام معمولی نہیں ہے۔“

”اس کے باوجود یہ لوگ مخبری نہیں کریں گے۔“ انپکٹر جمیش نے کہا۔

”خیر۔“ فرحت نے کندھے اچکائے۔

”اور اب۔ سب سے اہم سوال۔ یہ لوگ اس ریاست میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟“ انپکٹر جمیش بولے۔

”اس سے پہلے یکوں نہ ہم اس بات پر غور کر لیں کہ کرنل شوکت عالم کو آخر کس لیے انخوا کیا گیا ہے۔ کہیں ان کا تعلق اس ریاست سے تو نہیں ہے۔“

”کیا مطلب ہے شاہ اعظم زور سے اچھے۔“

”اوہ ہاں۔ ان کے بارے میں ان سے معلوم کرنا چاہئے۔“ کرنل شوکت عالم کا نام تو آپ ہم سے کئی بار سن پکے ہیں۔ لیکن ہم نے آپ کو ان کا حلیہ نہیں بتایا۔ پہلے آپ ان کا حلیہ سن لیں۔ اور پھر غور کریں۔ شاید ان کا اس ریاست سے کوئی تعلق ہو۔“

”فرمائیے۔“ انہوں نے کہا۔

انپکٹر جمیش نے کرنل شوکت عالم کا حلیہ دہرا دیا۔ ان کے خاموش ہوتے ہی شاہ اعظم کی انکھیں چرت سے پھیل گئیں اور وہ بے چین نظر آنے لگے۔

”خیر تو ہے۔ آپ بے چین ہو گئے۔“

”آپ نے جو حلیہ بتایا ہے۔ اگر یہ حلیہ کسی اور شخص کا بھی نہیں ہے تو پھر میں کرنل شوکت عالم کو اچھی طرح جانتا ہوں، لیکن اس نام سے نہیں۔ ایک اور نام سے: شاہ اعظم“

”میرا بیٹا تو پہنے ہی چانسی پا چکا ہے۔ اب لے دے کے ہمارے خاندان میں بس ایک چھوٹے صاحب یعنی آپ کے کرنل شوکت عالم ہی رہ جاتے ہیں۔ اور جب انھیں میری وفات کا حلم ہو گا یا ریاست فروخت ہونے کے بارے میں نہیں گے تو ضرور اس معاملے میں دل چپی لیں گے۔“  
”اوہ! ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”بولے۔ کیا مطلب۔ آپ کس نام سے انھیں جانتے ہیں؟“  
”چھوٹے صاحب کے نام سے۔“  
”بھی۔ کیا مطلب۔ یہ کیا نام ہوا؟“

”چھوٹے صاحب میرے چچا زاد بھائی ہیں۔ میرے والد اور ان کے والد۔ یہ دو ہی بھائی تھے۔ اور ان دونوں کے بھی ایک ایک ہی بیٹا پیدا ہوا۔ یعنی ایک میں۔ ایک چھوٹے صاحب۔ پھر میرے چچا وفات پا گئے اور چھوٹے صاحب نے ریاست میں رہنے کی بجائے آپ کے ملک میں رہنا پسند کیا۔ دراصل اسے اعلیٰ تعلیم کا بہت شوق تھا۔ یہ شوق اسے آپ کے ملک لے گیا۔ اور پھر اس نے وہیں تعلیم حاصل کر کے فوج میں ملازمت اختیار کر لی ہو گی۔ مجھے نہیں معلوم۔ اس نے اپنا نام شوکت عالم کب رکھا۔ میں تو اب تک اسے چھوٹے صاحب کے نام سے جانتا ہوں۔“

”تت۔ تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ۔“ محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

”کہیے۔ آپ رُک کیوں گئے۔“

”فرض کریں۔ آپ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تو پھر۔ اس صورت میں ریاست کا والی بننے کا زیادہ حق دار کون ہو گا؟“

## تکیہ کا استعمال

چند لمحے تک موت کا سناٹا طاری رہا... آخر پروفیر داؤد بولے :

”اس کا مطلب ہے ... ان لوگوں نے ریاست کے دونوں حق داروں کو موت کے گھاث اتارنے کا پروگرام بنا لیا تھا... مسٹر شاہ عظیم تو بال بال پسخ گئے... لیکن انہوں نے کرنل شوکت عالم کے ساتھ کیا سلوک کیا... یہ ابھی ہمیں نہیں معلوم ... گویا اس وقت ہم صرف اور صرف اس نتیجے پر پسخ پانے ہیں کہ سی موں اور بلاسٹڈ کنگ ریاست شاہ عظیم پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ... اور ایسا کرنے کا حکم باقاعدہ ان کی حکومت نے دیا تھا... اس سلسلے میں چار ماہ پہلے سی موں اور بلاسٹڈ کنگ کو رہا کرایا گیا... بلاسٹڈ کنگ تو خود مسٹر سی موں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے ... اور اب ہمارے مقابلے پر مسٹر سی موں رہ گئے ہیں ... ان کے ساتھ پوری ریاست کے فوجیوں کی طاقت

ہے... کیوں کہ وہ انھیں اصل شاہ عظیم تسیم کر چکے ہیں؟  
”اور یہ ابھی معلوم کرنا ہے ... کہ ان لوگوں کو اتنا  
لبھا چوڑا چکر چلانے کی ضرورت کیا پیش آگئی؟  
”ہوں ... دوسرے یہ کہ یہ بتائیں جانے کے لیے ہمیں  
اس جگہ پہنچنا ہے ... جس کو بلاسٹڈ کنگ کا محاذ کہا جائے  
تھا۔“

”اوہ ہاں ... واقعی؟“ کہنی آوازیں ابھریں.

”سوال یہ ہے کہ ہم اس عاذ تک کس طرح پہنچیں۔  
فرزانہ بڑھتا ہے۔“

”سوچ کوئی تکیہ ... یہ تمہارا تکیہ کیوں سمجھا دماغ آخر  
کب کام آتے گا؟“  
”مشکل یہ ہے کہ ہم باہر نہیں نکل سکتے ... اور  
باہر نکلے ... ادھر گرفتار ہوئے ... اور باہر نکلے بغیر ہم کچھ  
کر نہیں سکیں گے۔“

”ہوں ... یہ بات بھی ہے:“ محمود بولا۔

”ان حالات میں کوئی تکیہ کس طرح بتائی جا سکتی  
ہے؟“ فرحت نے منہ بنایا.  
”یہ تمہارا کام ہے ... ہم کیا بتائیں؟“ آصف نے  
طنزیہ لجھے ہیں کہا۔

نیھر... اب تو بتا دیا... اب ذہن میں رکھنا... اور کسی بھی نام کو ناول کا نام قرار نہ دینا۔ ”اصفت مسکرا لیا۔ ”سوری امیں یہ پابندی ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت فرحت اور فرزانہ اندر داخل ہوئیں... ان کے چہروں پر کامیابی کی چمک تھی۔

”خیرت ہے، تم تو پانچ منٹ سے بھی پہلے آگئیں؛ تو اور کیا کرتیں... ترکیب ذہن میں آگئیں... ہم چلی آئیں؟“

”خوب... تو تم نے کچھ سوتھ بیا ہے... جلدی بتاؤ؛ فان رحمان خوش ہو گئے۔“

باہلکل سامنے کی بات تھی... لیں اس وقت ذہن میں نہیں آئی... ہم گھر سے باہر نکل کر اس حماڑی تک ہی جانا چاہتے ہیں نا... اور پولیس ہمارے راستے کی کاڈی ہے... تو پھر ہم ایک بار پھر میک اپ کا سہارا لے لئے ہیں... فوجیوں کی دردیاں انہار دی گئے تو یونچے سے اپنے پٹرے نکل آئیں گے اور تھوڑے تھوڑے کو آس کے یہاں سے نکل سکتے ہیں؛“ اس میں کوئی تھک نہیں... کہ ترکیب شان دار

”اگر یہ بات ہے تو مجھے اور فرزانہ کو پانچ منٹ کی ملت دیں... ہم دوسرے کمرے میں جا کر سوچنا پسند کریں گی؟“

”ہماری طرف سے تو تم تیسرے کمرے میں چلی جاؤ؛“ محمود جلدی سے بولا۔

”اوہ فرزانہ چلیں...“ دو نوں اٹھ کر باہر نکل گئیں...“

”لبھیے حضرات... ترکیب کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو جائیئے۔“ افتاب نے گویا اعلان کیا۔

”ترکیب کا استقبال...“ شوکی کے منہ سے جیرت زرد انداز میں نکلا۔

”ہاں... کیوں... کیا استقبال نہیں کیا جا سکتا۔“ مکنے کو تو آپ کسی چیز کا بھی استقبال کر سکتے ہیں۔“ مکھن نے منہ بنایا۔

”کچھ بھی ہو... یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا...“ فاروق بولا۔

”شکریہ... تمہارے منہ سے یہ جملہ تو سننے کو ملا...“ اصافت بولا۔

”اگر استنے ہی بے چین تھے... تو پہلے ہی بتا دیئے؟“

ہے۔ انسپکٹر جمیشہ بول ائھے۔

متو پھر عمل شروع کریں... دیر کا ہے کی "منور علی خان نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے... میں اور انسپکٹر جمیشہ میک اپ کرنا شروع کرنے یہیں... ہم لوگ تین چار پارٹیوں کی صورت میں نکلیں گے۔"

"اور میں گئے کہاں؟" شوکی نے پوچھا۔

یہیں ملنے کی ضرورت نہیں... اپنے اپنے طور پر اس معاذ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے... معاذ پر ہی ملاقات ہو جائے گی۔"

"لیکن آبا جان... ہمیں کیا پتا... معاذ کہاں ہے، اور کس قسم کا ہے۔" فاروق نے اعتراف کیا۔

"عقل سے کام ملے لگے ہم معاذ تک جانے کی کوشش کریں گے۔"

"بہت بہتر۔ وہ بولی۔

احنوں نے لالی سے جلد جوڑے کپڑوں سے لے لیے تاکہ انہیں وہ لوگ پہن سکیں جن کے پڑے ازدھے کے خون سے خراب ہوئے تھے اور پھر احنوں نے میک اپ کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس کام میں کافی وقت لگ

گی... آخر وہ فارغ ہو گئے۔

اب کام رہ گیا پارٹیاں بنانے کا، شوکی نے کہا۔

"پارٹیاں بنانے کا کام میں تم لوگوں پر چھوڑتا ہوں؟"

انسپکٹر جمیشہ مسکاتے۔

"کیا مطلب؟"

"بس... تم جو پارٹیاں بناؤ گے... ہم ان کے مطابق

یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"اچھا تو پھر... ہم ذرا کاغذ پر پارٹیوں کی تفصیل لکھ

یں... اس طرح آسانی رہے گی۔"

"ضرور... لیکن زیادہ وقت نہ لگانا۔"

"بہت بہتر۔"

چھپوئی پارٹی... کاغذ اور کلم لے کر بیٹھ گئی... پہلے

سب کپڑوں کے نام لکھے گئے... اور پھر ان کے گروپ

ترتیب دیئے گئے... عین اسی وقت دستک ہوئی، وہ

چونک ائھے۔

"اب... اب کون اگیا؟ پروفیسر داؤڈ ہر کھلانے۔

"گھبرا نے کی ضرورت نہیں بیہ۔

"ضرورت اس یہے ہے کہ ابھی ہم نے کچھ کھایا پیا

نہیں۔"

بھر حال... دروازہ کھول کر دیکھنا پڑے گا۔ انپکٹر جمشید نے کہا اور دروازے کی طرف چل پڑے، اسی وقت لالی اور سونیا بچتے ہوئے ان تک پہنچ گئے... ان کی آنکھوں میں خوف تھا۔  
”سیکول... باہر کون لوگ ہیں؟“  
”جی... ہمیں کیا معلوم... ہم تو باورچی خانے سے آ رہے ہیں... اسے... یہ... آپ... آپ کون لوگ ہیں...“  
لالی نے بوکھلا کر کہا اور پھر دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

لگبرانے کی ضرورت نہیں... ہم لوگوں نے میک آپ کر دیا ہے... آپ بے وحشک دروازہ کھول دیں... اب ہم آنے والوں سے بُٹ میں گے۔

”اچھی بات ہے... آپ جائیں۔“ اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا... وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے... جلد ہی انھوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر کسی نے سرد آواز میں کہا:

”خبردار... حرکت نہ کرنا... درنہ گولی مار دیں گے...“  
”جی... کیا مطلب؟“  
”تم نے ان لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی۔“

بے نا：“  
”لک... لکن لوگوں کو؟“ لالی کی آواز سنائی دی۔  
”بہتر... ہم خود دیکھیں گے؟“  
”مگر میں میرے مہماں کے سوا کوئی نہیں ہے؛“  
”مہماں... ہم بھی تو ان مہماں کی ہی تلاش میں ہیں؛“

”کیا مطلب؟“ لالی بولا۔  
”خاسوش رہو... آ تو آگے؟“  
بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... اور پھر کئی آدمی ان کے کمرے میں داخل ہو گئے... دوسرا لمبے حیران کن تھا۔  
انھوں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا... دل دھک دھک کر دیا ہے... آپ بے وحشک دروازہ کھول دیں... اب ہم آنے والوں سے بُٹ میں گے۔

”نہیں بھئی... یہ وہ لوگ نہیں ہیں... یہ ضرور ان کے مہماں ہی ہیں۔“

”آخر آپ کون لوگوں کی تلاش میں ہیں؟“ انپکٹر کامران مرزا نے بدلتی ہوئی آواز میں کہا۔  
”جو لوگ عمل سے فرار ہوئے ہیں... کیا پویس اس گھر کی تلاشی نہیں لے چکی؟“

لے چکی ہے جا ب۔"

"بس تو... ہم بھی انھی کی تلاش میں ہیں... ہم زرا  
اپنے طور پر تلاشی لے رہے ہیں۔"

"شوق سے یہیے جا ب..." غان رحمان نے ہازوں  
کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں... وہ لوگ اس گھر میں نہیں ہو سکتے؛ ان  
میں سے ایک نے کہا... اور پھر وہ جانے کے لیے مڑے.  
ایک منٹ جا ب... ہم آپ کو ایک کام کی بات  
ضرور بتا سکتے ہیں...؛ اچانک انپکٹر جہشید ہوئے.  
"کام کی بات... کیا مطلب؟"

"مشتری بلائنس کنگ تو مارے جا چکے ہیں... اب آپ  
ان لوگوں کو کیوں تلاش کر رہے ہیں؟"

"کیا مطلب... کون بلائنس کنگ... آپ کو کیسے معلوم  
ان کا انچارج چونک کر بولا۔"

"آپ ذرا غور سے دیکھیں... ہم ہی وہ لوگ ہیں،  
جن کی آپ کو تلاش ہے؛"  
"کیا!!" وہ چلا اٹھے۔

"جی ہاں! ہم دراصل اس وقت میک آپ ہیں ہیں"  
"اس سے پہلے کہ ہم میک آپ اتاریں... اور آپ

لیاں سے لے کر جائیں... ہمارے ایک دو سوالات  
جواب ضرور دے دیں۔"

"کیسے سوالات؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"آپ لوگ ہیں گر فتاو کر کے کہاں لے جانے  
لے تھے؟"

"جمان مشتری بلائنس کنگ لے جانا چاہتے تھے؛" اس نے  
دی سے کہا۔

"لیکن کس جگہ؟"

"جلگہ کے بارے میں تم لوگوں کو نہیں بتایا جا سکتا؛  
تب پھر ہیں وہیں لے چیں... ہم وہی لوگ  
ہیں؟"

"ہم... مجھے یقین نہیں آ رہا،"

"میں ابھی یقین دلا دیتا ہوں؛" انپکٹر کامران مرزانے  
اور اپنا ریڈی میڈ قسم کا میک آپ اتار کر اسے چھرو  
لکھا دیا... اور پھر میک آپ میں آگئے۔

ان کی آنکھیں حرمت کی زیادتی سے پھیل گئیں...  
خراچارج نے کہا:

"ٹھیک ہے... یقین آ گیا... اب تم سب ہمارے  
لائق چلو گے؟"

کہاں... اس محاڑ پر۔"

نہیں... وہاں تو اب مشریقی موں خود پہنچ پکھے  
ہیں... ہم تو تم لوگوں کو ایک الگ تھلک جگہ لے جانا  
چاہتے ہیں، تاکہ سڑ بلاںڈ سنگ کا انقام تم لوگوں سے  
میں سکیں۔" کیا مطلب؟"

مرنے سے پہلے انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی  
تھی۔ "انچارج بولا۔" تھا... تو لیا اوپر سے گرنے کے بعد بھی کچھ دی  
زندہ رہتا۔

"ہاں... بھلک بھلک منت۔" اس نے کہا،  
لیکن جب آں ہیں لے کر باہر نکلیں گے تو  
پسیں ہیں بھی اور آں لوگوں کو بھی گرفتار کرے گی  
اور آپ انقام نہیں لے سکیں گے۔ محمود نے اعتراف  
کیا۔

یہ بات ہی ہم بھی سوتھ رہے ہیں... لیکن جیسے بھی  
ہو... ہم تم لوگوں کو ایک دیران جگہ لے کر ضرور جائیں  
گے... چاہے ہیں اپنی زندگیاں بھی داؤ پر لگانا پڑیں۔  
اوہ... تو یہ بات ہے... خیر... ہماری بھی ایک

ہے۔" یہاں مطلب... کیسی تجویز۔"

"آپ لوگ ہیں اس محاڑ تک لے چلیں۔"  
"کیوں... کیوں لے چلیں؟"

وہاں لے جاسکہ اپنا انقام لے لیں؟"  
انہوں... ہم اس تجویز پر عمل نہیں کر سکتے  
اں اب مشریقی موں موجود ہیں۔"  
"خیر... آپ کی مرمنی۔" انپکٹر کامران مرا نے  
ندھے اچکائے۔

"تو بھر چلو ہمارے ساتھ۔"  
انہوں! ہم بھی آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے  
ہاں ہم آپ لوگوں کو مزدور اپنے ساتھ لے جائیں گے  
ان الفاظ کے ساتھ ہی انپکٹر جہشید نے ان کے  
انچارج پر چلانگ لگا دی... پستول اس کے ہاتھ سے  
نکل کر دور تک چلدا چلا گیا... اسی وقت انپکٹر کامران  
مرزا نے بھی چلانگ لگانی اور ایک آدمی کو چھاپ پہنچئے  
تھے... پھر بعد مفر علی خان، خان رحمن اور کنل  
فراہم کیوں رکے رہتے... اور چھوپلی پارلی بھی کیوں  
حرکت نہیں نہ آتی... اکرام اور شاہد کیوں کہ کھڑے رہتے

ہاں... صرف پردیسر داؤد ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے تھے... شاہ اعظم تک ان سے بھرہ گئے تھے۔ نتیجہ یہ ت انگر نکلا... جلد ہی وہ ان کے قابو میں آگئے۔

”ہاں بھی... ہمیں اس محاذ تک لے چلتے ہو یا نہیں۔“

”نہیں... ہرگز نہیں۔“ انپارچ نے مضبوط بجھے میں کہا۔

”کیا تمہارے تمام ساتھی اس جگہ سے واقع نہیں ہیں؟“

”ہاں بالکل... لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“ جواب میں انپکٹر جمشید نے ایک فائر کیا... انپارچ کا جسم فرش پر لگ کر تراپنے لگا۔

”تم لوگوں میں سے کون کون زندہ رہنا چاہتا ہے؟“ انپکٹر جمشید کی سرد آواز سنائی دی۔

”لگ... کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ جو ہمیں اس محاذ تک لے جانے کے لیے تیار ہیں... ہم صرف انھیں زندہ چھوڑیں گے... باقیوں کو گولی مار دیں گے؟“

”ایک منٹ... ہمیں غور کرنے دیں۔“  
”غور تو آپ بے شک پانچ منٹ تک کریں...  
غور کی مدت دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔“ فاروق  
خوش آواز میں کہا۔

”دھست تیرے کی... اسے ان حالات میں بھی چین  
نہیں۔“

”میوری کس بات سے بے چینی کا اظہار ہوا ہے؟“  
”نے گھبرا کر کہا اور خان رحمان مسکتا دیے۔

”ہاں بھی... کیا کہتے ہو؟“

”ٹھیک ہے... ہمیں منظور ہے۔“

”کیا منظور ہے؟“ انپکٹر جمشید بولے۔

”ہم آپ لوگوں کو محاذ تک لے چلیں گے... لیکن  
ہاں جانے کے بعد ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہو۔“

”بالکل نہیں... تم لوگ آزاد ہو گے... کسی بھی طرف  
بما سکو گے؟“

”اور اگر ہم انکار کریں۔“

”تو یو جو حشر تمہارے انپارچ کا ہوا، وہی تم لوگوں  
کا ہو گا۔“

لے پلیئے... ہم آپ کو لے کر چل رہے ہیں... وہاں مشری مون موجود ہیں... آپ سے خود ہی بٹ لیں گے؛  
”وہ مجاز ہے کس قسم کا؟“  
”یہ ہم نہیں جانتے؛“  
”کم از کم اتنا تو بتا دیں... کیا فوجی قسم کا مجاز ہے؟“  
”خان رحمان بولے۔“  
”ہاں... یہی بات ہے۔“

”اوہ... اچھا؛“ خان رحمان کے منہ سے کپکپائی آواز میں نکلا.

”اب ہیں وقت منائے نہیں کرنا چاہیے خان رحمان۔“  
”بائیں تو راستے میں بھی ہو سکتی ہیں،“  
”قہ لوگ آئے کس چیز پر ہو،“  
”وین پر... باہر کھڑی ہے،“  
وہ باہر نکلے... لالی اور سونیا نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا،

”افسوس... ہمیں کھلنے پینے کی فرمت بھی نہیں مل سکی؛“ انپکٹر جمیڈ بولے.  
”کوئی بات نہیں... جمیڈ،“ پروفیسر داؤڈ نے خوش دلی سے کہا.

”ہم آپ لوگوں کا انتظار کریں گے؛“ لالی بولا،  
”اور ہم بھی واپسی پر یہاں ضرور آئیں گے؛“  
انھوں نے ہاتھ ہلاتے اور گھر سے نکل سکتے، دروازے  
بھی ایک بڑی سی ولگن کھڑی تھی... اس میں لد  
لئے... ڈرائیور نگ سیٹ انپکٹر جمیڈ کے سنبھالی... ان کے  
ماں تھے حملہ آوروں میں سے ایک کو بھٹکایا گیا... اور اس طرح  
اس مجاز کی طرف روانہ ہوتے۔

”تت... تو وہ مجاز فوجی قسم کا ہے،“ خان رحمان نے  
گفتگو کا سلسلہ شروع کیا.  
”آپ پریشان کیوں ہو گئے انکل... آخر اب ہم وہاں  
بچھیج ہی جائیں گے،“  
”ہو سکت ہے... راستے میں کوئی اور چکرہ چل جائے  
اس لیے ان لوگوں سے معلومات حاصل کر یعنی میں کیا  
حرج ہے۔“

”بات تو یہ بھی ٹھیک ہے،“  
”ہاں جا ب... وہ کوئی فوجی قسم کا مجاز ہے... لیکن  
وہاں ان گنت ماہرین کام کر رہے ہیں... بیب کہ فوجی  
مجازوں پر ماہرین کام نہیں کرتے... صرف فوجی ہوتے  
ہیں...“

”اور تم لوگ وہاں کس ٹویوی پر رکتے۔“  
”صرف نگرانی پر... تاکہ کوئی غیر متعلق فوجی اس  
طریقہ نہ آ جائیں۔“

”کیا وہاں کوئی شخص قید بھی ہے؟“

”جہاں تک ہمیں معلوم ہے... کم از کم ایک قیدی  
وہاں ضرور ہے۔“

”بہت خوب... تب ہماری منزل دہی ہے، انپکٹر کامران  
مرزا نے پروش انداز میں کہا۔“

”مدرسی مون نے مسٹر بلاینڈ سنگ کی جگہ لی ہے،  
کیا اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا؟“

”بھی نہیں... کیوں کہ اس سارے منصوبے کے اصلی  
انچارج مدرسی مون ہیں... مسٹر بلاینڈ سنگ کو ان کی  
ماہثتی میں دیا گیا تھا۔“

”اوہ... تو پھر مسٹر بلاینڈ سنگ نے ان سے روانی  
کی جرأت کس طرح کی۔“

”انھیں یہ بات معلوم نہیں تھی... یہ بات بعد میں  
معلوم ہوئی... جب مسٹر بلاینڈ سنگ مر گئے... اس وقت  
مسٹر مون نے یہ بات ہم سے کہی تھی اور ہمیں عاذ  
پر روانہ ہونے کی ہدایت کی تھی... لیکن پھر انھوں نے

کہا کہ چون کہ ہم نے تم لوگوں کو دیکھا ہوا ہے... اس لیے ہم  
بھی آپ لوگوں کو تلاش کرتے چھریں۔“ اس نے جلدی جلدی  
کہا۔

”لیکن... آپ نے تو کہا تھا کہ انتقام لینے کے لیے  
تلاش کر رہے ہیں؟“

”اگر ہم آپ لوگوں کو گرفتار کر کے مدرسی مون کے  
ولے کر دیتے تو یہ بھی تو انتقام لینا ہی ہو گا۔“ اس نے  
کہا۔

”ہوں... یہ بات ٹھیک ہے... ہمارا سفر کتنی دیر کا  
ہے۔“

”زیادہ سے زیادہ ڈریٹھ گھنٹے کا،“ اس نے کہا۔  
ڈریٹھ گھنٹے کے بعد اس نے کہا۔

”بس جناب... ہم اب نزدیک پہنچ گئے ہیں... یہیں  
روک دیجیے۔“

”کیوں نہیں جانے دیں گے... ہمارے ساتھ اس ریاست  
کے والی شاہ اعظم جو ہیں؟  
”وہ انھیں بھی آگے نہیں جانے دیں گے... آپ نہیں  
جانتے... معاملہ کیا ہے؟  
”تو پھر ہیں بتا دو ناکہ معاملہ کیا ہے؟“ آصف نے  
جل کر کہا۔

”تنے فاسٹے پر میں نے آپ لوگوں کو روکا ہے... میں  
تنے فاسٹے سے آپ اس جگہ کا جائزہ لے سکتے ہیں...  
اس کے بعد نہیں... ہم لوگ بھی آگے نہیں جا سکتے... ہم  
صرف دہاں تک جا سکتے ہیں... جہاں فوجی کھڑے ہیں؛  
”تب پھر... آپ لوگ اپنی وردیاں ہیں دے  
دیں۔“

”یہ کام اور بھی خطرناک ہو گا... وہ وردیوں کو  
دیکھ کر راستا نہیں دیتے... بلکہ ان کے پاس ہر چیز کا  
ریکارڈ موجود ہے... ہمارے باقاعدہ نمبر ہیں... اور ان  
نمبروں کے مقابلے ان کے پاس کچھ خاص باتیں رجسٹروں  
میں درج ہیں... جب تک ان رجسٹروں کے مقابلے آپ  
لوگ ان کا اطمینان نہیں کرائیں سکے... وہ آپ کو نہ آگے  
جلنے دیں گے نہ پہنچے۔“

## غُلط غُلط

ویگن رک گئی... وہ پنجھے اتر پڑے۔  
”بہتر تو یہ ہو گا جا بکہ آپ ہیں اجازت دے  
دیں؟“  
”کیا ہم واقعی اس جگہ پنجھے چکے ہیں جس جگہ کو یہ  
لوگ مجاز کا نام دے رہے ہیں؟“ انپکٹر جمیلہ نے بڑبرانے  
کے انداز میں کہا۔

”بھی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔“  
”شکریہ... لیکن ہم پہلے اپنا اطمینان کریں گے؛  
”وہ کیسے؟“ اس نے ٹکر مند ہو کر کہا۔  
”یہاں سے ہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا... ہمیں کچھ  
اور آگے بڑھنا ہو گا... اور دیکھنا ہو گا کہ یہاں کیا ہے؛  
”کچھ ہی آگے بڑھیں گے تو فوجی آپ کے راستے  
میں کھڑے نظر آئیں گے اور وہ آپ کو آگے نہیں جانے  
دیں گے؟“ اس نے کہا۔

۔ یعنی واپس بھی نہیں پہنچنے دیں گے؟  
”ہاں! یعنی بات ہے۔“ اس نے کہا۔

”غیر... آپ لوگ جا سکتے ہیں... ہم خود ہی دیکھ  
لیں گے۔“

وہ تو ویجن لے کر چلے گئے... اس کے بعد انھوں  
نے بنور چاروں طرف کا جائزہ لیا... ان کے سامنے دور  
بہت دور خاردار تاروں کی ایک بہت اوپنی دیوار نظر آ  
رہی تھی۔

چلے تو ہم اس دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں... کیا  
خیال ہے؛ انپکٹر جمیل بولے۔

”ان حالات میں اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے؟“ انپکٹر  
کامران مرزا نے کہا۔

”لیکن اس طرح وقت بہت صاف ہو گا... شوکی نے  
خیال ظاہر کیا۔

”اگر تم کوئی ایسی ترکیب بتا سکتے ہو جس سے کم وقت  
ضائع ہو تو ہم شوق سے سنبھلے کے لیے تیار یاں؟“ آصف  
نے کہا۔

”بتا سکتا ہوں... کیوں نہیں بتا سکتا؟“ شوکی سکرایا۔  
”تو پھر بتاؤ... محمود نے اُسے لھوڑا۔“

”میرا خیال ہے... وہ کھانی... جس میں ابراٹا کو دیا تھا،  
کیاست میں داخل ہونے کے لیے نہیں ہے... بلکہ وہ اس  
خواز کے اندر پہنچنے کا سیدھا راستا ہے۔“  
”اوہ؟“ ان کے منہ سے ایک ساختہ نکلا۔

”باتِ دل کو لگتی ہے،“ پروفیسر داؤڈ نے فراہما۔  
”بھیں کوئی اعتراض نہیں انھل... لگا یہی،“ فاروقی  
نے فراخِ دل کا مظاہرہ کیا۔  
”لگک... کیا لگا ہوں؟“

”بات... دل کھو ہے۔  
”حمد ہو گئی۔“ آصف نے جمل کر کہا۔  
”ابھی اور ہو گی... جب شوکی کی ترکیب سے جال  
میں پھنس کر ہم کھانی میں چھلانگ لگائیں گے؛ وہ بولا  
کیا کہا... ترکیب کا جال،“ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔  
”ہاں... ترکیب کا جال... لیکن میں اسے کسی ناول  
کا نام قرار دینے کے لیے اس وقت تیار نہیں ہوں...  
یہوں کہ اس وقت بہت سمجھیدہ لگفتگو ہو رہی ہے،“ فاروقی  
کہا۔

”اللہ کا شکر ہے... تھیں یہ احساس تو ہے؟“ خان  
محان نے غوش ہو کر کہا۔

«معاف کیجئے گا... میں نے کسی کے لیے کوئی جال نہیں بنایا تو ایمان ہے... جو کسی کے لیے جال بنتا ہے... وہ خود اس میں پھنستا ہے:»  
«ارے بھائی... وہ گڑھے کی بات ہے... جو کسی کے لیے گڑھا کھو دتا ہے... خود اس میں گرتا ہے۔» محمود ہن۔

«ایک ہی بات ہے:»

«میں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ ایسے میں انپکٹر کامران مرزا نے سما۔  
لیجیے... ترکیب پر ترکیب ملا جطہ فرمائیئے،» منور علی خان مسکرائے۔

«ترکیب یہ ہے کہ آدھے آدمی کھائی کے ذریعے اندر پہنچنے کی کوشش سریں اور آوفھے آدمی یہاں کسی جگہ سے: «ہاں! یہ ٹھیک رہے گا... اس طرح ہم سب ایک ساتھ تو ستم از ستم نیں چھینیں گے؛ انپکٹر جہشید نے ان کی تائید کی۔

«تو پھر فتحی پارٹیاں بنانے کی بجائے پہلی والی ترتیب ہی رکھی ہے ہیں... صرف یہ فیصلہ کمر میں کہ کھائی کی طرف کون سی پارٹی جائے گی؟» انپکٹر کامران مرزا بولے۔

«میں ان لوگوں کوے کہ تاروں کی طرف جاتا ہوں... آپ اس طرف کو شش کیجیے؛ انپکٹر جہشید بولے.  
چلو جان پسی... کھائی میں کو دنے سے تو بال بال پچے؛ فاروق نے خوش ہو کر کہا.  
مٹھرے جو کام چور،» آصف نے لفڑی لجھے میں کہا.  
تو کیا یہ خاردار تار ان لوگوں نے کام چوروں کے لیے لگائے ہیں؟ شوکی نے حیران ہو کر کہا.  
اور کئی چھروں پر مسکاہٹ پھیل گئی.

«اگر ہم کچھ دیں اور یہاں رکے رہے تو نہ یہاں اپنا ایک محاذ قائم کر لیں گے... جب کہ ہمیں پہلے ہی ایک محاذ کا سامنا ہے،» انپکٹر جہشید نے جلدی سے کہا.

«ٹھیک ہے... میں کھائی کی طرف جا رہا ہوں... اب ان شان اللہ خاردار تاروں کے اس پار ملاقات ہو گی... یہ ملاقات کن حالات میں ہو گی... کچھ کہ نہیں سکتا؛ انپکٹر کامران مرزا نے جذباتی آواز میں سہا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔

«اگر پہلے معلوم ہوتا کہ یہ پروگرام بنے گا... تو دیگن پر ہی چلتے جاتے،» فرزانہ بڑ بڑائی۔  
«نکر نہ کریں... میں بھی ابھی لگا نہیں، دیگن کو کچھ فاصلے

پر کھڑا کر کے آپ لوگوں کی باتیں سننے کے لیے آگیا تھا، دراصل یہ جانتا چاہتا تھا کہ آپ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ انھوں نے انپارچ کی آواز سنی۔

جلدی سے اس طرف مرٹکر دیکھا تو وہ کھڑا مکرا رہا

تھا:

”بہت خوب! آپ تو بہت کام کے آدمی ثابت ہوئے“

انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”شکر یہ!“ اس نے کہا۔

”کیا آپ کو اس کھانی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں؟“

”جی نہیں... مجھے نہیں معلوم... آپ کس کھانی کے بارے میں بات کر رہے ہیں؟“

”ہم نے اب تک آپ کا نام نہیں پوچھا،“ انپکٹر جمیش نے خیال آنے پر کہا۔

”میں نمبر ۱۵ ہوں!“

”یہ کیا... بھبھی نام بتاؤ!“ انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”نام گولڈ میں ہے!“ اس نے کہا۔

”گولڈ میں... یعنی سونے کا آدمی!“

”اب آپ چوچھی ترجیح کر رہیں!“ اس نے کہا۔

”اچھا... اللہ حافظ!“ انپکٹر کامران مرزا نے مردتے

کہا۔ اس وقت تک ان کی پارٹی میں شریک ساختی بھی، باقی

ل سے ایک ہو کر ان تک پہنچ چکے تھے۔

”اللہ حافظ!“ دوسری پارٹی میں شریک سب نے ایک

کہا۔

وہ انھیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے... یہاں تک کہ

نظروں سے او محبل ہو گئے۔

”اور اب... اب ہم کیا کریں... کیوں بھتی آفتاب!“

انپکٹر جمیش نے کہا۔

”ہمیں بھی دو پارٹیوں میں تقسیم ہونا پڑے گا... ایک

خی پارٹی... ایک چھوٹی پارٹی... ایک طرف ایک پارٹی جائے

... دوسری طرف کو دوسری پارٹی... اس طرح ہم وقت

لئے میں کامیاب ہو جائیں گے اور جائیدہ مکمل ہو جائے

۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”ترکیب پند آئی... حیرت ہے... آج فرزانہ اور فرحت

ل بجائے یہ لوگ ترسیں بتا رہے ہیں،“ انپکٹر جمیش

بولے۔

”اس میں حیرت کی کیا بات انکل... یہ معمولی باتیں

اہیں... جب کوئی خاص مرحلہ آتا ہے تو پھر ہمیں ذہن پر

آخر دونوں پارٹیاں الگ الگ روانہ ہوئیں ...

”بھی احتیاط کرنا ہے... اور وہ یہ کہ خاردار سے نزدیک نہ ہو جائیں“ فاروق بولا۔

”مل... لیکن... نزدیک ہوئے بغیر ہم جائز کرنے ہیں“ مکھن نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! اس حد تک تو نزدیک ہونا ہی پڑے گا، کہ اپنا کام نکال سکیں۔“ آفتاب نے سر ہلایا۔

”کیا تم... مسٹر نمبر ۱۵ عرف گولڈ میں کی بات مجھوں کیا جاسکے؟“ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

”ہماری یادداشت کمزور نہیں ہے“ فرحت نے منہ آفتاب کے لیے اپنے طرزیہ لجھے میں کہا۔

”تب پھر... کیا بات ہے؟“ فاروق مسکرا�ا۔

”احتیاط کا دامن... جسے ان حالات میں چھوڑا نہیں سکتا“ اس نے پُسکون انداز میں کہا۔

”پکڑے رہو تم چاروں احتیاط کا دامن... میں تو چلا خاردار تاروں کی طرف... جو ہو گا... دیکھا جائے گا“

فاروق نے ہدنا کر کہا... اور تاروں کی طرف تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

”ارے... ارے...“ اور وہ گھبرا گئے اور دوڑ کر اس کے

زور دینا پڑتا ہے“ فرحت نے مسکرا کر کہا۔

”خیر خیر... خاص مرحلے کو بھی دیکھ لیں گے؟“ فاروق بولا۔

”اب کام شروع... تم لوگ ہائی طرف جاؤ گے اور ہم دائیں طرف... الگ خاردار تار کا سلسلہ گول یا چوکر ہے،

تاب تو ہم چکر لگاتے لگاتے آپس میں کہیں نہ کہیں مل جائیں گے، اور الگ ایسا نہیں ہے تو پھر آخری حد تک

جا کر واپس لوٹنا پڑے گا... تاکہ پھر آپس میں کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔“ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

”ٹھیک ہے انکل... آپ کی ترکیب بھی پسند ہے؟“ آفتاب نے طرزیہ لجھے میں کہا۔

”بصیری... یہ طرزیہ لجھہ میرے یہے ہے یا فرحت اور فرزانہ کے لیے؟“ انسپکٹر جمیش مسکرائے۔

”تو ہم کچھے انکل... توبہ... میں اور آپ پر لہز کروں گا؛“ آفتاب گھبرا گیا۔

”ارے... تم ہم پر لہز کرنے والے کون ہو؟“ فرحت نے بھتنا کر کہا۔

”آفتاب بھی میں معلوم میں آفتاب ہوں۔“ وہ مسکرا�ا۔

”کھی کھی... کھی کھی...“ شاہد رہ نہ سکا۔

راتے میں آگئے۔

”دماغ تو نہیں چل گیا۔“

”نہیں... میرا دماغ بالکل ٹھیک جل رہا ہے، اور تمھیں بھی اس کے راستے پر چلنا ہو گا۔“ فاروق نے کہا۔  
”آفتاب... تم بھی“ فرحت لگبرانگی  
”میں کرہی کیا سکتا ہوں۔“ اس نے بجوری کی حالت  
کہا۔

”ہاں... بالکل... اگر نہیں چلو گے، تو تمہارا اور میرا  
راستا الگ ہو جائے گا۔“

”لیکن انکل نے ہیں ایک پارٹی کی چیزیت سے  
روانہ کیا ہے... نہ کہ دو پارٹیوں کی صورت یہیں؟“  
”تو پھر میرے تیچھے آؤ... اور اب میرا راستا روکنے  
کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ“ اس نے غزا کر کہا۔  
”ورنہ کیا۔“

”ورنہ دشمنوں سے تو میں بعد میں دو دو باقاعدوں  
گا... پہلے تم لوگوں سے نبٹوں گا۔“

”ارے میاں جاؤ... بڑھے دیکھے ہیں نہیں ولیے۔“  
آفتاب نے بھتنا کر کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر آج مجھے بھی دیکھو لو...“  
فاروق نے کہا اور ایک چلانگ لگا کر اس سے تدرے

پر چلا گیا۔ پھر خم ٹھونک کر آگے بڑھا۔

”آؤ... آؤ... آج میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ

کی جائے“ آفتاب بھی آگے بڑھا۔

”آفتاب... تم بھی“ فرحت لگبرانگی

”میں کرہی کیا سکتا ہوں۔“ اس نے بجوری کی حالت

”صبر“ اخلاق بولا۔

”ہاں صبر... اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

راحت ہے۔“

”لیکن صبر کرنے کی صورت میں ہیں اس کا ساتھ دینا

کے لگا۔“ آفتاب نے اعتراض کیا۔

”یہی بہتر ہے... آپس میں پھوٹ ڈالنے سے یہ بہتر

ہے کہ ایک ساتھ چلیں... چاہے موت کے منہ میں چلے جائیں۔“

اخلاق نے کہا۔

وہ ساکت رہ گئے... اخلاق ٹھیک کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے بھتی... اخلاق کی بات مجھے بہت پسند

آئی... اب میں صند نہیں کروں گا... بتا دیں... کس طرف سے

چلنا ہے۔“ فاروق نے ہمچیار ڈال دیے۔

”الگ یہ بات ہے تو پھر ہم تمہارا ساتھ دیں گے... چلو

غاردار تار کی طرف بڑھو۔“ آفتاب نے فرما کہا۔

”نہیں... اس راستے کو چھوڑو... وہ ایک جذباتی فیصلہ تھا۔  
اب تم فیصلہ کرو۔“

”نہیں... اب ہم اسی طرف چلیں گے۔“

”آپ لوگ بھی عجیب ہیں... پہلے کس بات پر اڑ گئے  
تھے... اب کس بات پر؟“ اخلاق نے جیران ہو کر کہا۔  
”عجیب ہی نہیں... کتنی لحاظ سے غریب بھی“ فرحت نے  
منہ بنایا۔

”اوہ... کس کس لحاظ سے۔“ مکھن نے جیران ہو کر کہا  
”اگر یہ بتانے بیٹھے تو اور وقت منائے ہو گا“ فرحت  
نے پریشان ہو کر کہا۔

”ہوں... تو پھر بسم اللہ کریں۔“  
اور وہ غارداروں کی طرف بلا کھنکے بڑھتے چلے  
گئے... یوں محسوس ہو رہا تھا... جیسے انہیں موت کا نظر  
گئی خوف نہ ہو۔

”ارے... وہ کیا،“ فرحت نے دبی آواز میں کہا۔  
اضھوں نے ایک ساتھ اسی سمت میں دیکھا... ایک  
درخت کے پیچے فاکی رنگ کا پکڑا ہلتا رکھا تی دے رہا  
تھا:

”ہو شہ ہو... کوئی فوجی پوزیشن یہے کھڑا ہے... اور غالباً  
نے ہمیں دیکھ دیا ہے۔“

”تب تو ہمیں فرار زمین پر گر جانا چاہیے... ورنہ ہمیں  
وقت بھی گولی کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔“

آن کی آن میں وہ سینے کے بل لیٹ گئے اور  
خٹک لگئے۔

”ہم ذرا سا پکڑ کاٹ کر اس درخت کے دوسری طرف  
سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... ہم ایسا ہی کریں گے۔“

وہ آگے بڑھتے پلے گئے... یہاں تک کہ اس درخت کے  
سری طرف پہنچ گئے... اب اضھوں نے دیکھا... یہاں چار  
لی آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے... اور شراب فٹ فٹ کر  
پی رہے تھے... ان کے پاس زمین پر شراب کی چار  
میں بھی رکھی تھیں... اسی وقت ان میں سے ایک نے

”مجھے تو یہ شخص ایک آنکھ نہیں سمجھایا... اس سے تو  
شر بجائنا کہاں ہی بہتر تھے... شراب پر تو پابندی نہیں  
کافی تھی اضھوں نے اور اس نے... آتے ہی پہلا کام  
کیا کہ شراب بند... جا بند... صرف اور صرف انگرائی  
تھا:

کہو... اس قدر پور کام مثا ب اور جوئے کے بغیر بھی بہ دوسری حرمت والی بات یہ تھی کہ اگر ریاست پر غیر ملکی فوجیوں کا قبضہ سختا تو پھر ریاست کے فوجی کامان تھے اس سوال کے ذہن میں آتے ہی وہ شدید الجھن اور بے چینی کا شکار ہو گئے... اور سوالیہ انداز میں یک دوسرے مسئلہ بننا کر کہا۔

کی طرف دیکھنے لگے:

"پیچھے ہٹ آؤ۔" فاروق نے اشارہ کیا۔  
پانچوں کافی فاصلے پر ہٹ آئے... اب آفتاب نے سرگوشی کی:  
"اب ہم کیا کریں... ان حالات کی خبر دوسری پارٹی کو دیں یا آگے بڑھیں؟"

"دوسری پارٹی سے جب ملاقات ہو گی... اس وقت اطلاع دے دیں گے... ان حالات میں ہم کم از کم پیچے نہیں ہٹ سکتے۔" فاروق نے کہا۔

"حرمت ہے... آج تم کام کرنے کے سوڑ میں نظر آ رہے ہو۔"  
حالات کا تقاضا بھی تو یہی ہے؟ فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ہم ان چاروں پر نہایت آسانی سے قبضہ کر سکتے ہیں؛ یہی میں اصفت بولا۔"

غیر کوئی بات نہیں... ہم نے بھی سوچ یا ہے... ہوتا نکال کر یہاں آ جلایا کریں گے اور اپنا کام چالو رکھا کریں گا ان کی گفتگو سن کر وہ ستائے میں آ گئے... پہلی بار انھیں شدید خوف محسوس ہوا... کیوں کہ یہ فوجی ملکی فوجی نہیں تھے... بلکہ غیر ملکی تھے... اور صاف پہچانے جا ہے تھے... یہ دنیا کے فوجی تھے... انھوں نے پریشان نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... جیسے کہ رہے ہوں اس ریاست میں دنیا کے فوجیوں کا کیا کام... چلو سی موں اور بلا مدد لٹک تو آ گئے تھے... اور اپنے ساتھ پکھ ساتھی بھی اس ریاست میں لے آئے تھے... لیکن یہاں تو فوجی بھی دنیا کے نظر آ رہے تھے اور یہ کوئی کم غوبی بات نہیں تھی... اس کا مطلب تو یہ تھا کہ ریاست اس وقت دنیا کے فوجیوں ..... کے قبضے میں ہے جب کہ بظاہر حکمران شاہ اعظم ہی تھا... لیکن ان لوگوں کو یہ بات کہاں معلوم تھی کہ وہ نقی شاہ اعظم ہے... ایک

تک میں آیا... اب وہ رائفلیں لیے ان کی طرف بڑھے اور پھر ایک ایک رائفل کی نال ہر ایک کی کمر سے لگ گئی...

”خبردار... ہاتھ اور پر اٹھا دو۔“ فاروق غزا یا۔

شراب کے گلاس ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے... لیکن قدر خدا کا پتے... اس حالت میں ان میں سے ایک کے منہ سے نکلا:

”لگ... کون... آپ کون جیں؟“

”سے... سی موں... کے... فاروق نے جمل درمیان میں چھپوڑ دیا۔

”ادا... مستر سی موں کے وفاردار... ہم... ہمارا کوئی تصور نہیں۔“

”زمین پر بیٹ جاؤ... اپنے منہ زمین کی طرف رکھو... بلکہ زمین پر ٹکانے رکھو... اگر کوئی غلط حرکت کی تو کھوپڑیاں پاش پاش ہو جائیں گی۔“

”ن... نہیں... نہیں...“ وہ خوف زدہ انداز میں بولے اور حکم کی تعین کی۔

اب فاروق اٹھا... دبے پاؤں ان کی طرف بڑھا... رائفل کو نال کی طرف سے پکڑا یا... اور پھر اسے سر سے بلند کرتے ہوئے ان میں سے ایک کے سر پر دے ماری... اس کی

”ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“

”صرف سچنے سے کام نہیں چلے گا... قدم آگئے بڑھاؤ۔“

”لیکن... سوال تو یہ ہے کہ ان پر قبضہ کر کے ہم کیا کہیں گے... مطلب یہ کہ اس انتقام کا فائدہ کیا ہو گا؟“ ”فائدہ یہ ہو گا کہ ہم ان سے معلومات حاصل کر سکیں گے اور خار مار تاروں کے اس طرف جا سکیں گے؟“ ”لیکن اس کا بھی تو امکان ہے کہ ہم پھنس جائیں اور کہیں بھی نہ جا سکیں؟“

”اس صورت میں بھی ہمیں افسوس نہیں ہو گا۔“ ”تو پھر آؤ۔“ اس نے کہا۔

وہ ایک بار پھر فوجیوں کی طرف ریکھنے لگے... نزدیک پہنچ کر اخنوں نے ان کے اس پاس کا جائزہ لیا... ان کی رائفلیں زمین پر ان کے قریب پڑی تھیں... فاروق نے آڈ دیکھا نہ تاوا... زمین پر رینگنے لگا... وہ ابھی تک اپنے شغل میں لگے ہوئے ستخے... غیر محسوس طور پر وہ رائفلوں تک پہنچ گیا اور پھر انھیں اپنی طرف گھسیٹ لیا... گھسٹنے کی وجہ سے اگر تھوڑی بہت آواز پیدا ہوئی... تو بھی ان کی نعٹ غصت میں دب گئی... ہماروں رائفلیں فاروق اپنے ساتھیوں

گیا خاص طور پر بنائی گئی ہے... یہ چاروں ضرور اس دروازے کے نکران ہیں... آس پاس کوئی اور فوجی نظر بھی نہیں آ رہا... گویا یہاں سے کچھ فاصلے پر ہوں گے؟»  
«اور ان تک ان کی چیزوں کی آوازیں بھی پہنچی ہوں گی؟» محسن نے خیال ظاہر کیا۔

«اگر وہ بھی نشے میں نہ ہوئے تو... ورنہ نشے میں انھیں کچھ احساس نہیں ہو گا؟»  
«فاروق... بات دراصل یہ ہے کہ...» آفتاب کہتے کہتے رک گیا۔

«میں جانتا ہوں... بات دراصل یہ ہے کہ بعد تمہاری گاڑی ہمیشہ امک جاتی ہے... اس میں بریک لگ جاتے ہیں۔» فاروق نے بھتنا کہ کہا۔

«ماں... تمہارا اندازہ درست ہے... خیر میں کوشش کروں گا کہ اب میرے منہ سے یہ الفاظ بھی نہ نکلیں، ملں تو بات دراصل... اوہ پھر وہی... خیر... تو میں عرض کرتا ہوں... اس وقت تمہارا کام شروع ہوتا ہے؟»

«اس وقت میرا کام شروع ہوتا ہے... کیا مطلب؟»  
«مطلب یہ کہ خاردار تاروں پر چڑھتے ہوئے تم دوسری طرف اتر جاؤ؟»

بھیانک چینغ نے فنا کو تھرا دیا... دوسروں کے جھون میں بھی تھر تھری دوڑ گئی... لیکن ان میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ سر اٹھا کر دیکھ لیں... اور پھر فاروق نے باقی تین کے سر بھی توڑ ڈالے۔

چاروں تڑپنے لگے... انھوں نے جلدی جلدی ان کی تلاشی لی... لیکن جیبوں سے سکریٹ اور نقدی وغیرہ کے علاوہ کچھ بھی نہ ملا... آخر وہ خاردار تاروں کی طرف بڑھے، اب تار ان سے زیادہ دور نہیں تھے... اور صاف نظر آ رہے تھے... انھوں نے دیکھا، ان کے سامنے ایک دروازہ تھا... جو اس خاردار دیوار میں بنایا گیا تھا... لیکن اس پر ایک بڑا سا جدید قسم کا تالا لٹکا ہوا تھا۔

«اوہ... اس تالے کی چانی تو ان کے پاس ہوئی چلیے تھی؟» آفتاب نے پریشان آواز میں کہا  
«لیکن کسی کی جیب سے نسلی کیوں نہیں؟» محسن نے اعتراض کیا۔

«یا تو نشے کی حالت میں وہ ادھر اُدھر کجا بیٹھے ہیں؟» پا پھر انھوں نے چابی کو کہیں چھپا رکھا ہے... دونوں صوبیں ہمارے یہے خطرناک ہیں... کیوں کہ تار عجیب قسم کی ہے، اس قسم کے کانٹے میں نے آج تک کسی تار پر نہیں دیکھے

میکا کہا... میں ان خاردار تاروں پر چڑھ جاؤں... سوچا  
بھی ہے... یہ خاردار کس قدر خطرناک ہے؟  
کم خطرناک چیزوں سے ہمارا واسطہ کم ہی پڑتا ہے:  
فرحت مسکانی.

چھپ بھی فرحت... غور تو کرو... پلڈ میرے پیروں میں  
ترجتے ہیں... شاید کسی حد تک پیر کانٹوں سے محفوظ رہیں  
لیکن ہاتھوں کا کیا بنے گا... فاروق نے گھبرائے ہوئے  
انداز میں کہا.

ہاں... تو... معاملہ بہت سنگین ہے... خیر جانے دو:  
آفتاب بولا.

میکا... جانے دوں... خیر... یہ بھی نہیں ہو سکتا... بلکہ  
تو نہیں دیا جا سکتا، فاروق نے فوراً کہا.  
”ذیوں مانتے ہو نہ یوں... عجیب ہونتی ہو“ آفتاب  
نے جل کر کہا.

اے... خبردار... جو مجھے ہونتی کہا... ہونتی ہو گے تم:  
فاروق نے تملک کر کہا.

”میں اس وقت رونے کے موڑ میں نہیں ہوں...  
درنہ بتاتا کہ ہونتی کون ہے؟“ آفتاب نے اے گھورا.  
”رونے کے موڑ میں نہیں ہو اور گھور بھی رہے ہو،“

یہ کیا بات ہوئی؟“

”اُن... تم پھر شروع ہو گئے... ہٹلو... میں چڑھوں  
گی اس تار پر، دیکھتی ہوں کیا ہو جاتا ہے؟“ فرحت نے  
چھلا کر کہا... اور تار کی طرف بڑھی.

”خبردار... جو ایک قدم بھی اور اٹھایا...“ فاروق گرجا  
کی مطلب؟ فرحت اس کی طرف مڑی.

”یہ صرف اور صرف میڑا جی ہے... اور تم میرا عکس  
چھین نہیں سکتیں؟“

”تم... تم... واقعی پاگل ہو فاروق!“ فرحت ہکلائی.  
ہاں میں پاگل ہوں... اسلام... ملک اور قوم کی  
پریشانیوں نے مجھے ہی نہیں... ہم سب کو پاگل بنا دیا ہے۔  
جیرت ہے... تم پاگل نہیں ہو۔“

”خیر... اس حد تک تو میں بھی پاگل ہوں“ فرحت  
مسکانی.

”اب... اب تو تم“ اخلاق ہکلایا.

”میکا کہنا چاہتے ہو بھائی؟“

”اب تو تم... میں بھی خود کو پاگل محسوس کر رہا ہوں؛  
اور وہ مسکانے لے... آخر فاروق نے تار کی طرف  
بڑھنا شروع کیا... ایک بار ہاتھوں نے اس دوران ان

فوجیوں کی طرف بغور دیکھا تھا... وہ ساکت ہو چکے تھے۔  
”لیکن بھئی... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ فاروق  
چلتے چلتے رک گیا... وہ چارہوں دہیں رکے اسے آگے بڑھتا  
دیکھ رہے تھے۔

”حد ہو رکھنی... پھر رک گئے یہ حضرت۔“ فرحت نے  
منہ بنایا۔

”کیا کروں... مجبوری ہے۔“ فاروق نے کندھے اچکائے۔  
”خیر بتاؤ... اب کیا مجبوری پیش آگئی ہے۔“ آتاب

”میں خارہ دار تار کے اس پار پہنچ کر کروں گا کیا۔“  
تم لوگوں کے یہے تالا تو پھر بھی نہیں کھول سکوں گا۔  
”اگر تم اس طرف پہنچ گئے تو پھر ہم بھی اوہر کھڑے  
رہ کر سیا کریں گے... کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچنے کی  
کوشش کریں گے۔“

”اڑے باپ رے۔“ اخلاق گھبرا گیا۔

”کیوں بھئی... کیا ہوا۔“

”مم... میں تو اس پر نہیں چڑھ سکوں گا۔“

”خیر... تم اوہر ہی رہ جانا۔“ فرحت نے منہ بنایا۔

”یہ... یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔“ اس نے بوکھلا کر

”اگر یہ نہیں ہو سکتا، پھر تو چڑھنا ہی پڑے گا۔“  
”غیر... دیکھا جائے گا... پہلے تو فاروق صاحب کی  
ہے۔“

”صرف فاروق کی... صاحب وصب کی نہیں۔“ فاروق  
ہما اور ایک بار پھر آگے بڑھنے لگا... یہاں تک کہ تاروں  
پہنچ گیا... جوں ہی اس نے تار پر ہاتھ رکھا، وہ نور  
اچھا اور ان کے سروں پر سے ہوتا ہوا دور جا گرا۔

## پیارے دشمن

”نہیں؛ اس لیے کہ یہ ہمارے لیے بے ضرر ہیں؛  
رجھشید شوخ انداز میں مسکراتے۔“

”کیا کہ رہے ہو مستر؟ ان میں سے لمبا آدمی حیران  
کر بولا۔“

”ٹھیک ہی تو کہ رہا ہوں... اگر یہ ہمارے لیے خطرناک  
ہیں تو کب کی چل جکی ہوتیں... ہمیں نہیں معلوم... تم  
دار تاروں کی دیوار سے بہت قریب ہو چکے تھے اور  
کسے کونے سے نکل کر سامنے آئے ہو... چاہتے تو اس  
کے پیسے رہتے ہوئے بھی ہمیں یک دم ختم کر سکتے تھے  
ایک طرف چٹانیں آگئی تھیں... اب وہ چڑاؤں سے اس  
طرف رہ گئے تاروں کی دیوار کا جائزہ لیتے ہوئے تو آگے نہیں  
بڑھ سکتے تھے... یہی وجہ تھی کہ انھیں بہت نزدیک ہوتا  
ہے... لیکن پھر انھیں رک جانے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ  
آیا... کیوں کہ ان کے سامنے اچانک کئی سین گنیں تن  
گئی تھیں اور یہ سین گنیں بھی جدید تریں تھیں۔“

”ماختہ اوپر اٹھا دو۔“  
”اس مرحلے پر تو ہم ماختہ اٹھانے پر تیار نہیں ہیں،  
انسپکٹر جھشید نے منہ بناایا۔“

”خیر... ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کوئی غلط حرکت نہیں  
کیا مطلب... آپ ماختہ اٹھانے پر تیار نہیں ہیں،  
لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم غلط حرکت  
کر گیا آپ کو ان سین گنوں کا کوئی خوف نہیں ہے؟“

”بس... ہاتھ اور پا اٹھا دو... اور ہمارے اگے اگے چلتے رہ  
اس کے علاوہ تم بوجھ کرو گے... وہ ہمارے نزدیک غلط حرکت  
ہو گی“.

”بہوں... اگر ہم تمہارے ساتھ دوستانہ ماحول میں چلیں...  
تو؟“

”یہ صدر سی موں کے حکم کی خلاف درزی ہو گی“  
”وقت ہمیں سی موں کے سامنے پیش کرنا چاہئے ہو“  
”باہل؟“

”اچھا تو پھر ہم تمہارے ساتھ نہیں چلتے... چلاو گولی“  
انپکٹر جمیلہ مسکرائے.

انہوں نے ایک بار پھر بے بسی کے عالم میں  
ایک دوسرے کی طرف دیکھا.... اور پھر بے بسی نے  
کندھے اچھائے.

”جیسے آپ کی مرضی...“ یہ کہہ کر اس نے رائف کی  
نال ان کی طرف اور بھی سیدھی کر دی... اس کے ساتھی  
بھی گولی چلانے کے لیے تیار ہو گے.

منور علی خان، کرنل فارانی اور شاہد کے دنگ اڑ  
گئے... لیکن انپکٹر جمیلہ باہل پر سکون انداز میں کھڑے  
رہے... فوجیوں کی انگلیاں ڈیگروں پر دباؤ ڈالتی محسوس

”لیکن پھر انگلیاں ہٹ گئیں اور نالیں جھک گئیں...  
”یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔“ بلے آدمی کے منہ سے

”تب پھر... کیا کریں... پیش تو انھیں کرنا ہے؟“

”ہاں! اب ہم دوسرا طریقہ انتیار کریں گے؛ لیا آدمی

”دوسرा طریقہ... یعنی کیا مطلب؟“ اس کے ایک ساتھی  
کہا۔

”ہم طاقت کے ذریعے انھیں زیر کریں گے اور بالآخر  
لے جائیں گے... ہم بھی دیکھیں گے... یہ کس طرح نہیں  
ہے۔“

”ترکیب اچھی ہے؛“ اس کے ایک ساتھی نے کہا.  
”لیکن... صدر سی موں نے کیا کہا تھا... شاید آپ  
دل گئے؛“ ایک تیسرے نے کہا.

”اوہ!“ ان کے منہ سے نکلا.  
”بھی کیا کہا تھا... ذرا ہمیں بھی بتا دیں،“ انپکٹر  
شد جلدی سے بوئے.

”یہ کہ اگر آپ لوگوں سے سامنا ہو جائے تو دست  
ت جنگ سے ہر حال میں بچا جائے؟“

تب پھر بچتے کیوں نہیں؟ "منور علی خان ہنسے۔ چاروں طرف رانفلین تین تھیں... اور خون خوار نظری جی کیسے بچیں..." اس نے کندھے اچکائے... اور پھر ہیں۔

رانفلین ایک طرف پھینک دیں۔ "اوہ... یہ لوگ بھی ہیں؟" منور علی خان بڑھا۔

وہ کلیں دس تھے... اور یہ چار... "تب پھر ہمیں کیا ضرورت ہے لڑنے پھرنا کی... ان حالات میں ہم ایک طریقہ آزمایا کرتے ہیں؟" اپکڑ لیں بھی ہم سی موں تک ہی ہٹپنا چاہتے ہیں؟ "ازاد خالت میں... نہ کہ قیدیوں کی صورت میں؟" وہ جشید نے سکرا کر کہا۔

"جی طریقہ... کیا مطلب؟"

"ہم ایک دائرے کی صورت میں روئیں گے... اس طرح کہ ہمارے منہ دشمنوں کی طرف ہوں گے... مگریں دائرے کے اندر ورنی طرف ہوں گی... اس طرح یہ لوگ تیادہ دہائیں۔" "جی کیا مطلب؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"شاہ اعظم اگر اس وقت ہمارے ساتھ ہوتے تو بکھری ہتے... کہ کیا مطلب؟" اپکڑ جشید بولے۔

"لگ... کیا مطلب؟" شاہد نے کاپ کر کہا... شاید وہ

کی کا مطلب سمجھ گئے تھے؟

"ہاں! آپ لوگ سمجھ گئے ہیں... یہ فوجی ریاست شاہ اعظم کے فوجی ہرگز نہیں ہیں۔"

"تھت... تو پھر... ونڈاں کے ذمی ہیں؟" شاہد ہٹکایا، "ہاں! اس وقت پوری ریاست دراصل ونڈاں کے

"یہی تو آپ کی غلط فہمی ہے... منور علی خان... اپکڑ جشید اداس انداز میں سکرائے۔

"جی کیا مطلب؟"

"اپنے چاروں طرف کی چٹانوں کو دیکھیے؟" اخندر نے ایک ساتھ چٹانوں کی طرف دیکھا... ان

”خبردار... ان لوگوں کو جان سے نہیں مارنا... مشری  
مون کی بھی ہدایت ہے:“ بلیے آدمی نے اپنی ہدایت دی۔  
”اور یہ چاہے ہمیں جان سے مار ڈالیں۔“ ایک فوجی  
نے خوش گوارہ انداز میں کہا۔  
”نہیں... ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے:“ اس نے

کہا۔

”تو کیا ہوا... ان کے ہاتھ پریر تو ہیں:“  
”ہاتھ پریر تو قم بھی چلاو گے:“

وشنمن ایک ایک قدم اٹھاتے ان کے نزدیک آگئے۔  
اب ان کی تعداد سو کے قریب تھی اور سو کے مقابلے  
میں صرف چار تھے... جو یا ایک کے مقابلے میں پچیس موجود  
تھے۔

”نہیں ہحال میں اپنا دائرہ قائم رکھنا ہے... اگر یہ ہمارا  
 دائیرہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم پر شکست ہماری ہو  
گی،“ انسپکٹر جمیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اسی وقت ان پر حملہ ہو گیا... ان کے ہاتھ دفاع کے  
لیے اٹھ گئے... ساتھ ہی ٹانگیں حرکت میں آئیں... کئی  
چیزوں ایک ساتھ ابھریں... یہ چاروں سوچربہ کار تھے... خاص  
طور پر انسپکٹر جمیل... ان کے بعد منور علی خان بھی بہت

قہنے میں ہے... جب کہ ہم یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ مژ  
سی مون نے شاہ اعظم کے بھیں میں صرف ریاست کے  
تخت پر قبضہ کیا ہے... حالاں کہ ایسا نہیں ہے... عمل  
طور پر بھی تمام ریاست ان کے قبضے میں ہے، اور ہے  
فوجی اس بات کا ثبوت ہے:“

”اُن مالک... بیوی... سب کیا ہے:“  
”آپ لوگ تو آپس میں باتیں کرنے لگے... مقابلہ نہیں  
کرنا ہے کیا:“

”ادہ ہاں... آئیں... ہم مقابلہ کریں گے:“

”سب... چوں چوں کا مرتبہ بن جائیں:“

”ہم اپنے دین کے لیے... اور ملک و قوم کے لیے  
مرتبہ تو کیا چیزیں بھی بخنے کے لیے تیار ہیں،“ انسپکٹر جمیل  
نے خوش گوار انداز میں کہا۔

”بہت خوب... ہم بھی آپ لوگوں کو چیزیں کی صورت  
دے دیں گے... فکر نہ کریں:“

یہ کہ کہ بلیے آدمی نے چنانوں پر کھڑے لوگوں کو  
اشارہ کیا... وہ لگے چھلانگیں لگانے... ادھر اندھوں نے  
خود کو دائیے کی شکل دے دی... آخر دشمن ان  
کی طرف بڑھنے لگے...“

برنے لگے... ان میں ایک انپکٹر جمیڈ اپسے سخے... جواب  
تک اپنے پیروں پر کھڑے تھے... ان کے منجھے اور لاتیں  
روکنے کی پوری کوشش کر رہے تھے... لیکن کب تک...  
اوصرب سے پہلے شاہد گرا... پھر کرنل فارانی گئے... ان  
کے بعد منور علی خاں گرتے نظر آئے...

اب یہ ہوا کہ ان تینوں کے گرد جو آدمی جمع تھے،  
وہ بھی سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔

”ٹھیک ہے... اب انھیں اسی حالت میں مارتے  
ہوئے مدرسی مون مک لے چلو... مدرسی مون یہ  
منظر دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔“ بلے آدمی کی آواز  
سنائی دی۔

منور علی خاں، کرنل فارانی اور شاہد نے بے ہوش  
ہونے سے پہلے یہ الفاظ سن لیے... ان کے چہرے بُجھے  
گئے... انپکٹر جمیڈ پر چاروں طرف سے تابڑ توڑ ہاتھ پڑا  
رہے تھے... وہ ان کے وار اپنے انھوں پر روک رہے  
تھے... روکتے رہے... روکتے رہے... لیکن کب تک...  
آخر ان کے بازوں شل ہو گئے، اور بے جان ہو کر نیچے  
لکھ گئے... اب ان کے سر، کندھوں، یعنے، پیٹ  
اور ٹانگوں کی باری آئی... جسم کے تمام حصیں پر مٹکوں

ماہر تھے... کرنل فارانی اور شاہد بھی ٹھیک بٹھاک ہی تھے،  
اس یہے انھوں نے بہت نہیں تھے انداز میں روانی کا  
آغاز کیا... پہلے ہی ہتھے میں دشمنوں کے منہ سے چینیں  
نکلیں... تو یہے آدمی کی پیشانی پر بل پڑ گئے... اس نے  
چلا کر کہا:

”اندھا دھنڈ دار کرنے کی بجائے سنبھال کر دار کرو...  
یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔“

ایک بار پھر ان پر حملہ ہوا... لیکن نتیجہ دہی رہا... یہ دیکھ کر  
ہذا آدمی چلا اٹھا۔

”نہیں بھتی... ان کا یہ گھیر توڑنا ہو گا...“ اس طرح ہم ان  
میں سے ہر ایک کو پوری طرح گھیر لکھیں گے... لہذا چاروں  
طرف سے نہیں... صرف ایک طرف سے دباو ڈالو... تاکہ ان  
کے پاؤں اکھڑ جائیں؟

بلے آدمی کی بات سن کر وہ بھی پیشان ہو گئے، کیوں  
کہ اس طرح واقعی ان کے پیر اکھڑ سکتے تھے... اسی وقت  
ان پر ایک طرف سے دباو ڈالا گیا... اسی کے قریب  
آدمی ایک ساٹھ دباو ڈال رہے تھے... اور پھر ان کے  
پاؤں اکھڑ گئے... وہ الگ الگ ہو گئے... انھیں میں میں  
کے قریب آدمیوں نے ٹھیک رہا... اور تابڑ توڑ ان پر ہاتھ

کی بارش میں وہ آگے بھی بڑا رہے تھے۔  
اپنے وقت کا عظیم انسان ملک اور قوم کے لیے مُمکن  
کی بارشیں برداشت کر رہا تھا... لیکن اس حالت میں بھی  
اس نے رحم کی بھیک نہیں مانگی... یہ نہیں کہا... بھی  
چھوڑ دو... میں ایک قیدی کی یہیت سے پلنے کے  
لیے تیار ہوں۔

بھر ان کے قدم رکھڑا نے لے... لیکن جیسے تیسے وہ  
قدم اٹھاتے ہی رہے... وہ بھی اس طرف گرنے لگئے تو  
بھی اس طرف... اس طرف گرتے تو مُمکن کی بارش اپنیں  
دوسری طرف گرنے پر مجبور کر دیتی... دوسری طرف گرتے  
تو اوہر سے مُمکن تیسری طرف اچھا دیستے... ان کے  
ساتھ یہی ہوتا رہا... میہاں تک کہ وہ بے ہوشی کے  
قرب پہنچ گئے... ایسے میں انھوں نے دھم دھم کی تین  
آوازیں سنیں... وہ سمجھ گئے... یہ ان کے ساتھیوں کو فرش  
پر چینکا گیا تھا... اور اسی وقت انھوں نے سی موں  
کی غصیلی آواز سنی،

”ایک کیا ہو رہا ہے بزدلو۔“

یک لمحت مُمکن کی بارش رک گئی... وہ گرتے گرتے  
رک گئے... تاہم ان کا جنم اب تک بھول رہا تھا... کبھی

اس طرف... کبھی اس طرف... انھیں یوں محسوس ہو رہا تھا،  
وہ اب گرے کہ اب گرے... لیکن وہ خود کو گرنے سے  
بچانے کے بھی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

مجموع ان کے گرد سے ہٹ گیا... اب سی موں نے  
انھیں دیکھا اور بول اٹھا،

”یہ سب کیا ہے... یہ کون ہے... اسے... یہ تو  
ان پکڑ جمیں نظر آتے ہیں... اُفت تم نے ان کا کیا علیہ بنا  
دیا... شاید ان کے ساتھی بھی اس وقت انھیں نہیں پہچان  
سکیں گے؟“

”ہم کیا کرتے سر... یہ ہمارے ساتھ یہاں آنے پر  
تیار نہیں تھا۔“ بلے آدمی نے کہا.  
”تو پھر... کیا لانے کا لبس یہی ایک طریقہ رہ گیا  
تھا۔“

”ہم اور کیا کرتے... انھوں نے ہماری کوئی پیش  
نہیں جانے دی۔“

”نہیں... میں نہیں مانتا... تم انھیں بے ہوش کر کے  
لا سکتے تھے... تمہارے پاس گیس بم موجود تھے۔“ سی موں  
نے منہ بنایا۔

”اوہ یہ سر... ان بموں کو تو ہم بھجوں ہی گئے؟“

لبा آدمی گھبرا گیا۔

تم نے بڑا کیا کہ بموں کو بھول گئے ... اتنے نفسیں دشمن تو مجھے ڈھونڈرے سے بھی نہیں ملیں گے ... تمھیں سزا ملے گی؟

نن ... نہیں سر ... مجھے ... معاف کر دیں؟

سہرگز نہیں ... ظہرو ... پہلے میں ڈاکٹر کو بلا لوں؟  
یہ کہتے ہی وہ مڑا اور دیوار میں لگا ایک ٹین دبایا۔  
فوراً ہی ایک دروازہ کھلا اور ایک دلو قامت سیاہ رنگ کا  
آدمی اندر داخل ہوا ... اس کے چہرے پر وحشت برس رہی  
تھی۔

بومی! پہلے ڈاکٹروں کو بلاو ... پھر ہیاں آ کر ان کی  
مرمت شروع کرو ... آہنی ملکے پن کر آنا۔

بہت بہتر بس؟ اس نے سفید سفید دانت نکال  
دیے ... سیاہ رنگ پر سفید دانت اور بھی بھیانک لگے ...  
لبा آدمی اور اس کے ساتھی کاپ گئے۔

معاف کر دیجیے سر ... لبा آدمی فرش پر گر گیا۔  
افسوس! تم نے میرے مہماں کو بہت تسلیت پہنچائی  
میں تمھیں کس طرح معاف کر سکتا ہوں۔

یہ ... اڑ گئے تھے ... سر۔

”سن چکا ہوں اور بتا چکا ہوں تو تم کام کچھ کر سکتے

لبा آدمی اسی حالت میں پڑا رہا ... لیکن سی موں نے  
اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ... اسی وقت تین  
ڈاکٹر اندر داخل ہوئے اور با ادب انداز میں بولے:

”کیا حکم ہے سر؟

”انھیں بھتی امداد کی ضرورت ہے ... اور ان کے ساتھیوں  
کو بھی ... اندرولی کمرے میں انھیں لے چلیں ... تم سب  
وگ بھی وہیں آ جاؤ بھتی؟ اس نے لمبے آدمی اور اس  
کے ساتھیوں سے کہا۔

”او کے سر؟ وہ کاپ کر بولے۔

پھر بوج ہی وہ اندر آگئے ... ڈاکٹر ان کی مرسم پڑی  
کرنے لگے ... انھیں انگلشن بھی دیے گئے ... اور پھر جلد  
ہی وہ خود کو بہت بہتر محسوس کرنے لگے۔

”کیا حال ہے انپکٹر جمیں؟

”پہلے سے بہت بہتر ... وہ مسکراتے۔

”میں اسی انتظار میں تھا ... اب آپ اپنے انتقام کا منظر  
دیکھنے کے لیے تیار ہو چاہیں؟

”ہم ایسی کوئی غواہش نہیں رکھتے ... آپ انھیں معاف

کر دیں۔ اُپکٹر جمیڈ بولے۔

”نہیں دوست بلکہ پیارے دشمن... یہ میرے اصول کے خلاف ہے... بومی... ان سب کی مرمت کرو... علیہ بالکل ایسا بن جائے... جیسا تم نے مرام پٹی سے پہلے اُپکٹر جمیڈ کا دیکھا تھا۔“

”اوکے سر... آپ فکر نہ کریں... اس سے بھی گیا گزرا نہ دوں گا۔“ بومی نے وحیانی انداز میں دانت لکائے... لمبا آدمی اور اس کے ساتھی ایک بار پھر لرز لٹھے... اسی وقت بومی نے ان پر چھلانگ لگائی اور لاکوں اور مُکھوں کی بارش شروع کر دی... پہلے تو ان کی گھمی گھمی پیخیں شروع ہوئیں... پھر وہ بلند آواز میں پیختے گئے۔

”بڑا دیا کر رہے ہو... پیختے کیوں رہے ہو؟“ سی موں نے منڈ بنا کر کہا۔

”تت... تو کیا سر... ہم پیختیں بھی نہ...“ کیا تھا رے ہاتھوں پیٹھے ہوئے اُپکٹر جمیڈ پیختے۔“ سی موں نے پوچھا۔

”تت... نہیں：“ لمبا آدمی ہسکلایا۔“ تب پھر... تم بھی زبانیں بند رکھو... لبس غاموشی سے ماد کھاؤ... جس کے منہ سے آواز نکلے... بومی اس کی

”یادہ مرمت کرنا۔“

”اوکے سر،“ بومی نے خوش ہو کر کہا۔

وہ یک لخت خاموش سے ہو گئے... ہوت مضمبوطی کے پیچھے یہ... مُکھے اب بھی ان پر تابڑ توڑ برس ہے ہتھے... بومی نے دونوں ہاتھوں پر فولادی مُکھے پہنے ہوئے ہتھے... جلد ہی ان کے چہرے اور جسم لہو لمان ہو گئے اورہ مار کھا کھا کر گرنے لگے... یہاں تک کہ ایک بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔

”اب کیا حکم ہے سر... کیا مرمت جاری رکھوں؟“

”میرا خیال ہے... اتنی سزا ہی کافی ہے۔“

”بہت بتر خسر،“ اس نے کہا۔

”اب ان سب کو گھیٹ کر لے جاؤ، اور ہسپتال میں پہنچا دو... ان کی مرام پٹی کی جائے گی؟“

”اوکے سر،“ اس نے کہا اور گرنے والوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”اور اب... کیا میں آپ بوگوں سے دو باتیں کہ سکتا ہوں؟“ سی موں ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”ضرور... کیوں نہیں؟“ اُپکٹر جمیڈ بولے۔

”سب سے پہلے تو یہ بتائیں... اب آپ کا حال

کیا ہے؟

"بہت بہتر! سوندھ علی خان نے فراہم کیا۔

"آپ کے باقی ساتھی نظر نہیں آ رہے۔"

"وہ کسی اور راستے سے اندر آنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہت خوب... لیکن کیا فائدہ... آپ لوگ اندر آکر بھی کچھ نہیں کر سکتے... آپ نہیں جانتے... یہ کس قدر بڑا منصوبہ ہے... پچاس ہزار مسلح فوجوں سے آپ لوگ مقابلہ کر سکتے ہیں... مسلح بھی ایسے دیے نہیں... جدید توکین اختریاروں سے مسلح۔" اس نے پر سکون آواز میں کہا۔ "پچاس ہزار فوجی... اسے باپ رہے... آپ ملکی فوجوں کی بات کر رہے ہیں... یا غیر ملکی کی؟"

"میرے ملک کے فوجی اس وقت ریاست میں موجود ہیں... ریاست کی ذریحہ کا صفائیا ہنایت خاموشی سے کر دیا گیا ہے... اس تبدیلی کی کسی کو ہوا بھی نہیں ملی۔" "اوہ..." ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ سے یہ امید تو ہرگز نہیں کی جا سکتی تھی۔" انپکٹر جمیل نے دکھ بھرے بھی میں کہا۔ "کس طرف اشارہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

انئے فوجوں کو موت کے گھاٹ آتارنے کی طرف۔"

"اوہ ہاں! وہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی... پوری ریاست پر خفیہ قبضہ جملنے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں تھا... اب دیکھو یہ ریاست کے عوام کو سرے سے معلوم نہیں کہ ان کی ریاست پر حکومت اب کسی اور کی ہے؟"

"ہوڑا ہے تو خیر ہے... لیکن پھر پہلے ریاست کو خریدنے کا پروگرام کیوں بنایا گیا تھا... اس صورت میں تو سب کو معلوم ہو جاتا؟"

"معلوم تو خیر اس صورت میں بھی نہ ہوتا... کیوں کہ بظاہر ریاست ملک کے ایک یا دو دولت منہ آدمی خریدتے لیکن وزراں تبضہ ہمارا ہوتا... لیکن جب میں رہا ہو کہ یہاں آیا اور میں نے حالات کا جائزہ لیا تو اس تینجے پر پہنچا کہ خریدنے سے یہ کہیں بہتر ہو گا کہ خفیہ طور پر ہمارا قبضہ ہو جائے... اس لیے سلطنت شاہ اعظم کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا... لیکن آپ لوگ درمیان میں آ سکتے... اور پروگرام کچھ کا کچھ بن گیا۔"

"لیکن ریاست پر قبضہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

اپ کی کوئی چال کارگر ہو سکے گی... یا آپ کوئی کام  
سکیں گے؟

«مفردات محسوس ہوئی تو یہ کریں گے۔» کہنے والی

کیا کریں گے؟ اس نے حیران ہو کر کہا۔

یہ کہ ذہنوں سے بات نکال دیں گے؟ انہوں نے  
اور سی موں نے انھیں اس طرح دیکھا جیسے وہ پاگل  
ہے... آپ لوگوں کے بارے میں میرا پروگرام اب بھی رہی

ہے... جو پہلے تھا۔  
یعنی ہمارے ذہن تبدیل کر کے ہمارے لک بیج  
ہیں گے؛ انپکٹر جمشید بولے۔

ہاں... بالکل!  
یکن اس طرح کیا خاک مزا آتے گا؟ انہوں نے  
منہ بنایا۔

«کیوں... بیا ہوا؟»

«مطلب یہ کہ ہم تو ذہنی طور پر ناکارہ ہو جائیں گے  
پھر آپ ہماری دشمنی سے کیسے لطف اندوڑ ہو سکیں گے؟  
الیسی کوئی بات نہیں؛ سی موں مسکرا کا۔

میں اسی وقت تیز قدموں کی آواز سنائی دیتی... وہ  
چونک اٹھے... فوجی وردی میں ملبوس ایک شخص ندر  
داخل ہوا... اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا...  
کہا بات ہے کمانڈر؟» سی موں بار عرب انداز میں  
بولा۔

«خار دار تاروں سے کوئی شخص ملک ریا تھا... تاروں  
نے اسے دور پھینک دیا... ہمارے بیسے کیا حکم ہے،  
شاید کچھ اور لوگ نزدیک پہنچنے کی کوشش تریں؟» اس  
نے جلدی جلدی کہا۔

«فیض گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا... لیکن ان  
کے ساتھ کوئی نیادی نہ ہو؟»

«اوکے سر۔» اس نے کہا، ایڑیوں پر نکھوا اور  
چلا گیا۔

«آپ کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں؟» سی موں نے  
مسکرا کر کہا۔

«ہاں! آخر دوہ اندر داخل ہونے کی کوشش تو کری  
گے ہی؛ انپکٹر جمشید بولے۔

کوئی بات نہیں... میں اٹھیں خوش آمدید کہوں گا،  
لیکن آپ کو یہ بات ذہنوں سے نکال دینا چاہیے کہ

میکا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

صرف یہ کہ آپ کے ذہن مکمل طور پر نہیں پڑے جائیں گے... ان سے صرف اس منصوبے کو حذف کر دیا جائے گا... اور یہ کام کوئی مشکل نہیں ہو گا... ہمارے پاس ایسے ماہرین کی کمی نہیں۔

اوہ! ان کے مہنے سے ایک سال تھلا۔

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... اور اس بار ایک شخص دوسری طرف سے اندر داخل ہوا تھا، سی موں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آنے والے کے چہرے پر ہوابیاں اڑ رہی تھیں۔

## وہ کو دیکھا

وہ کھانی کے کنارے پہنچ گئے... نیچے جھانک کر دیکھا  
تو نہیں کوئی نظر نہ آیا...

«پہلے کون چھلانگ لگانے گا؟» انپکٹر کامران مزنا نے  
ہنس کر پوچھا۔

«شش... شرکی... کیوں کہ اس کھانی کی دریافت کا سفر  
اسی کے سر ہے؟ آصف بولا۔

«کھانی کی دریافت... ہائیں؟» محمود نے حیرت زدہ انداز  
میں کہا۔

«اب ہائیں واتیں نہ کرو... اور چھلانگ لگاؤ چھلانگ۔»  
آصف نے کہا۔

«مم... مجھ سے کہ رہے ہو؟» محمود بولا۔

«اگر پہلے تھارے فرشتوں سے بات چیت کرتا رہا  
ہوں تو پھر ضرور اب بھی تم سے نہیں کہ رہا ہوں۔»  
اس نے کہا۔

”بھئی ہاتھیں بنانے سے کام نہیں چلے گا... تو میں چھلانگ لگاتا ہوں“ اپنکڑ کامران مرزا نے منہ بنانے کر کھا۔

”ہمارے ہوتے ہوئے... آپ چھلانگ نہیں لگائیں گے... نہیں انھل... یہ نہیں ہو سکتا“ فرزانہ بولی۔

”تو پھر میں لگاتا ہوں“ خان رحمان بولے۔

”نہیں... آپ بھی نہیں... میں چھلانگ لگاؤں گا پہلے“ اکرام نے کہا۔

”آپ سب رہتے دیں... یہ معاملہ میری ریاست کا ہے... لہذا میں لگاؤں گا“ شاہ عظیم نے کہا۔

”آپ سب چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو گئے... لیکن لگا کوئی بھی نہیں رہا“ پروفیسر راؤ نے جل بھن کر کہا۔

”آپ سب ایک طرف ہو جائیں... مم... میں لگایتا ہوں چھلانگ“ اشفاق نے کانپتی آواز میں کہا۔

”بس... لگا چکے تم تو... پہلے اپنی آواز کو تو سنبھالو“ محمود نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

”آپ آواز کی طرف نہ جائیں... یہ دیکھیں کہ میں چھلانگ لگا سکتا ہوں یا نہیں؟“

”یہ کہتے ہی وہ کھانی میں کوڈ گیا“

”ارے... ان سب کے منہ سے بے ساختہ انداز میں“

اور پھر سب کھانی پر جھک گئے... اشفاق انھیں تھا

”اوپر یونچے ہوتا نظر آیا...“

”کیوں بھئی... کیا حال ہے... ٹوٹ پھوٹ تو نہیں

خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

”نہیں انھل... میرے تمام پر زے اپنی جگہ پر موجود

ہیں... یہاں جال تنا ہوا ہے... جس کی وجہ سے چوٹ

میں لگتی... ہاں گرتے وقت خوف ضرور محسوس ہوتا ہے“

”اچھا تو پھر ایک طرف ہٹ جاؤ... کہیں ہم تمہارے

وپر نہ گر پڑیں“ اپنکڑ کامران مرزا بولے۔

”ایک منٹ ٹھہریے... مجھے جال سے اترنا ہو گا، درجنہ

میں جس طرف بھی ہوں گا... جال اس جگہ سے یونچے جھکا

ہوا ہو گا... اور آپ لوگ بھی کہیں اس طرف نہ آئیں“

”کیا جال سے اترنے کے بعد کوئی محفوظ جگہ نظر آ

رہی ہے یہاں؟“

”جی ہاں... یہاں تو پوری ایک دادی موجود ہے“ اس

نے کہا اور جال پر چلتا نظر آیا... وہ انھیں بالکل نہ خدا سا

لگ رہا تھا... مالاں کر چھوٹی پارٹی میں اس کا قد سب سے بڑا تھا... آخر وہ لٹک کر جال سے اتر گیا... اور پھر انھیں آنے کا اشارہ کر کے انھوں سے غائب ہو گیا۔ اب تو وہ سب کو نہ کے یہ تیار ہو گئے... اب تہ پروفیسر داؤڈ کو کوئتے ہوئے بہت خوف محسوس ہوا... جب خان رحمان نے دیکھا کہ وہ کسی طرح بھی نہیں کو دیکھ سکیں گے تو انھوں نے پیچھے سے دھکا دے دیا... ان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی... اور وہ پیچے گرتے ہوئے... جال پر گرتے ہی ان کی آواز سنائی دی: "بھائی واہ... یہ تو بہت پُر لطف تجربہ تھا... خان رحمان تمہارے دھکے کا شکر یہ؟" پیسے انکل... دھکے کا شکر یہ قبول فرمائیے۔ فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر میں ڈبل شکر یہ کیوں نہ وصول کروں؟" انھوں نے کہا اور فرزانہ کو بھی دھکا دے دیا۔ آخر سب پیچے پیچے گئے... ان کے سامنے ایک سرینگ نما کھانی تھی... لیکن یہ کھانی بہت وسیع اور سربرز تھی۔ اس میں سے گزرتے ہوئے انھوں نے کسی قسم کی گھبراہٹ خوف، یا گھسن محسوس نہیں کی... لیں انھیں یوں محسوس

رہ جیسے کسی چڑاگاہ میں گھوم رہے ہوں... دو گھنٹے تک  
سل پلتے رہنے کے بعد آخر ان کے سامنے ایک دھکا  
دراں آگئی... لیکن یہ میدان انھوں سے اٹا پڑا تھا... ہر  
دن نیچے ہی نیچے نصب تھے... اور ان کے ارد گرد ان  
کی ذمی اپنے کاموں میں مصروف تھے... اچانک ایک  
وجی کی نظر ان پر پڑ گئی۔

"ہمیں... بتت... تم کون ہو؟"

"خان... بن بلائے؟" محمود کے منہ سے نکلا۔  
"اے... پکڑ لو انھیں... یہ ضرور دہی جاسوں ہیں۔"  
اس نے نعروہ لگایا۔

اور پھر بے شمار فوجی ان کی طرف دوڑ پڑے...  
ایسے میں خان رحمان کو نہ جانے کیا سوچی... کہ اس فوجی  
پر چھلانگ لگا دی... اور فوری طور پر اس کی رائفل بھیجا  
لی... دوسرے ہی لمحے انھوں نے فائر کر دیا اور پھر  
جو لوگ ان کی طرف بڑھ رہے تھے... نال ان کی طرف کر  
کے ٹریکر دیاتے چلے گئے... ان کی آن میں آٹھ فوجی گمرا  
کر جڑ پے اور ٹھنڈے سے ہو گئے... اس وقت بک باقی  
لوگ ان کی رائفلیں ہاتھ میں لے چکے تھے...  
فوجیوں میں سب بخت ہل چل پچ گئی... اوھر انھوں

لیکن انکل .. آخر ہم میر شاہ اعظم کے فوجیوں کو کیوں  
کر گھاٹ اتار دیے ہیں؟ شوکی نے کہا۔

”اوہ نہیں... یہ میرے فوجی نہیں ہیں... یہ ونڈاں کے  
شہنشاہ سکر پر اظہر نے فوراً کہا۔

بھی ہیں... دس سو لمحت سے۔ مدد و مدد  
اوہ ہو اچھا... تب تو ہم یہاں رانفلوں کا ڈھیر لگا دیں  
بھٹکی نے کہا اور اشFAQ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف  
ٹنگ گیا۔

اب گولیاں پورے زور شور سے چل رہی تھیں، فضائیں  
کل کھٹکا۔ لانہ سرگما جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ گولیوں

لی گھن گرج میں محمود نے پوچھا۔

”انکھ... آپ کو ہو سیا گیا تھا... یکلائیک فائرنے یوں سے  
بٹھتے ہیں۔

”هم... میں ونایسیوں کو دیکھ کر رک نہیں سکتا... ان  
لئے تاک اور لگانے کا بھاگ ہے۔“

”اوہ اشارجہ... اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال لوگوں نے پوری دنیا کو داؤ پر لکھا رکھا ہے۔“

۷۔ مکشک سے

”الشارجہ بھی اس برم میں جا پہنچے۔“  
”لیکن یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔“ انپکٹر کامران مزرا  
تھے سرد آواز میں کہا۔

نے انہا دھند فائزگ کر دی ... ایسے میں غان رحمان کی نظر  
ریت کی یورپیں کی ایک دلیار پر پڑی ... وہ چلا آئئھے۔

اس دیوار کے پہنچے پوزیشن لے لو۔

انھوں نے لوٹ لگاتے ہوئے دیوار کا رخ کیا...  
کئی گویاں ان کے اوپر سے گزد گئیں... اسی وقت وہ  
دیوار تک پہنچ گئے۔

"یہ میں نے کیا کیا... کیا شروع کر دیا۔" خان رحمان نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"کوئی بات نہیں... یہ کام آخر ہونا ہی تھا... بعد میں  
نہ سمجھی... اب سمجھی" انگلیز کارمن مرزا مسکلے۔

ادھر فوجی ان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے،  
وہ ان سے فارسیں بچتے کر رہے تھے۔ لیکن عالم کے

ریت کی دیوار کی اوٹ لے چکے تھے... اس یہے محفوظ  
تھے... جب کہ وہ وصراً دھڑان کا نشانہ بن رہے  
تھے...

”تم... میں... اور اشFAQ۔“ شوکی ہمکلایا۔  
”تم دونوں اوصر ادھر سے رانفیس یا گویاں سیٹ  
سمیٹ کر ادھر لاتے رہو... یہ جنگ چل دختم ہونے والی  
نہیں۔“

"اوہ... سودی انگل،"

پوری توجہ دشمنوں کی طرف دو... وہم بہت بڑی تعداد پیس ہیں... اور ہم صرف چند ہیں... وہ مرے یہ کہ ہمارے پاس اسلحہ کا ذخیرہ بھی نہیں... ان حالات میں شکست صاف نظر آ رہی ہے... لیکن ہم مسلمان ہیں... اور صاف نظر آنے والی شکست کو بھی ہم گھاس نہیں ڈالیں گے: انپکٹر کامران مرزا روائی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"اور ہمارا اسلحہ ختم ہو رہا ہے... شوکی اور اشفاق انہک پکھ لے کر نہیں پہنچے... کیا ہم میں سے کسی کو جانا ہو گا... کہیں وہ پھنس تو نہیں گے۔"

"محمود... صرف تم جاؤ... اور اسلحہ لانے کی کوشش کرو ان کی فکر چھوڑ دو... اگر وہ پھنس گئے ہیں تو اس وقت ہم ان کے لیے پکھ نہیں کر سکتے:

"میں سر... میں جا رہا ہوں... آپ فکر نہ کریں... اسلوے کہ لوٹوں گا۔"

اسی وقت انہوں نے سربراہٹ سنی... پروفیسر داؤد نے مردگار دیکھا تو شوکی اور اشفاق لدے پہنچے چلے آ رہے تھے... ان کے پاس بہت سی رانفلین، کارتوس اور ایک بڑا سا ٹھیلا تھا۔

"شایاش... یہ کام دکھایا ہے، تم نے... لیکن اس تھیلے میں طا ہے؟"

"جج... ججی... پپ... پتا نہیں... اس میں کیا ہے: شوکی

بولا۔

"تب پھر... یہ احتراک کر لانے کی کیا ضرورت تھی؟" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"ہم... ہم نے سوچا... سمجھ... کہیں اس میں... اشفاق ایک طرح ہٹلانے لگا۔

"احچا... اب... کچھ بھی سوچتے رہو... سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے... یہ رانفلین ادھر کر دو۔"

انہوں نے جلدی جلدی نئی رانفلین میں اور فائر بگ میں مشغول ہو گئے... اسی وقت شوکی کے منہ سے نکلا:

"ادے!"

"کیوں... اب کیا ہوا؟" انپکٹر کامران مرزا نے ان کی طرف دیکھئے بغیر کہا... کیوں کہ نظری قوان کی دشمنوں پر تھیں...

"ہم نے اس تھیلے کو الٹ دیا ہے،"

"تو پھر... کیا اس میں سے کوئی سائبِ انگل آیا ہے؟" آھٹ نے لہزہ یہ لمحے میں کہا۔

”کیا ایسا“ خان رحمان چلاتے ... اور پھر جوش کی حالت میں  
ڑہے ... اسی وقت ایک گولی ان کے کندھے کے پیڑوں کو  
چھوٹی گزد لگی ... وہ فوراً نیچے جھک گئے ... اب انھوں  
نے تھیلے میں سے گرنے والی چیزوں کو دیکھا ... پھر پکپاتی  
اواز میں انھوں نے کہا۔

”اُت اللہ... یہ تو واقعی دستی بم ہیں ... لیکن انتہائی  
جدید قسم کے ... اور طاقت در... نظریے ... چلے ہیں  
تجربے کے طور پر ایک بم پھینک کر دیکھا ہوں:“

انھوں نے یہ کہ کرم ہاتھ میں لے لیا ... اس کی پن  
کھپنی اور دشمنوں کی طرف اچھال دیا ... یہم ایک خوف ناک  
دھماکے سے پھٹا اور تباہی چاگی ... دشمنوں کی صفائی اٹ  
گئیں ... ان میں سے نہ جانے کتنوں کے پر نچے اڑ گئے.  
”وہ مارا ... شوکی تم تو بہت کام کی چیز اٹھا لائے:  
جی ... بس ... اب یہی کیا کھوں“ شوکی ہکلایا.

لتئے ہیں خان رحمان دوسرا بم اٹھا پکے تھے ... ادھر  
دشمن ہراس میں مبتلا ہو چکا ہتا ... اس کے قدم اکھڑ گئے  
تھے ... بدحواسی میں شاید ... انھیں کچھ بھی احساس نہ رہا ...  
درنہ اس قسم کے بم اور بھی ان کے پاس کہیں موجود ہوں  
اگر اس قسم کا ایک بم بھی وہ ان کی طرف اچھال دیتے

وہ بہت کافی نہ تھا ... لیکن جنگوں میں دراصل اسلحہ نہیں ...  
سلسلہ کام دکھاتا ہے ... ادھر حوصلہ بھی موجود تھا ... جب کہ  
وسری طرف سراسیگی پھیل چکی تھی ... اور جہاں سراسیگی پھیل  
لائے، وہاں حوصلے کی دال نہیں تھی.

اپر تکے وہ بم مارتے چلے گئے ... ان کے ساتھی گولیاں  
رساتے چلے گئے ... شوکی اور اشفاق ایک بار پھر اسلحے کی  
ٹلاش میں جا چکے تھے ...  
پندرہ سوچ ب بعد پھر ان کی واپسی ہوئی ... اس بار اس کے  
س صرف چار تھیلے تھے ... رالفتوں کی طرف انھوں نے  
توجه نہیں دی تھی ...

”ہائیں ... یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے تم نے بھوں  
کا کوئی ذخیرہ ٹلاش کر لیا ہو؟“ خان رحمان چکے.  
”یہی بات ہے انکل؛ اشفاق نے کہا.  
کیا مطلب ہے وہ پونکے.

”ایک نیچے میں سولئے ان بھوں کے اور کچھ نہیں  
ہے؛“

”اوہ ... اگر ان لوگوں کو عقل آگئی ... تو وہ اس نیچے  
کا رخ ضرور کریں گے ... محمود تم ان کے ساتھ اس نیچے  
ٹک ک پنج جاؤ۔“ انپکٹر امران مرزا نے جلدی جلدی کہا.

"بہت بہتر انکل!" اس نے کہا اور انھیں لے کر اس  
خیلے کی طرف رینگنے لگا۔

اچانک وہ تینوں چونک اٹھے... انپکٹر کامران مرزا کو  
بروفت خیال آیا تھا... چار فوجی بیوں والے خیلے تک پہنچ  
چکے تھے... اس سے پہلے کہ وہ رائل ان کی طرف تناں کر فائز  
کرتے... وہ خیلے میں داخل ہو چکے تھے۔  
"میں دیکھے رہو..." محمود نے سرگوشی کی۔

وہ انتظار کرتے رہے... آخر وہ چاروں باہر نکلے...  
ان کے کندھوں پر بیوں کے تھیلے تک رہے تھے... وہ  
کاپ اٹھے... کیوں کہ الگ وہ اس طرف نہ آ جاتے تو یہ بم  
ان پر پھٹئے... محمود نے فوراً ان کا نشانہ لیا اور مسلسل  
فائز کرتا چلا گیا... اور پھر معاملہ بہت پُر خطر ہو گیا۔

اس کی ایک گولی بیوں کے تھیلے میں جا گئی۔ میں پھر  
کیا تھا... تمام بم پھٹ پڑے... اسی طرح دوسرے تھیلے  
والے بم بھی پھٹنے لگئے... قیامت سی پنج گئی... ان چاروں  
کے جسم اس قدر اوپرے اچھلے کر ان کو دیکھ کر وہ روز کر رہے تھے۔  
معاملہ میں تک نہیں رہا... کئی بم پھٹ کر خیلے میں  
جا گئے... اور پھر تو ایسے ہولناک دھماکے ہونے لگے...  
کہ انھوں نے کیا اپنی زندگی میں سُتے ہوں گے۔

کافوں میں انخلیاں دیے... وہ زمین سے چکپے رہے،  
مینکڑوں فوجی صورت حال معلوم کرنے کے لیے خیلے کی طرف  
دوڑ کر آئے اور بیوں کا نشانہ بن گئے... اب فوجیوں میں ایک  
ایسی مہکڈر پھی کر اللہ کی پناہ... دوسرا ہولناک واقعہ یہ ہوا  
کہ بیوں کے خیلے کے آس پاس آگ بھڑک اٹھی... اور پھر تو  
آگ پھیلتی چلی گئی... اس آگ نے قیامت ہی پر پا کر دی،  
فوجی اس طرح بھاگے جیسے ہر کاری کو دیکھ کر بھاگتا ہے،  
خود انھیں بھی بھاگنا پڑا... جدھرجس کے سینک سائنس  
دوڑتا چلا گیا... ہاں وہ اب بھی ایک سانچہ بھاگ رہے  
تھے... اچانک ان کے اٹھتے قدم رک گئے... انھوں نے  
ایک لمبی عمارت کے آثار دیکھئے... جہاں تک ان کی نظر جا  
رہی تھی... وہ عمارت وہاں تک بھی نظر آ رہی تھی... وہ  
ٹھنک کر رک گئے... اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے عمارت  
کو دیکھنے لگے... ایسے میں شوکی کے منہ سے نکلا:  
"یہ عمارت ہے یا خیطان کی آست۔"

"شاید یہی وہ جگہ ہے... جہاں ہیں آنا تھا؟" انپکٹر  
کامران مرزا بولے۔

"لیکن معلوم نہیں... ہمارے باقی ساکھی کہاں ہیں...  
وہ کہاں تک پہنچے ہوں گے؟" خان رحمان بڑھ رہا تھا۔

”امید ہے... ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی... عجیب بات یہ ہے کہ عمارت کے آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔“

”اندر ہوں گے... اس لیے باہر نظر نہیں آ رہے۔“  
”اصحافت ہو لے۔“

”اُلیٰ! آؤ۔“ ہم بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کریں۔  
ہم نے سی موں کی بڑی طاقت کو فاک میں ٹلا دیا ہے۔“  
لیکن انکل... ابھی تو اس عمارت میں بھی ہزار لا  
فڑقا ہو سکتے ہیں۔ ”محمور نے پریشان ہو کر کہا۔  
”نہیں... اندر فوجی نہیں... صرف ماہرین ہو سکتے ہیں۔“  
خان رحمان بڑھ رہا تھا۔  
”کس چیز کے ماہر؟“

”فوجی ماہرین... اس فوجی کمپ کی موجودگی میں یہی سوچ سکتا ہوں... کہ اندر فوجی ماہرین بھی موجود ہو سکتے ہیں۔“

”لیکن اتنے بہت سے غیرملکی فوجی اور ماہرین... آخر اس ریاست میں کیا کام کر رہے ہیں؟“

”ان لوگوں کو اسلامی ملکوں کے خلاف سازشیں کرنے اور اپنیں رہائے کے مدوا کام ہی کیا ہے۔“ انھوں نے

منہ بنایا۔

بھوں میں ان پچھے کچھے فوجیوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں... آگ کے حلقت سے انکل کر وہ رک جائیں گے اور پھر ایک جگہ جمع ہو کر واپس آئیں گے۔“ اپنکر کامران مرزا بڑھ رہا تھا۔

”کیا مطلب؟“ خان رحمان چونکے۔

”اس وقت وہ ہمارے یہے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں... اندر موجود ماہرین تو شاید رہائی بھڑائی کے ماہر نہیں ہوں گے اگر کوئی ہو گا تو مدرسی موں یا اس کے کچھ ساتھی... کیوں نہ ہم پہلے بیرونی خطرے کا سامنا کر سیں... اور اس کے بعد اندر داخل ہوں؟“

”بات معقول ہے... ایسے چلیں۔“ شاہ اعظم نے کہا۔  
”وہ بالفیں اٹھائے والیں پہلتے... اور ایک مناسب بلگہ پہنچ کر رک سکتے... ایک بار پھر وہ پوزیشنیں سنبھال پکھے سکتے... ان کے پاس ایک ہیئتیے ہیں ابھی بھی کچھ بھی باقی نہیں۔“

آؤ جو کھنڈ بھی نہیں گزرا تھا کہ اپنکر کامران مرزا کے خیال کی تائید ہو گئی... کافی تعداد میں فوجی سیدھے اس عمارت کی طرف سے بڑھ رہے تھے... ان پر ایک بار

پھر جوش طاری ہو گیا... اور انہوں نے انھیں زد پر لے  
لیا... خان رحمان پھر بم باری کرنے لگے...  
فوجی اس حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے... اور  
شاید انھیں امید بھی نہیں تھی... لہذا آن کی آن میں  
کھیت رہے... کوئی بھی پنج کر نہ جا سکا... ایسے میں  
ایک سرد آواز لوٹنی ہے،

## چار سوراخ

فت... فاروق... آفتاب نے گھٹنی گھٹنی آواز میں کہا اور  
پھر اس کی طرف دوڑ پڑا...

باقی سا بھی بھی دوڑے... زندگی پہنچ کر انہوں نے  
دیکھا... فاروق ہوش میں مختا... لیکن اس کا رنگ زرد پڑا  
چکا تھا اور اعضا میں بھر بھرا ہٹھی...  
”بجلی کا ذبر دست جھٹکا... کم بختوں نے تاروں میں  
گرفت جھپوڑا رکھا ہے۔“

”ہوں... ہمیں افسوس ہے فاروق،“ مکھن بولا.

”کس بات پر؟“ فاروق نے حیران ہو کر کہا.

”اس پر کہ یہ جھٹکا تمہیں لگا...“

”جن کے نیسب کا تھا... لک گیا.“ وہ مسکرا یا.

”اب ہم شاید آگے نہیں جا سکیں گے.“ فرحت بولی.  
”مکیوں نہیں جا سکو گے... تم لوگ میری پر وانہ کرو  
مجھے یہیں جھپوڑ جاؤ... اور کسی نہ کسی طرح تاروں کی تھیں“

دیوار پھلائی جاؤ؟

”نہیں فاروق... ہم تمھیں چھوڑ کر کس طرح جا سکتے ہیں؟“  
”اوہ... پرواہ کرو... یوں ہی میں اٹھنے کے قابل ہوا،  
تم ملک پہنچ جاؤں گا... وقت صالح کرنا کسی طرح بھی مناسب  
نہیں ہو گا... کسی ایک شخص کے لیے ہم پوری قوم کو خطرناک  
ہیں تو نہیں ڈال سکتے“، اس نے جلدی جلدی کہا۔

”اچھا... جیسے تھماری مرضی“، آفتاب نے جذباتی آواز میں  
کہا اور پھر وہ تاروں کی دیوار کی طرف بڑھے۔  
”لیکن سوال ہے کہ ہم اسے کس طرح عبور کریں،  
اس میں تو کریک آ رہا ہے“  
”کاش! ہمارے پاس رہڑ کے دستانے اور جوتے ہوتے  
اخلاق نے سرد آہ بھری۔

عین اسی وقت اٹھیں رکھانا پڑا... دروازے کی  
دوسری طرف سے کچھ لوگ آتے دھھائی دیے:  
”جلدی سے درختوں کی اوٹ میں ہو جاؤ... شاید انہیں  
دیوار سے مگرانے کی اطلاع ہو گئی ہے“، آفتاب نے دبی  
آواز میں کہا۔

انھوں نے فوراً اوٹ سے لی... جلد ہی خاردار دروازہ  
کھلتا نظر آیا... پھر وہ لوگ اس میں سے ہو کر اس طرف

اتے نظر آئے... جس طرف فاروق جا کر گئا تھا۔

ان کے دل دھک دھک کرنے لئے... جوں ہی وہ  
لوگ ان کے قریب سے گزرے... انھوں نے درختوں کے  
بچھے اپنی جگہ بدل لی... اگر وہ ایسا نہ کرتے تو دیکھ لیے  
جاتے... اور وہ لوگ فاروق کی طرف بڑھتے چلے گئے...  
ان کی انکھوں میں الحمن تیر گئی... آفتاب نے اشاروں میں  
کہا:

”اب کیا کریں۔“

”ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان سے ملکرا جائیں اور فاروق  
کو ان کے ہاتھ لگنے سے بچا لیں... دوسرا ہے کہ جب  
چاپ اس کھلے دروازے کو عبور کر جائیں... موقع بہت  
اچھا ہے“، فرحت نے انتہائی دبی آواز میں کہا۔  
”لیکن پھر فاروق...“ کھمن بولا۔

”بہادر لوگوں پر ایسے وقت آیا ہی کرتے ہیں... انھیں  
قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں... لہذا ہم فاروق کو اللہ کے  
حوالے کرتے ہیں“، فرحت بولی۔  
”مہربانی... یہی مناسب رہے گا... تو پھر آؤ... یہی وقت  
ہے عمل کا“.

اور وہ دبے پاؤں تیزی سے خاردار دیوار کی طرف

چل پڑے... ایک دو بار انہوں نے مڑ کر بھی دیکھا... وہ لوگ اب فاروق کے قریب پہنچ چکے تھے... ادھر وہ دروازے کے قریب پہنچ گئے... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... اللہ کا نام لے کر دروازہ عبور کر گئے... اور آگے بڑھتے چلے گئے...

ادھر وہ لوگ فاروق تک پہنچ گئے... وہ ہوش میں تھا کیوں... تم نے تاروں پر چڑھنے کی کوشش کی تھی کیا؟ "ہاں!" اس نے کاپ کر کہا... جسم میں اب بھی ہترھرامت تھی۔

"تمہارے باقی سا بھائی کہاں ہیں؟"

"اس طرف گئے ہیں... میرے یہے کمیں سے مدد لانے؟" فاروق نے اس طرف اشارہ کیا، جس طرف ہٹھوڑی دیرہ پہلے وہ لوگ جا رہے تھے... لیکن رخ ترزا سا تبدیل کر دیا... انہوں نے اس طرف دیکھا... لیکن کوئی نظر نہ آیا...

"اس طرف کوئی نہیں ہے... ان کو چھوڑو... صرف اسی کو لے چلتے ہیں... کوئی اور آئے گا تو خود ہی ملکرا کر گرے گا اور ہمیں اطلاع ہر جائے گی". ایک نے جلدی جلدی کہا۔ ایک نے ہترھرام کا پتے فاروق کو کندھ سے پر اٹھا یا اور

دروازے کی طرف چل پڑے.

"اب اس کے باقی سا بھی تو اندر داخل ہو نہیں سکیں گے؛ ایک نے کہا۔

وہ چلتے رہے... ان کے فرشتوں کو بھی پتا نہ چل سکا، اس کے سا بھی تو ان کے تعاقب میں ہیں... اندر داخل ہو کر وہ ایک طرف دبک گئے تھے... اور ان کا انتظار کرنے لگا تھا... پھر جب وہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے محاذ رہ کر تعاقب شروع کر دیا... خاردار تاروں سے کوئی پانچ منٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں ایک عمارت بڑی عمارت دکھانی دی... عمارت کا تو اس طرف والا سرا دکھانی دے رہا تھا... نہ اس طرف والا... گھریا اس کی لمباٹی اور چوڑائی کا کچھ پتا نہیں تھا... اونچی بھی کافی تھی... اور پھر اس عمارت کے سامنے والے دروازے میں وہ لوگ فاروق کو یہے داخل ہو گئے... دروازہ بند ہو گیا...

"فاروق ہم سے پہلے اندر داخل ہو گیا... اس سے تو بہتر تھا کہ بعلی کا جلدکا مجھے لگ جاتا؟" آفتاب نے مذہبنا یا۔

"تو اب کہا یہیں بجلی کا جھٹکا... پانچ منٹ کا تو فاصلہ

مکھن نے کہا۔

پہل تھا مکھاڑ... میں دعده کرتا ہوں... تمہارے بعد میں  
جھٹکا ضرور کھاؤں گا...، آفتاب نے کہا۔

”ہم ذرا اس قسم کے جھٹکوں کے عادی نہیں ہیں“...  
مکھن نے لھبڑا کہ کہا اور فرحت مسکرا دی۔

”خیر تو ہے... تم بہت مسکارہ بھی ہو۔“ آفتاب نے  
اسے گھوڑا۔

”بہت تو خیر نہیں... ہاں کبھی کبھی مسکانا پڑھی جاتا  
ہے... لیکن تحسین کیا ہوا... میری مسکراہٹ زبرکب سے لگنے  
چلی...“ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”بات آپ کی مسکراہٹ کی نہیں... شاید میرے جواب  
کی ہے،“ مکھن نے سمسی صورت بنائی۔

”یار کبھی آئیتے میں منہ دیکھا ہے،“

”صحیح نہانے کے بعد جب بالوں کو کشکھی کرتا ہوں، اس  
وقت ضروراتفاق ہوتا ہے،“ مکھن نے کہا... اور فرحت کی  
ہنسی نکل گئی۔

”تو چھپر... شکل پہ بارہ بجے ہوئے نظر آتے ہیں یا  
نہیں؟“

”وو... دیکھیے بھائی... یہ میرا چہرہ ہے... کوئی طالم

یا کھاک نہیں...“

”تب تمہاری نظر کمزور ہے،“ آفتاب بولا۔

”یہ کیا بات ہوتی؟“ اخلاق نے ہیرت کا انکھدار کیا۔

”اگر اس کی نظر کمزور نہ ہوتی تو بارہ بجے ہوئے ضرور  
آتے؟“

”اب آپ بجے آڑے ہاتھوں لینے پر تسل گئے ہیں،“ آفتاب  
بڑا مان کر کہا۔

”وو... وہ لوگ واپس آ رہے ہیں... کیوں نہ ہم ان میں  
ایک کو شکار کر دیں؟“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

”شکار کرو تو اس طرح کہ رہی ہو جیسے ہم جلدی  
کشکاری ہوں،“ آفتاب نے جمل کر کہا۔

”ان میں سے ایک کو شکار کرنا ہی ہو گا... اسی حدود  
ہم اس عمارت میں داخل ہو سکیں گے،“

”تو چھپر کو شکار... روکا کس نے ہے؟“

”ایسے نہیں... پہلے انھیں کسی جگہ پہنچ جانے دو،“  
ایک بار پھر انھیں تعاقب کرنا پڑا... ٹھوڑے فاصلے پر

الگ تھلک کرہ نظر آیا... دروازے پر خطرے کا نشان  
ھوڑ دی بھی ہوتی تھی... اور کشڑوں روم کے الفاظ ایک

تھے...“

وہ اس کمرے میں داخل ہو گئے... یہ باہر کھڑے ہے سوچتے رہے کہ اب کیا کریں... اچانک آفتاب نے کہا۔  
”یوں کام نہیں چلے گا... ہم کب تک کھڑے رہیں گے؟“

”پھر کیا کریں؟“ فرحت بولی۔

”چلو... تاروں کی باڑھ کی طرف... بتا ہوں؛“ اس نے کہا۔

”تت... تم بتاؤ گے؟“ فرحت کے لمحے میں حیرت تھی۔

”ہاں کیا کروں... جب تمہاری عقل گھاس چلنے پلی جاتی ہے تو میں اپنی عقل کو آواز دیسنے پر مجبور ہو جاتا ہوں؛ وہ سکرایا۔“

”تحمین غلط فہمی ہونی ہے... ہر ایک کی عقل کو اپنی عقل کی طرح گھاس چلنے والا سمجھ بیٹھتے ہو،“ فرحت نے بھٹا کر کہا۔

اور پھر وہ خاردار تاروں تک پہنچ گئے۔

”کیا ارادہ ہے؟“ فرحت نے اس کی طرف دیکھا۔

”میں مخمن یا اخلاق بھائی کو اٹھا کر ان تاروں کی طرف اچھانا چاہتا ہوں۔“

”اُسے باپ پرے یہ دونوں کے منہ سے نکلا۔“

”اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم خود تاروں سے مکجا جاؤ۔“

”یہ ٹھیک ہے گا؛“ اخلاق جلدی سے بولا۔

آفتاب نے مسکا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنا ایک اتار کرہ تاروں پر دے مارا...“

جوتا گولی کی طرح واپس پٹا اور ان کے سروں پر سے

”ہوا کہیں دور جا گرا...“

”یہ کیا کیا...“ اب ایک جوتے سے گذاسا کرنا پڑے گا۔“

من بولا۔

”تجربات کی دنیا میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے... تو کچھ بھی نہیں...“ اب جلدی سے ایک طرف ہو جاؤ... ان دو چار ادھر آتے ہی ہوں گے۔“ اس نے جلدی جلدی

”لیکن جب وہ دیکھیں گے کہ تاروں کا شکار ہونے والا یاں کہیں بھی نہیں ہے... تو پھر وہ ہمیں ادھر ادھر تلاش میں گے... اور یہ صورت ہمارے لیے کچھ خوش گوارہ نہیں ہوگی...“ فرحت نے نکر مندانہ انداز میں کہا۔

”تو پھر...؟“ آفتاب نے اس کی طرف دیکھا۔

”تو پھر یہ کہ ہم میں سے کم از کم ایک کو تاروں سے پکھ فاصلے پر جا گزا جائیسے... لیکن نہیں... یہ کیسے ہو سکتا“

پر دیکھا جا سکتا۔

تین دشمن اپنے چوتھے ساتھی کے پاس آ کر مجھکے ہی تھے کہ آفتاب اور فرحت نے ان میں سے دو پر ٹیکھے سے حملہ کر دیا... اور یہ حملہ اس طرح کیا کہ وہ بے تحاشا دوڑ کر آئے اور سروں کی ملکری ان کی کمزوری پر رسید کر دیں، وہ اوندوں سے منہ گرے... تیسرا گھبرا کر پلٹا... ساتھ ہی ان دونوں کی مانگیں اس کے پیٹ میں لگیں... وہ بیلا اٹھا۔ اتنے میں پلٹا اٹھ بیٹھا... آفتاب اور فرحت فراً اس کی طرف متوجہ ہوئے... آفتاب کا بھرپور ملکا اس کی ناک پر لگا... فرحت نے دائیں ہاتھ کی ٹھیکی اس کے سر پر اس نور سے ماری کہ وہ نیچے گرتا چلا گیا... اب وہ باقی تین کی طرف متوجہ ہوئے... وہ بھی اٹھ رہے تھے...

”یہ تم دونوں بھڑے منز کیا دیکھ وہے ہو... کوئی کام دکھاؤ نا۔“ آفتاب نے جل کر مکھن اور اخلاق سے کہا۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر اس کے ساتھی پڑھا:

”یکا ہوا بھی... خیر تو ہے۔“

میں نے شاعری کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔“ آفتاب بھٹا کر یو لا۔

میں اسی وقت آفتاب کو ٹھوڑی پر ایک ملکا لگا۔

ہے... تاروں کا جھٹکا کھانے والے کو تو باہر کی طرف ہونا چاہیے جب کہ ہم سب تاروں کے اندر کی طرف ہیں۔ گویا ہم اس ترکیب پر عمل شروع نہیں کر سکتے۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”تو پھر ان کا انتظار ہی کر لیتے ہیں...“ مکھن نے کہا۔

اور صرف دو منٹ بعد چار ادمی آتے نظر آئے... وہ اگے ٹیکھے چل رہے تھے... اوہرہ لوگ زمین پر یعنی ہوئے تھے... لیکن کہ چھپنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ میں دشمنوں کے گزرنے کے بعد جوں ہی چوتھا گزرنے لگا... آفتاب تیزی سے اس کی طرف بڑھا... ادھر اس نے بھی سرسری ہٹ سن لی... وہ فراً پلٹا... ساتھ ہی آفتاب کی مانگیں اس کے یعنی سے نکلائیں... وہ دھرام سے گرا۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر اس کے ساتھی پڑھا:

”کیا ہوا بھی... خیر تو ہے۔“

اور پھر وہ اس کی طرف پکھے... اس وقت تک تاریکی پھیل چکی تھی... اور تاروں پر کافی فاصلے پر بہب جل اٹھتے... لیکن ان بیجوں کی روشنی ان تک نہیں پہنچ رہی تھی... یا پھر اس حد تک نہیں تھی کہ انہیں صاف طور

اور وہ دشمن اس پر بیک وقت حملہ آور ہوئے تھے اور وہ مکھن کی طرف دیکھنے کی وجہ سے مار کھا گیا... دھڑام سے گرا اور پھر رضاختا ہوا دور نکل گیا، اگر ایسا نہ کرتا تو اسے دوسرا مکا بھی برداشت کرنا پڑتا... ادھر فرحت نے تیرے دشمن کو اپنی طرف آتے دیکھا... اس نے کہنی کا لیا اور بلا کی رفتار سے اس کے پیچے پہنچ گئی... دوسرے ہی لمحے وہ اچھلی اور اس کی گروں سے لٹک گئی... اب اس کے بازو اس کا گھلا گھونٹ رہے تھے...

دوسری طرف آفتاب بے سعد پڑا رہا... یہاں تک کہ دونوں دشمن اس تک پہنچ گئے... وہ یہ دیکھنے کے لیے اس پر جھکے کر وہ ہوش میں ہے یا نہیں... دونوں کے چہروں پر آفتاب کا ایک ایک پیر اس قدر نور سے لگا کہ وہ دوسری طرف الٹ گئے... آفتاب نے فوراً جھپلانگ لگانی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا... اب اس نے ان پر لا توں کی بارش شروع کر دی... ان کی گھٹی گھٹی چینیں سن کر مکھن اور اخلاق ادھر دوڑے آئے...

”بس... بس کریں... نہ ماریں.“ مکھن نے بوکھلا کر کہا۔ ”کیوں بھی... تم لوگوں کے عزیز ہیں کیا یہ؟ آفتاب

نے منہ بنایا۔

”میں... نہیں... ہاں...“ اخلاق ہمکھلایا۔

”نہیں بھی اور ہاں بھی... یہ کیا بات ہوتی؟“

”یہ ہمارے رشتے دار نہیں ہیں... بلکہ انسان تو ہیں؟“

”یہ انسان نہیں... شیطان ہیں... پوری دنیا ان کی وجہ سے چین کا سانس نہیں لے پا رہی... ان بڑی طاقتوں نے جتنا حرام کر رکھا ہے چھوٹے ملکوں کا.“ آفتاب نے کہا۔  
”اس کے باوجود ہم اسے اس طرح پڑتے نہیں دیکھ سکتے.“

”لو اور سنو... انھیں مارنے سے تو رہے... اٹا پڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے... تم نے سا فرحت.“ آفتاب نے مذاق اٹانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں نہ ہے... یہ بے چارے بھا کیا کریں... بیدھے مادھے جاؤں ہیں... وہ مسکراتی... اسی وقت اس کا شکار بے دم ہو گیا... اس نے اسے چھوڑ دیا... اور وہ دھڑام سے گزرا... اب اس میں حرکت کے آثار نہیں تھے... پوچھتا پہلے ہی بے دم ہو چکا تھا... باقی دو کی مرمت آفتاب کر رہا تھا۔

”عمرت کے اندر جانا۔“

اوہ! اس کے منہ سے نکلا۔

کیوں... کیا یہ بہت مشکل ہے؟ فرحت جلدی سے

مشکل تو نہیں... خطرناک بہت ہے... اندر جا کر تم  
باہر نہیں آ سکو گے... یہ عمارت موت کا گھر ہے۔  
نے ڈارے ڈارے انداز میں کہا۔

موت کا گھر... اچھا نام ہے:

اچھا نام ہے... کیا مطلب؟

ہمارے ایک ساتھی کے خیال کے مطابق یہ نام کسی ناول  
بوجھ سکتا ہے؟ فرحت مسکرا کر بولی۔

مبتدا نہیں آپ کیا کہ رہے ہیں؟

«خطناک ہو یا کچھ بھی ہو... تم لوگ ہیں اندر پہچا دو... صرف طریقہ بتا دو... اس کے بعد تم لوگ آزاد ہو... تم بیان نہ سمجھتے ہی کیوں ہو... رات کی تاریخی میں کسی طرف مکمل جاؤ... اس طرح تم سی موں کے انتقام سے بچ جاؤ۔

”نہیں بیع سکیں گے۔“

اوہو... بھئی کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ اور

ان میں سے ایک کو ہمارے سوالات کے جواب دینے کے قابل چھپوڑ دینا؛ فرحت نے جلدی سے کہا۔

"اوہ... اچھا کیا کہ بتا دیا ہے وہ جو نکا۔

اب اس نے ایک کو چھوڑ دیا... اور دوسرے پر لاتیں  
بر سما رہا... یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا... چار میں سے  
اب صرف ایک ہوش میں رہ گیا تھا... آفتاب نے اسے  
گزیان سے پکڑ دیا اور پولا!

"زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرن۔"

"مرنا۔" اس نے کہا۔

کیا کہا... مرنا چاہتے ہو... بھئی ہوش کر د... اٹا بول گئے  
ہکھا۔

نہیں... میں مرد ہی جانا چاہتا ہوں؟

"لیکن کیوں؟"

"ہماری یہ شکست مشر سی موں کو ایک آنکھ نہیں بھائے گی اور وہ ہمیں دیکھتے ہی موت کے گھاٹ اتار دینے کا حکم دیں گے... تو پھر ہم ہمے ہی کیوں نہ مر جائیں۔"

”لیکن ہم تم لوگوں کو جان سے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں  
کھتہ۔“

پھر... کیا چاہتے ہو؟ اس نے حیران ہو کر کہا۔

پھر سرسری مون کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہو گا کہ تم لوگوں کی طرف توجہ دے سکے گا... اسے تو ہم الجھائیں گے؛ آفتاب جلدی سے بولا۔

ناور ایسا الجھائیں گے کہ کام کبھی الجھا ہو گا۔“ مکھن نے مسکرا کر کہا۔

”تم چپ رہو۔“ آفتاب نے اسے گھوڑا اور پھر اس کی طرف مردا۔

”ہاں تو پھر... کیا کہتے ہو۔“

”ٹھیک ہے... ہم تم لوگوں کو اندر داخل ہونے کا طریقہ بتا دیتے ہیں... دروازے سے تک جا کر اندر پہنچنے کا طریقہ نہیں بتا سکتے... اس میں خطرہ ہے：“

”ہوں... یہ ٹھیک ہے... طریقہ بتا دو؛ فرحت بولی۔

”دروازے پر پہنچ کر پلے سفید ٹین دبانا ہے پھر سرخ اور اس کے بعد ٹین غیر ادا... یہ دروازہ کھل جائے گا؛“

”اور اگر اس طرح دروازہ نہ کھلا تو؛“

”نہ کھلنے کا کیا کام ہے؟“

”چلو ٹھیک ہے... اندر سے کھونتے کام کیا طریقہ ہے؟“

”اس کے باکھل الٹ ہے؛ اس نے کہا۔“

مشکریہ... فرحت تم اس کا خیال رکھو... میں دیکھد کر

کہتا ہوں... دروازہ کھتا ہے یا نہیں... اگر میں کسی خطرے میں پڑے معاوں تو پھر تم اس کی زندگی کا چراغ لگل کر دینا۔“

”ٹھیک ہے۔“ فرحت نے فرما کر۔

”لگ... میں مطلب ہے وہ گھبرا کر بولتا۔“

”مطلب کس بات کا پوچھ رہے ہو؟ دوست۔“ آفتاب

نے فریب بھجے میں کہا۔

”تم اکٹھے نہیں جا رہے دروازے کی طرف۔“

”نہیں... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتنے بے دُفوت

نہیں ہیں۔“

”میں سمجھ گیا... تم لوگوں کو طریقہ بتانا ہی پڑے گا؛ اس

نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔“

”لیکن بھی... طریقہ تو تم بتا پکھے ہو؟“ مکھن بولا۔

”اس طرح خطرے کا الام بھجا... دروازہ نہ کھلتا۔“

”تو پھر اب بتاؤ؟“ فرحت نے کہا۔

”پلے نیلا ٹین دبانا ہے اور پھر پیلا... اس کے بعد

ٹین غیر ادا۔“

”بھئی دیکھ لو... سوچ لو... غور کرو لو۔“

”میں غلط نہیں کہ رہا۔“

”فرحت... تم جا کر دیکھو؟“ آفتاب نے کہا۔

"لیکن اگر دروازہ کھل گیا تو پھر میں کیا کروں گی؟"  
میں... تم اندر چلے جانا... ہم بعد میں آجائیں گے... ہاں  
اندر جا کر ہمارا انتظار ضرور کرنا۔"

"اچھی بات ہے... لیکن ہم نے اس سے اندر سے  
باہر آنے کا طریقہ نہیں پوچھا۔ فرحت یوں۔

"اس کے بالکل الٹ۔" اس نے فرآ کہا۔

"تب پھر فرحت... تم اندر جا کر پہلے دروازہ کھول  
کر دیکھ لینا... اور ہمیں اشارہ دے دینا؟

"ہوں ٹھیک ہے۔"

اور فرحت دروازے کی طرف چلی گئی... کئی منٹ  
بعد اس کی طرف سے اشارہ موصول ہوا... یہ اشارہ سب  
ٹھیک ہے کا تھا۔

"اور اب میر تھارا اور تھار سے ساتھیوں کا کیا  
پروگرام ہے؟"

"ہم فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"میں اس سے بہتر ایک طریقہ بتا سکتا ہوں؟"

"اور وہ کیا؟... اس نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ کہ تم ہمارا ساتھ دو... ہمارے ساتھ رہو۔"

"نہ... نہیں... ہم سی موں کا سامنا نہیں کر سکیں گے

"اچھا، جیسے تم لوگوں کی مرضی... ہماری طرف سے تم  
جو... جس طرف چاہو جا سکتے ہو۔"  
اور وہ تینوں انھیں وہیں چھپوڑ کر دروازے  
طرف بڑھ گئے... پہن دبائے تو دروازہ بغیر آوان  
کھلن گیا... اور دوسری طرف فرحت بھی ٹھہری نظر آئی  
ن اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو ایک جا  
تھا:

"کیوں بھئی... خیر تو ہے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے... جیسے دو انکھیں مجھے مسل  
ل رہی ہوں۔"

"یہ تھارا وہم بھی ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے کہا  
اور پھر ان تینوں نے چاروں طرف نظریں گھھائیں...  
ن کہیں کوئی نظر نہ آیا..."

"ضرور تھیں وہم ہو گیا ہے۔"

"لیکن آفتاب... ہم اس سے ایک بات پوچھنا بھول  
جاؤ۔"

"وہ کون سی؟" اس نے منہ بٹایا  
یہ کہ وہ فاروق کو کون سے کمرے میں لے گئے تھے  
اں تو ان گنت کمرے میں... اور سب کے دروازے

بند ہیں۔"

"اوہ... واقعی... کیا خبر... میں ابھی ان سے معلوم کر سکے آتا ہوں... وہ ابھی زیادہ دوسرہ نہیں گئے ہوں گے۔"  
آفتاب نے کہا اور جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا... وہ یکنؤں اندر کھڑے رہ گئے۔

"اب... اب تو مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے...  
جیسے وہ انکھیں ہیں مسلسل گھور رہی ہیں۔" مکھن بڑا بڑا یا۔  
"محسوس ہو رہا ہے نا، فرحت چکی۔"

"ہاں بالکل... بلکہ مجھے تو اب خوف بھی محسوس  
ہونے لگا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ اپھی علامت نہیں ہے:  
فرحت بڑا بڑا۔"

وہ آفتاب کا انتظار کرتے رہے اور ڈرتے رہے،  
آخر آفتاب آتا نظر آیا... لیکن اس کے چہرے پر بھی ہوایاں  
اٹ رہی تھیں...  
"کیوں... کیا وہ لوگ چلے گئے؟"

"ہاں وہ چلے گئے... دور... بہت دور... جہاں سے  
میں انھیں آواز نہیں دی سکتا تھا،  
کیا مطلب ہے؟"

ان چاروں کی کھوپڑیوں میں سوراخ ہو رکھے ہیں... جب

ہم نے ان میں سے کسی کو گولی نہیں ماری تھی... لیکن  
گولی مارنے کا آئہ بھی ہمارے پاس نہیں تھا۔

"اوہ! ان کے منہ سے ایک ساٹھ نکلا۔

عین اسی وقت ان کے کانوں میں عجیب و غریب  
دھماکا شیز قسم کی آوازیں آنے لگیں... آوازیں بہت دور  
کی محسوس ہو رہی تھیں۔

## سنی خیز لمحات

میکوں بھئی... کیا بات ہے۔" سی مون نے ناخوش گوار بچے میں کما۔

"ہم... ہمارے فوجی... مم... مارے گئے۔"  
"مارے گئے... لیکن کیسے؟" سی مون کے لبھے میں  
ذریعیت محسوس نہیں ہوئی۔

"آپ کو یہ میں کہ حرمت نہیں ہوئی... افسوس نہیں  
ہوا۔"

"نہیں... میں حرمت اور افسوس کرنے کے لیے پیدا  
نہیں ہوا... میں بڑے سے بڑے حادثے کے لیے ہر  
وقت تیار رہتا ہوں... تم تفصیل سناؤ۔"

لکھائی کے لاستے سے آئنے والے کچھ لوگوں نے اچاک  
ہم پر حملہ کر دیا تھا... پھر نہ جانے کس طرح ان کے ہاتھ  
دستی بم لگ گئے... اور پھر اخنوں نے بہول والا خیمه ہی  
اڑا دیا... باہر تو قیامت برپا ہے... لیکن یہ کمرے پوں کہ

ساونڈ پر دوت ہیں، اس لیے آوازیں یہاں تک نہیں پہنچیں؟"  
ہوں! میں سمجھ گیا... وہ لوگ ضرور ان کے ساتھی  
ہیں... مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے انھیں کسی قابل  
نہیں خیال کیا... درستہ میں لٹوی کیمرے آن کر دیتا اور ہر  
منظر دیکھ سکتا تھا... دوسرے یہ کہ ان فوجیوں کو خیموں سے  
لکال کر بارڈھ کی طرف بیچج دیتا... خیر کوئی بات نہیں... اب  
پرلیشن کیا ہے... ہمارے کچھ فوجی بچے بھی ہیں یا سب کے  
سب کھیت رہے ہیں۔"

"غالباً بھی مارے جا پچے ہیں... الگ کچھ زندہ ہیں  
تو وہ شدید رُخی ہوں گے۔"  
ہوں... خیر کوئی بات نہیں... تم اپنی سیست پر جاؤ:  
سی مون نے کہا اور سوچ دبا کر لٹوی کی سکریشنیں آن کر  
ہوئی... ساتھ ہی وہ چونک اٹھا... ایک سکرین پر حرمت انگریز  
منظرا تھا۔

"تو انپکٹر جمیش کے ساتھی اس طرف بھی کام دکھا ہے  
ہیں... بہت خوب،" اس کے منہ سے نکلا۔

انپکٹر جمیش، منور علی خاں، گرل فارانی، شاہد اور  
فاروق اس قابل کہاں تھے کہ اس سکرین کی طرف دیکھ سکتے  
ہاں ہم وہ سی مون کا جلد سن کر پرلیشن ضرور ہو گئے تھے

نے پر مجبور ہو گئے اور پھر ان کی نظریں... اس سکرین پر... اخنوں نے انپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھیوں پڑنے والی تھی... اسی وقت اخنوں نے سی موں کی آواز پوچھا... وہ یوکھلاتے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھ دیتے ہیں... پھر انپکٹر کامران مرزا نے ایک طرف اشارہ کیے تھے... پھر انپکٹر کامران مرزا نے ایک طرف اشارہ کیے تھے... سی موں نے ایک اور بیٹن دبایا اور سکرین پر گولیاں پڑتی آئی... گولیاں بالکل اس سمت تھیں جنہیں جس سمت

انپکٹر کامران مرزا نے اشارہ کیا تھا :

”تم نے دیکھ لیا... تم کس حد تک میری زد پر ہوئے۔“  
تم عمارت کی طرف پڑے آؤ... سرخ دروازے میں سے  
دردار داخل ہو سکتے ہو... میں تمہارے لیے دروازہ کھول  
لاؤں... راستے میں تھیں اپنے کچھ ساتھی اور ملیں گے  
کوئی بھی ساتھی لے لینا... اب میں تم سب سے ایک  
کمرے میں ملاقات کروں گا“ اس نے پر سکون  
اوaz میں کہا۔

ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے ہزاروں  
غوجی موت کے گھاٹ اتر پچے ہیں اور وہ ایک طرح سے  
تھنا رہ گیا ہے... کیا ہوا جو اس عمارت میں ماہرین موجود  
تھے... لیکن وہ لا اُنی بھڑائی کے کام کے تو نہیں تھے  
ان سب کے مقابلے میں تو وہ تھنا ہی رہ گیا تھا... لیکن

کہ ان کے ساتھی اب جو کام دکھا رہے تھے... اس میں رکاوٹ  
پڑنے والی تھی... اسی وقت اخنوں نے سی موں کی آواز  
سخی :

”اوہر... غدار کمیں کے... مٹھرہ... میں تھیں غداری کا  
انعام تو دے دوں۔“

یہ کہ کر اس نے ایک بیٹن چار بار دبایا... پھر بولا:  
”یہ چار تو گئے... ان لوگوں کے ہو ساتھی اندر آگئے  
ہیں... اپھیں اندر ہی جھلکنے دو...“ یہ کہ کر وہ دوسری طرف  
متوجہ ہو گیا... پھر بولا.

”اور یہ لوگ بھی عمارت کے قریب پہنچ چکے ہیں...  
بہت خوب... منصوبہ بندی خوب رہی ان لوگوں کی... داد  
دینے کو جو چاہتا ہے...“ پھر اس نے ایک اور بیٹن دبایا  
اس کی میز پر ایک نھما سامائیک ابھر آیا... اب وہ اس  
میں بولا:

”ہلیو دوستہ! تم لوگ میری زد پر ہو... جس طرح میں  
کھوں کرتے جاؤ... ورنہ گولیاں تمہارے جھموں کو جھلنکی کر  
دیں گی... اگر یقین نہیں آتا تو کسی طرف اشارہ کر دوں...  
میں اس طرف گولیاں برسا کر دکھا دیتا ہوں۔“  
اس کی آواز کافی حد تک سرد تھی... انپکٹر جنتید گردن

اس کی پیشانی پر ایک شکن ٹھیک نہیں تھی... ایسے میں اس نے انپکٹر جمیل کی طرف مرڑتے ہوئے کہا۔

انپکٹر جمیل... اگر میں چاہوں... تو تم لوگوں کو اسی وقت موت کے گھاث آتا سکتا ہوں... اور تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے... اور تم لوگ اس سزا کا خود کو حق دار ثابت بھی کر سکتے ہو... لیکن اس کے باوجود میں ایسا نہیں کروں گا... جانتے ہو کیوں... مگر تم کیا جواب دو گے... تمہارے چہرے پر تو پیار بندھی ہوتی ہیں... خیر سنو... میں اس لیے ایسا نہیں کروں گا کہ بہادر دشمنوں کی ہمیشہ قدر کرتا ہوں اور ان کی موت میرے لیے تکلیف دہ ہوا کرتی ہے... میں تم لوگوں کو زندہ رکھوں گا... اور بے بسی کی حالت میں تم لوگوں کو بیاں سے والپس جانا پڑنے لگا... اور تم والپس جا کر اپنے ملک کی حکومت کو اس منصبے کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکو گے... گویا اب بھی میں ہی کامیاب ہوں... اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود:

انپکٹر جمیل اور ان کے ساتھیوں نے اندر اور باہر موجود انپکٹر کامران مرتضیٰ نے سی موں کے یہ اغماڑا سننے... لیکن عمارت کے بیرونی حصے میں موجود آفتاب وغیرہ نہ شُنکے... کیوں کہ سی موں نے ان کی طرف والا ٹین نہیں دیبا

...ابتہ وہ انھیں بھی سکریں پر دیکھ رہا تھا۔

وہ کیا جواب دیتے... عمارت کی طرف بڑھتے رہے...

ان تک کہ سرخ دروازے تک آگئے... جوں ہی وہ نزدیک پہنچے... سرخ دروازہ کھل گیا... اور وہ اندر داخل ہو گئے، بھی کچھ ہی دور پہنچے ہوں گے کہ آفتاب، آصف، مکھن اور رحمت کھڑے نظر آئے۔

”اوہ... آپ لوگ بھی آگئے؟ آفتاب انھیں دیکھ رکھ کا۔

”ہاں! شاید تم نے مدرسی موں کی آواز نہیں سنی؟“  
”نہیں... ہمیں تو سنائی نہیں دی، کیا آپ ان کی آواز سننے رہے ہیں؟“

”ہاں! اس کے لئے میں آؤ چلیں؟“

”لیکن ہم بہت دیر یہ تک گولیوں اور بہوں کے دھماکوں کی آوازیں سننے رہے ہیں، وہ سب کیا تھا،“

”دیکھ، نہیں رہے... ہماری کیا حالت ہو رہی ہے... ہم ایک نون رینڈ جنگ رہ کر آ رہے ہیں... ہزاروں فوجی اس جنگ میں موت کے گھاث اتر گئے ہیں،“

”اوہ... آپ کا مطلب ہے... مدرسی موں کے فوجی،“

یہاں... بالکل،"

"اوہ سی موں نے یہ کس طرح برداشت کر لیا،"  
جب ہم جنگ لڑ رہے تھے... اس وقت اسے  
اطلاع نہیں مل سکی... ورنہ شاید نقشہ کچھ اور ہی ہوتا،  
اوہ... وہ ایک ساتھ بولے۔

"اب کس طرف چلنا ہے مدرسی موں،"

"چلے آؤ... دائیں ہاتھ آخری کمرے میں موجود ہوں  
میں،"

وہ اس طرف چل پڑے... ایسے میں آفتاب  
بولا:

"لیکن آبا جان! ہم مدرسی موں کے احکامات پر عمل  
کر لے پڑے مجھوں کیوں ہیں،"

"اس یہے کہ وہ پوری عمارت میں اور عمارت کے باہر  
جہاں چاہیں... ہمیں گلیوں کا نشانہ بننا سکتے ہیں،"

"اوہ... اب سمجھا،" آفتاب کے منہ سے نکلا،  
"یہاں سمجھے،"

"یہ کہ ان چاروں دشمنوں کی کھوپڑیوں میں سوراخ  
یکوں ہو گئے تھے،"

"کن چاروں کی بات کر رہے ہو،" انپکٹر کامران مزرا کا چہرہ

سرخ ہو گیا،

نے منہ بنالیا،

اور آفتاب انھیں بتانے لگا... اس کے خاموش  
منہ پر انپکٹر کامران مزرا نے مسکرا کر کہا،

"اوہ... اسی یہے ایک پیر سے ننگے نظر آ رہے ہو،"

بھی ہاں: اس نے شرم کر کہا،

اسی وقت وہ آخری کمرے تک پہنچ گئے... دروازہ  
علی گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے... یہ دیکھ کر ان کی حیرت  
اور خوف کی انتہا نہ رہی کہ انپکٹر جمшиد، منور علی خان، بزرگ  
فارانی، شاہد اور فاروق بے بس پڑے تھے... اور ان کے  
بھم پڑیوں سے چھپے ہوئے تھے...

"یہ... یہ کیا ہوا؟" انپکٹر کامران مزرا ہے سکلاتے،

"مرمت،" انپکٹر جمшиد بولے،

"بھی... کیا مطلب... مرمت،" آفتاب نے حیران ہو  
کر کہما،

"ہاں! مدرسی موں کے ماتحتوں نے ہماری مرمت  
کر دی... لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں... انھوں نے

یہ حکم نہیں دیا تھا،"

"ہمارا نی فرمائے تفصیل نہیں،" انپکٹر کامران مزرا کا چہرہ

سرخ ہو گیا،

”غصے میں آنے کی ضرورت نہیں... مدرسی مون ان کی خبر لے چکے ہیں؟“

”پھر بھی آپ تفصیل نایں۔“ وہ بدلے۔

اٹھوں نے ساری بات سنادی اور بولے:

”اور آپ لوگوں نے فوجیوں پر کس طرح قابو پایا۔“

اٹھوں نے بھی واقعات سنادیے... پھر آفتاب دفیر کی باری آئی... ان کے خاموش ہونے پر سی مون نے کہا۔

”فارغ ہو چکے آپ لوگ۔“

”جی ہاں! اب آپ درنایں... آپ کا کیا پردگرام ہے؟“

”وہی... جو پہلے تھا... میں جلد از جلد آپ لوگوں سے فارغ ہو جانا چاہتا ہوں۔“

”کیا یہیں مقابلہ کی دعوت دیے بغیر، ہی مدرسی مون ان پکڑ کامران مرزا نے طنزیہ لمحے میں کہا۔

”کیا مطلب؟“

”ہے کیا ہماری ہوئی... ہم سے دو دو ہاتھ کرتے تو ایک بات بھی نہیں۔“

”خیر... یوں ہی سی... تم میں سے جو بھی مجھ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہیں... میں تیار ہوں۔“

”لیکن اس سے پہلے ہماری ایک شرط ہے؛ انپکڑ کامران رزانے کہا۔

”شرط بیان کرو۔“

”شرط یہ ہے کہ... پہلے ہیں یہ بتائیں... اس عمارت میں آخر ہو کیا رہا ہے... پروفیسر خوری کی تجربہ لگاہ کیوں اڑائی کی...“

”میں یہ بات نہیں بتاؤں گا؛ اس نے کہا۔“

”اس کا مطلب ہے... آپ کو اپنے اوپر بھروسانہیں کہے؛ انپکڑ کامران مرزا نے کہا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ پوچنے کا۔

”ویکھیے نا... آپ ہمارے ذہنوں سے اس عمارت کے درمیں ہیں ہر بات سلب کر دیں گے اور اس کے بعد ہمیں ہمارے ٹکڑے جانے دیں گے... یا خود بھجو دیں گے کویا ہم وہاں جا کر کسی کو بھی کچھ نہیں بتا سکیں گے، ان حالات میں ہماری الجھن دور کر دینے میں کیا حرج ہے۔“

”ایک وعدہ... جو میں کہ چکا ہوں اپنی حکومت سے، اسے ہر قیمت پر پورا کروں گا... یہ بات نہیں بتائی جائے گی؟“

”اوہ... اوہ! ان کے منہ سے نکلا... پھر ان سب  
نظریں سی مون پر جنم گئیں...  
کیوں مشر سی مون... پروفیسر صاحب ٹھیک کر  
کے ہیں: انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”ماں! یہ ٹھیک ہے:  
ممل... لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے: انپکٹر کامران مرزا  
حیرت زدہ انداز میں کہا.  
”کیا کیسے ہو سکتا ہے:

”فوجی اڈے کی ضرورت اشارجہ کو بے... اور یہ  
بنایا ہے... دنیا نے... جب کہ اسے تو یہاں اڑا  
لئے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ وہ بولے.

”واقعی... یہ تو بہت عجیب بات ہے:  
ایک بار پھر ان کی نظریں سی مون پر جنم گئیں.

”آپ کچھ وصاحت کریں گے:

”نہیں!“ اس نے منہ بنایا.  
”تو پھر میں ایک خیال پیش کرتا ہوں: انپکٹر جمیشید  
کہا۔

”ضرور... کیوں نہیں.“ وہ سکرايا.  
”آپ کا تعلق دنیا سے نہیں... اشارجہ سے ہے.“

”ربستے دیں انپکٹر کامران مرزا... یہ بہت معمولی بات  
ہے: پروفیسر داؤ نے منہ بنائے کہا.  
”جی... کیا فرمایا... معمولی بات ہے؟“

”ماں! میں سمجھ گیا ہوں... یہ کیا چیز ہے?  
”تو پھر بتا دیں... آپ کے بتانے پر مجھے کوئی اعتراض  
نہیں: سی مون نہیں کہا.

”یہ فوجی اڈا ہے؟“

”جی!!!“ ان کے منہ سے ایک ساختہ نکلا.  
”ماں... ایسی فوجی اڈا... ایک بڑی طاقت اک مدت  
سے ہمارے ملک میں فوجی اڈا قائم کرنے کی کوشش میں  
صرف ہے... لیکن ہماری حکومت نے آج تک انھیں  
اڈا بنانے کی اجازت نہیں دی... کیوں کہ اڈا بنانے  
کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے مکمل طور  
پر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دیا... لیکن مسلمان  
قوم اتنی بے غیرت نہیں ہے... پھر چہ تمام تر تعلقات  
کے باوجود... اور حد درجے دباؤ کے باوجود... ہماری  
حکومت نے کبھی یہ منظور نہیں کیا... تنگ آکر ان  
کی نظریں اس ریاست پر جنم گئیں... اور انھوں نے  
اس ریاست کو اڈے میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا.“

”میرا تعلق دراصل کسی بھی ملک سے نہیں... کوئی بھی ملک مجھ سے کام لے سکتا ہے... اس قسم کے منصوبوں کے ذریعے میں کروڑوں روپے ماہانہ کمائتا ہوں“

”اور مسٹر بلانڈ لکھ:“

”وہ بھی دراصل میری طرح آزاد آدمی تھا... لیکن عام طور پر لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ ہم وناس کے پلے کام کرتے ہیں... دراصل زیادہ تر سازشی منصوبے وناس ہی بناتے ہیں“  
”اور اس مرتبہ آپ لوگوں سے معابرہ کر دیا اشارجہ نے  
”یہی بات ہے... لیکن یہ بات خود تم نے معلوم کی ہے  
اندازوں سے... میں نے کچھ نہیں بتایا۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”اہ! ایسا سے وہ جب چاہے... وناس پر حلا کر سکتا ہے:“

”اور پروفیسر غوری صاحب کی رصد گاہ... اس کا یہ قصور تھا:“

”اس اڈے کا ایک سلسلہ خلا میں بھی موجود ہے:  
کسی مون بولا۔“

”لیا مطلب؟“

”فھا میں مغلق میزائی موجود ہیں... ان کا بہت بڑا

نخیرہ اشارجہ بیان لے آیا ہے... اس ذیخرے کو پروفیسر غوری رصد گاہ کے ذریعے دیکھ سکتے تھے... بلکہ شاید کسی حد تک انھوں نے دیکھ بھی لیا تھا اور اندازہ لگانے والے تھے کہ ہم نے رصد گاہ کو ہی اڈا لیا۔“

”اوہ... وہ... وہ...“ آفتاب ہٹکایا۔

”شاپاش ہے... کہیں مکمل جملہ نہ منہ سے نکل جائے“  
اصفت بھٹا اکٹھا۔  
”وہ چلغوزے... جو ہم نے رصد گاہ کی دور بین سے دیکھے تھے... تو وہ مغلق میزائی ہیں۔“

”ہاں اسی مون مسلکا یا... پھر اس نے فنزہ افادہ میں کہا:

”کیا خیال ہے... آپ لوگ اپنے ملک کی پڑوی ریاست میں فوجی اڈا برداشت کریں گے؟“

”ہرگز نہیں... یہ ہماری آزادی پر ایک کاری ضرب ہو گی... عملی طور پر ہم علام ملک بن جائیں گے؛ انپکٹر جمیش چلتے۔“

”لیکن... میں ان کے احکامات پر عمل کرنے پر مجبور ہوں“  
اور ان کے احکامات یہی ہیں کہ آپ کی حکومت کو کافیں کافیں اس اڈے کا پتا نہ چلے... اور اس کا یہی طریقہ ہے

کہ میں آپ لوگوں کے دماغوں کی پلیٹیں صاف کردا دوں۔“  
 مقابلے کے باقیر ہی۔ انپکٹر کامران مرزا نے طرزیہ  
لہجے میں کہا۔

”اگر آپ لوگ مقابلہ کرنے کے لیے اتنے ہی بے  
چین ہیں تو پھر میں کیا کہ سلتا ہوں... میں بھی تیار ہوں،  
کہ مگرہ بہت بڑا ہے... کیا خیال ہے... کافی رہے گا؟“  
”ہاں! گزارا کر ہیں گے؛ انپکٹر کامران مرزا ملکارے۔  
”تو پھر وقت کیا ضائع کرنا... میں آپ لوگوں کی طرف سے  
جلد از جلد فارغ ہو جانا پسند کر دیں گا... تاکہ ذہنی طور پر  
پُرسکون ہو جاؤ۔“ اس نے کہا۔

”لوگ یا آپ اس وقت ذہنی طور پر پُرسکون نہیں ہیں۔“  
”خیر... یہ مطلب بھی نہیں تھا میرا...“ وہ بولا۔

”ہم مقابلے کے لیے تیار ہیں۔“  
”کیا فاک تیار ہیں آپ... آپ کے قریباً آؤ ہے ساتھی  
تو مردم پتی کرا کے پڑے ہیں۔“

”تو کیا ہوا... آپ کے لیے ہم ہی بہت کافی ہیں۔“  
اہصف نے منزہ بنایا۔

”مقابلے میں شکست کی صورت میں فراؤ اس کمرے

میں دماغ کے ماہر آجائیں گے... وہ اس قسم کے تجربات  
پہنچے بھی کر چکے ہیں... آپ لوگوں کو فکرمند ہونے کی صدرت  
نہیں۔“ سی موں بولا۔

”یہ بات ہمارے فکرمند ہونے کی نہیں۔ آپ شوق سے  
فکر کریں۔“ فرزاد نے شوخ آزاد میں کہا۔

”میں بہت کم فکرمند ہوا کرتا ہوں۔“ اس نے ہنس کر  
کہا۔

”ابھی جب آپ ہمارے ساتھ دو دو ہاتھ کر لیں گے  
تو فکر میں فکرمند نظر آئیں گے۔“ آفتاب بول اٹھا۔

”ارے نہیں... ایسی بھی کوئی بات نہیں... ہاں... یہ ہو  
سکتا ہے کہ خود آپ لوگ پریشانی کا شکار ہو جائیں۔“

”میرا خیال ہے... دونوں طرف سے ہمیں بہت ہو چکیں  
آپ کچھ کام بھی ہو جائے۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”ٹھیک ہے... آپ میں سے پہلے جو شخص مقابلے کرنے  
کا خواہش مند ہو... آجائے... واضح رہے کہ مقابلے میں کوئی  
ہتھیار استعمال نہیں ہو گا۔“ سی موں نے کہا۔

”ٹھیک ہے... وہ ایک ساتھ بولے۔ پھر انپکٹر کامران مرزا  
نے آگے آتے ہوئے کہا:

”میں آپ کے مقابلے میں آتا ہوں۔“

اپ اور مجھ سے مقابلہ کریں گے... بہت خوب... ملائی  
ہاتھ... اس نے پُر اخلاق انداز میں ہاتھ آگے بڑھا دیا.  
”ہوشیار انخل... ہاتھ ملانا خطرناک ہو سکتا ہے۔“ اصف  
نے انھیں خبردار کیا۔

”ارے نہیں بھتی... میں اس وقت دوستانہ انداز میں  
ہاتھ ملا رہا ہوں۔“

”پردا نہیں... اپ کسی بھی انداز میں ہاتھ ملائیں۔“ انپکٹر  
کامران ہزانے کیا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا... دونوں نے ایک  
دوسرے کا ہاتھ تھام لیا، انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا،  
اور بھی انپکٹر کامران مرزا کی غلطی بھتی... انھیں ایک زوردار  
چھٹکالا... لیکن چون کہ سی موں نے ان کا ہاتھ تھام رکھا  
تھا... اس پیسے وہ گرنے سے بچ گئے... تاہم انھیں اپنے  
جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

”ایسے... مشر... انپکٹر کامران مرزا۔“

”کہتے ہوئے سی موں نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا... وہ  
لڑکھراتے ہوئے بیچپے ہئے... یہ دیکھ کر آفتاب گھبرا گیا:  
وکیا ہوا ابا جان：“

”مگر... کچھ نہیں؟“ انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں  
کہا۔

”کہیں... آپ نے... مشر سی موں کی طرف دیکھ تو نہیں  
لیا۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”اوہ! یہ بڑا ہوا... مشر سی موں کی انکھوں میں بجلی کی  
سی طاقت ہے...“

”تم... میں مد درجے کمزوری محسوس کر رہا ہوں؟“ انھوں  
نے کہا اور پھر انپکٹر جنید کے بستر پر آ کر بیٹھ گئے...  
باقی لوگوں کا حال بڑا تھا... سی موں اب تک  
اپنی جگہ تنہا کھڑا تھا۔

## تیسرا طرح

انپکڑ جمیل تو پہلے ہی بے بس پڑے تھے۔ اب انپکڑ کامران مرزا بھی بے کار ہو گئے۔ اب آپ لوگوں میں سے کوئی میرے مقابلے میں آنا پسند کریں تو یہ تیار ہوں، ورنہ سب لوگ ڈاکٹر حضرات کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

”یہ نہیں ہو سکتا مدرسی مون۔“ خان رحمان نے پرسکون انداز میں کہا۔

”کیا نہیں ہو سکتا۔“

”ہم مرتبے دم تک مقابلہ کریں گے۔“

”مرتبے دم تک... یہ کیا کہ رہے ہیں آپ... مرتبے دم تک مقابلہ اس طرح کرتے ہیں... انپکڑ کامران مرزا اور انپکڑ جمیل تو ابھی بالکل زندہ ہیں۔“

”وہ بھی مقابلہ کریں گے... پہلے آپ مجھ سے نہست لیں۔“

یہ کہتے ہی خان رحمان تیزی سے آگے بڑھے اور پھر انھوں نے سی مون پر چھلانگ لگانے میں انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ انپکڑ جمیل نے چاہا۔ انھیں اس طرح آگے بڑھنے سے منع کر دیں... لیکن وہ اس وقت تک چھلانگ لگا چکے تھے... دوسرے ہی لمحے ان کے منہ سے ایک چینخ نکلی... وہ منہ کے بل گرے تھے... سی مون نے تو انھیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ بس وہ پُر سکون انداز میں ایک طرف ہٹ گیا تھا۔  
”دیکھیے مدرس... وقت ضائع ہو رہا ہے۔“ سی مون نے کہا۔

خان رحمان اٹھے تو ان کا چہرہ خون آلواد نظر آیا۔ باکسے خون ٹپ ٹپ گردہ رہا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ آگے بڑھے۔ دونوں ہاتھ ان کے آگے کی طرف پھیلے بڑھے۔ جوں ہی وہ سی مون کے نزدیک پہنچے۔ اس نے ان کے دائیں ہاتھ کو پکڑ کر ایک جھٹکا مارا۔ خان رحمان نہایت پھرتی سے دیوار کی طرف گئے اور انھوں نے دونوں ہاتھ آگے پہلے ہی کر رکھے تھے۔ اس کے باوجود پورا جسم پورے زور سے دیوار سے مگرایا۔ اور وہ کئی قدم دیکھے ہٹ کر گرے۔ اس کے بعد انھیں کوئی

آپ اٹھیں گے یا آپ کے کسی دوسرے ساختی کو

پکاروں۔"

خان رحمن نے کوئی جواب نہ دیا... اب سی مون نے ان سب کی طرف دیکھا... یہ دیکھ کر اکام پُر جوش اذان میں اٹھا... لیکن جوں ہی نزدیک پہنچا... بُری طرح اچھلا اور دیوار سے جا ملکرا یا:

مکرے میں سنا تما طاری ہو گیا... ان کے تین ساختی ہے کار ہو چکے تھے... کچھ اس مقابلے سے پہلے ہی پے کار ہو چکے تھے۔

"اوہ! آصف!... تم اپنے طور پر مقابلہ کریں گے۔" محمود نے اٹھنے ہوئے کہا۔

"میں بھی ساختہ دوں گا... آفتاب بولا... اور تیزی سے ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ایک منٹ بھی... بچوں کی باری اس وقت آسکتی ہے... جب بڑا کوئی نہ رہے۔" شاہ اعظم کی آواز نے ایخیں پوچنکا دیا... وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے۔

"آپ... آپ بڑیں گے۔" آصف ہٹکایا۔  
"ہاں... کیوں نہیں... آخر کو یہ میری ریاست کا معاملہ

ہے... اور میں اپنی ریاست میں سب سے طاقت ٹھیک ہے... ہم آپ کو نہیں روکیں گے، آپ میں بھی حق بنتا ہے، آصف نے کہا۔

"شکریہ!" اھفوں نے مسکرا کر کہا اور سی مون کی طرف بڑھتے۔

سی مون نے ایخیں مسکرا کر دیکھا اور بولا: "ریاست کے بوگوں سے مرٹنا یا مقابلہ جتنا اور بات ہے اور ایک بین الاقوامی حاسوس کا مقابلہ کرنا دوسری بات... میں اس مقام تک بلا وجہ نہیں پہنچا، حکومتیں بھے یو یعنی کروڑوں روپے ادا نہیں کر دیتیں۔"

ٹھیک ہے... اس کے باوجود یہی اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔

اُو... میں حملہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں... اس نے دونوں ہاتھ پھیلایا کہا۔

شاہ اعظم تیزی سے جھکے... فرش پر دونوں ہاتھ رکھے اور سر نیچے کرتے ہوئے اھفوں نے دونوں ٹانگیں اور پھر دیں، دوسرے ہی لمبے دونوں ٹانگیں سی مون کے چہرے پر لختی نظر آئیں... لیکن ہوا کچھ اور ہی... بے پاہرے شاہ اعظم بُری طرح اچھے... اور دُور جا کر پوچھے

گرے... سی موں نے صرف اتنا کیا تھا کہ اپنی طرف ہوش نب کی دونوں ہانگوں کو پچڑا کر کمر پر ایک لات مار لیجیں اچھا دیا تھا۔

اور اب شادِ اعظم کی آنکھیں جھٹ سے پھیل گئی تھیں۔

”بس... یا ابھی کچھ دم خم باقی ہیں۔“

”نم... میرا... میرا تو جوڑ جوڑ الگ محسوس ہو رہا ہے میں حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہا۔“

”ہاں امراضی موں کی ایک خاصیت یہ بھی ہے... جبکس کسی کو اچھائتے ہیں تو پھر گرنے والے کو جوڑ جوڑ الگ ہی محسوس ہوتا ہے... اور یہ کیفیت کافی دیر تک رہتی ہے، انپلکٹرِ جمیشہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔“

اب فاراں میں موں کی طرف بڑھے، لیکن وہ بھی زیادہ دیر اس کے سامنے نہ ملک سکے۔

سی موں نے ایک نظر بیٹھاں:

”انپلکٹرِ جمیشہ پلے سے کافی بہتر نظر آ رہے ہیں...“  
سی موں کے بھی میں سیرت کی جملک سبقی،  
”جی ہاں! باتِ دراصل یہ ہے کہ ہم زیادہ دیر تک

پڑے رہنا پسند نہیں کرتے؟“ فاروق بولا۔

”اوہو... تم بھی... سیرت ہے... بہت جلدی ہوش میں گئے۔“

”ابھی کیا ہے... ابھی تو ہم آپ کے مقابلے میں آئیں گے؟“ فاروق مسکرا یا... وہ ابھی تک اسی حالت لیٹا ہوا تھا، لیکن اب باتِ چیت کرنے کے قابل ہو چکا۔

”غیر... تو نہیں ہو سکے گا... آپ لوگوں کی مرست اس درکم نہیں ہوں گے۔“ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”میرسری موں... ابھی ہم باقی ہیں۔“ محمود پر سکون اداز میں بولا۔

”ہاں بھی صزور... کیوں نہیں... تم سب ایک ہی بار پر جملہ ہوڑ ہو سکتے ہو... میری طرف سے اجازت ہے؟“  
”اگر یہ بات ہے تو ہمیں ایک منٹ مشورے کے لئے دیا جائے؟“

”مشورہ... کیا مطلب؟“

”ہمارا دین ہیں بتاتا ہے کہ کاموں میں مشورہ کہ یہاں سے؟“  
”اوہ یہ مشورہ تم یہیں کرو گے... یا؟“

”نہیں... میں کہہ دیں گے۔“ صفت جلدی سے بولا۔  
”ٹھیک ہے... اجازت ہے۔“ اس نے بے نکری کے دری ہمارے گناہ بخشوادیتے ہیں... ہمیں کچھ کرنے کی درست نہیں۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”افوس! یہ ایک بالکل غلط عقیدہ ہے... کوئی کسی ٹھکری... آپ واقعی ایک بہادر و شمن ہیں... ہمیں بھی گناہ نہیں بخشوادیتے۔“ انسان کو عمل کرنا پڑے۔ گا... وہ مسلمانوں کے لیے کام کرتے۔“ فرزانہ نے سرد آہ بھری۔

”نہیں بھی... میں مسلمان نہیں ہوں گا۔“ اس نے جھوٹا کیا۔ ایمان کی حالت میں۔“ دیکھو بھی... مجھے نہ الجھاؤ... میں مسلمان نہیں ہوں گا... میں نے سنا ہے... سال میں ایک مہینہ ایسا بھی آتا ہے... کیوں... کیا براۓ دلکھی آپ نے مسلمانوں میں؛ فرحت ہے... جب مسلمان صحیح سے لے کر شام تک بھوکے ہتھے میں جمل کر کہا۔

”ہاں! یہ روزہ ہے۔“  
”ایسے کام مجھے سے نہیں ہو سکتے۔“ اس نے منہ بنالیا۔  
”در اصل غیر مسلموں کو کیا پتا کہ اللہ نے ان کا مول  
کا اجر کیا رکھا ہے۔“  
”تمہارا مطلب ہے... مرنے کے بعد؟“ اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”جی ہاں! مرنے کے بعد بھی زندگی ہے... لیکن کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی۔“

”میں اس بات کو نہیں مان سکتا... مرنے کے بعد انسان ختم... نہیں۔“ اس نے کہا۔

”بات براۓ کی نہیں... مشقت کی ہے... اسلام میں مشقت بہت برداشت کرنا پڑتا ہے... سخت سردوں میں دن میں پانچ وقت منہ ہاتھ و ہونا پڑتا ہے... پھر عبادت کر جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ آنھوں دن گریے میں جانا ہوتا ہے... اس میں گئے گئے... نہ گئے... نہ گئے... کوئی اعتراض کرنے والا نہیں... کوئی پوچھنے والا نہیں۔“  
”تب تو اسلام پاکیزہ مذہب ثابت ہو گیا: آفتاب مسکرا یا۔“

”میں اس بحث میں پڑنے کے لیے تیار نہیں... ہمارے

خیر... ایک لمبی بحث ہے... اگر ہم نے آپ کو شکست دے دی اور گرفتار کر کے اپنے ملک لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر راستے میں اس موضوع پر تفصیل سے بات ہو گی۔

”وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔“ اس نے پرلین اداز میں کہا۔

”یکوں مدرسی مون... کیا آپ کو کبھی کوئی شکست نہیں دے سکتا... جب کہ آپ ایک بار ہمارے ہاتھوں شکست کھا چکے ہیں؟“ فرزانہ نے بھتائے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہ شکست نہیں تھی... حکمت عملی تھی“ سی مون نے مسلکا کر کہا۔

”کیا مطلب؟... جیل میں مدرسہ بلاسٹر لکنگ کے رہنا حکمت عملی تھی؟“

”ہاں اور یہ رہ کر ہم نے اس منصوبے پر بات پیش کی تھی... دوسرے یہ کہ ہمارے فرار کا منصور پہنچے ہی بنا لیا گیا تھا اور اس منصوبے کے تحت ہم چار ماہ پہلے جیل سے نکل گئے تھے۔“

”تب“ آپ نے پچھی کو اغوا کرنے والے کو سزا

پڑھ دی:

”اسے صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایس پی جیل کو مجبور اگر دیا جائے... لیکن اس نے مجبور کرنے کا بہت غلط طریقہ اختیار کیا۔“

”ہم بھی خیر... اب ہم مشورہ کر لیں؟“

”اوہ ہاں... بالوں میں یہ تدریج ہی گیا... میں تم لوگوں کو ایک منٹ دیتا ہوں... مثیک ایک منٹ بعد اگر تم لوگ مقابلے کے لیے تیار نہ ہوئے تو بھی میں تم لوگوں پر ٹوٹ پڑوں گا اور ایک منٹ کے اندر اندر قم لوگوں کے ہوش اڑا کر رکھ دوں گا۔“

”یہ بعد کی بات ہے:“ آصف نے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”یہ خیال ہے... ہم سب مل کر مدرسی مون کا مقابلہ کریں... یا پھر ایکے ایکے۔“

”ایکے ایکے مقابلہ کرنے کی صورت میں ہماری کامیابی کے امکانات نہیں ہیں... ہاں اگر ہم سب مل کر عمل کریں تو پھر شاید ہم اس فتنے کو روک سکیں؟“ آصف نے جلدی جلدی کہا۔

”تم نے مجھے فتنہ کہا؟“ سی مون نے بڑا مان

کر کما۔

”اوہ... معاف کیجیے گا مشریقی مون... دراصل فتنے سے  
مراد فوجی اڈے سے تھی... ہ فوجی اذا ہمارے علک کے یہے بہت  
بڑا فتنہ ثابت ہونے والا ہے... اور شاید اس سے بڑا فتنہ کوئی  
انھا ہی نہیں ہو گا اچ تک... پورے علک کو غلام بنانے کا  
ایک نیا منصوبہ،“ احمدت نے پڑ سکون آواز میں کہا۔  
”نیا منصوبہ... کیا مطلب؟“

”اہ! اچ سے چند سو سال پہلے انگریزوں نے بھی  
ہمارے علک پر اسی طرح قبضہ کیا تھا... انھوں نے بھی ایک  
خود مختار بادشاہ کے دور میں انعام میں تھوڑی سی جگہ حاصل  
کی تھی اور پھر اس جگہ کو انھوں نے فوجی اذا بنا لیا تھا  
وہ فوجی اذا پھر اٹا ہمارے ہی خلاف محاذ بن گیا، اور  
ایسا محاذ بننا کہ پوری مسلمان قوم غلام بن گئی... اور قریباً  
دو سو سال تک غلامی کی چکی میں پستی رہی... فوجی اذا بنانے  
کا یہ منصوبہ... دراصل اس پرانے منصوبے کی خی شکل ہے...“  
لیکن اس بات کو بہت کم لوگ سمجھ سکتیں گے... صرف وہ  
لوگ سمجھیں گے... جنہیں اللہ تعالیٰ نے تاریخِ عالم کو  
تجھے کی صلاحیت دی ہے... نئے دور کے ترقی پسند کرنے  
سرسری اہمیت بھی نہیں دیں گے... ان کی آنکھیں اس

دن کھلیں گی... جس دن پانی سر سے گزر چلا ہو گا... لیکن  
اس وقت کیا نامہ... وہ پانی ان کھلنے والی آنکھوں کو بچپن  
بند کر دے گا؛ انپکٹر جمشید دکھ بھرے بھجے میں کہتے  
چلے گئے؛“

”تقریر اچھی کر لیتے ہیں انپکٹر جمشید... اور یماری کی  
حالت میں بھی یہی مون نے ظنزیہ بھجے میں کہا۔

”اگر آپ کو میری تقریر پسند نہیں آئی تو معافی چاہتا ہوں  
لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ تو خود دوسروں کی ہدایت پر عمل پڑا  
ہیں آپ کو کیا معلوم کہ اس اڈے کے مقاصد کیا ہیں...“  
اور مستقبل میں یہ کیا سچھ کھلانے کا؟“ انپکٹر جمشید پوچھے۔  
”ہاں! یہ تھیک ہے... میں نہیں جانتا... اور نہ جانتے  
کی ضرورت محسوس کرتا ہوں... میرا کام تو بس اتنا ہے کہ  
راستے کی تمام رکاوٹیں صاف کر دوں اور جب منصوبہ ہر  
نظرے سے صاف ہو جائے تو متعلقہ لوگوں کے حوالے کر  
کے اپنا معاوضہ وصول کروں اور الگ ہو جاؤ!“ سی مون  
نے کہا۔

”تو آپ معاوضہ بعد میں وصول کرتے ہیں؟“

”ضروری ہو تو پہلے میں لے سکتا ہوں... حکومتیں مجھ پر  
بھروسہ کرتی ہیں اور میں ان پر... آج تک کسی حکومت

نے بھئے دھوکا نہیں دیا اور نہ میں نے:

”لیکن فرض کیا... آپ کسی منصوبے میں ناکام ہو جائیں۔ فاروق نے سوال کیا۔

”آج تک ایسا نہیں ہوا۔“ اس نے کہا۔

”فرض کیا کہ ایسا ہر جائے تو؟“ فاروق نے منہ بنایا۔

”اس صورت میں میں مختلف حکومت سے کوئی معافہ نہیں ہوں گا اور اپنی ناکامی کا اعلان بھی کروں گا۔“

”شکریہ... اس بار تو پھر آپ کو یہ اعلان کرنا ہی ہو گا۔“

”ارے نہیں... یہ مخفی تم لوگوں کا خیال ہے ہمیں مون نے ہنس کر کہا۔

”آپ کا نام سی مون کیوں ہے؟ آفتاب بول اٹھا۔

”میں بے... تم لوگ شاید مجھے باتوں میں الجھا کر کوئی چال چلنا چاہتے ہو... لیکن دھیان رہے... ایسی ہر کوشش اللہ نقصان پہنچائے گی۔“

”مشورہ پھیر رہ گیا... اور ہر مشورہ اس وقت تک نہیں کہ میں سکھ لیں گے کہ آج چاہیں تو جائیں۔“

”اویس کا انکل عذر و شرح کر لے گے ہیں... مسلک کر لیں،“

”تسلیم کرے۔“

”ہاں بھی... کیا مشورہ ہے؟“

”ایک ساتھ حل۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔

”بالکل ٹھیک... میرا بھی یہی خیال ہے: فرحت بولی۔

”میں تو اپنا خیال ظاہر کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہوں گے بلکہ جلنے کی سخت بھی نہیں محسوس ہو رہی تو مشورہ میں حصہ

لے کر کیا کروں گا۔“ فاروق نے دکھ بھرے بھے میں کہا۔

”باقی رہ گئے ہم... ہم بے چارے کس شمار میں ہیں...“

”بڑا ہی نہیں سکیں گے؛ شوکی نے کندھے اچکائے۔“

”کیوں مستر شوکی۔“ سی مون مسلک رکا۔

”ہم ذرا دوسری طرح اپنا کام نکالتے ہیں؟“

”ہماری طرف سے تو تم تیسرا طرح کام نکالو؛ آصف نے منہ بنایا۔“

”ہم نے آج تک تیسرا طرح پر غور نہیں کیا... یہاں سے فارغ ہو کر غور کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔“ مکھن بولا۔

”لبس... چپ... دھو... اور ایک طرف ہو کر کھڑے ہو جاؤ... اس کا افسوس رہے گا کہ اس لڑائی میں فاروق

ہمارے ساتھ نہیں ہے۔“ آفتاب نے منہ بننا کر کہا۔

”اللہ کی مرضی... ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”باتیں بہت ہو چکیں... مر یا میں فرمائ کر جملے کا آغاز

بے چارے گویا کے دھکڑے کر دیے۔ ”آفتاب نے  
منہ بنایا۔

”اُن سب کو ”سی مون نے کہا۔

”میر سی مون ہوشیار ہو جائیے... ہم آپ کی طرف حملہ  
اور ہو رہے ہیں... پھر شکایت نہ کیجئے لگا کہ خبردار نہیں کیا:  
 محمود اعلان کرنے والے انداز میں بولا۔

”آپے... حملہ آور ہو جائیے... ”سی مون نے دھوٹ دی۔  
ان کا دارہ آہستہ آہستہ سی مون کی طرف بڑھنے لگا،  
ان کی نظریں اس کے جسم پر جنم گئیں...“

”کیا ارادہ ہے مجھی؟ ”سی مون کے لمحے میں قدرے  
حیرت تھی۔

”لیں حملہ کریں گے... اور کیا ارادہ ہو گا؟“  
اور ان الفاظ کے ساتھ ہی ان سب نے ایک  
ساتھ سی مون پر چھپا گئیں لگا دیں۔

کردی ”سی مون نے کہا۔

”وہ آگئے آگئے... اور سی مون کے گرد ایک رامرے  
کی صورت میں ھڑے ہو گئے... شوکی برادرز نے آگے بڑھنے  
کی بجائے... دیوار کی طرف کھاک جانے میں بتری خیال کی  
فاروق کی حالت دیکھنے والی تھی... وہ بہت بے چین نظر  
آ رہا تھا... فرزانہ کی اس پر نظر پڑی تو سمجھ گئی اور مسکرا  
کر بولی:

”تم اس لیے بے چین ہو رہے ہو کہ ہمارے ساتھ مقابله  
میں پڑیک نہیں ہو سکتے؟“

”اُن ایں کیا کروں... تاہم میر سی مون سے مجھے بھی اجازت  
لے دی؟“ فاروق نے سرد آہ بھری۔

”کسی اجازت؟“

”اُگر مجھے ایک آدھہ ہاتھ لیتے لیتے آپ کو رسید کرنے  
کا موقع مل گیا تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہو گا؟“

”اوہ نہیں... بہت خوشی سے۔“ اس نے کہا۔

”شکریہ میر سی مون... دشمن ہو تو آپ جیسا۔“

”اور یہ اجازت صرف تھیں ہی نہیں... کمرے میں موجود  
تھارے تمام ساتھیوں کو ہے۔“

”یہک... گویا... ہمیں بھی؟“ مکھن ہنکلایا۔

## میں آرہا ہوں

محمود اور اسحق نے سی مون کے منہ کی طرف سے چھلانگیں لگائی تھیں ..... دونوں کے منہ سے بھی انک چینیں نکلیں ... کیوں کہ ان کی ٹھوڑیوں پر سی مون کے مکتے لگتے تھے ..... وہ تو فوراً ہی دور جا کر گئے ..... آفتاب نے واپس پل پر چھلانگ لگائی تھی ..... اس کے پیش میں سی مون کی لاث لیتی ..... فرحت نے باہیں طرف سے حل کیا تھا ..... اس کی پنڈل پر باہیں پیر کی ٹھوکر لگی ..... یہ دونوں بھی تڑپ کر گئے اور پھر نہ اٹھ سکے ..... صرف فرزانہ رہ گئی ..... اس نے معمول کے مطابق تیجھے سے چھلانگ لگائی تھی اور اب سی مون کی گرد سے نکلی ہوئی تھی .....

”چھلانگ“ فرزانہ بولی۔

”تم ..... قوم ..... میری کمر سے کیوں چکی ہوئی ہو؟“

سی مون جلدی سے بولا۔

”تو اور کیا کر دو؟“

”خیر تو پھر... میں بھی ایک عدد کارروائی کرتا ہوں؟“  
اس نے کہا۔

”ضرور... کیوں نہیں... میں نے آپ کو روکا تو نہیں مشرسی مون“ فرزانہ نے سکرا کر کہا۔

اس کے جواب میں سی مون نے جو حرکت کی ..... وہ عجیب ترین تھی ..... اور فرزانہ کے اس داد کے مقابلے میں ایسی حرکت کبھی کسی نے نہیں کی تھی ..... وہ فوراً جھکا۔ دونوں ہاتھ فرش پر ٹکائے اور فلا بازی کھا گیا ..... اس کے ایسا کرتے ہی فرزانہ اس کے پنجے دب گئی ..... اسے یوں لگا ہیے کسی دوسرے کی چنان کے پنجے دب گئی ہو ..... منہ سے ایک لگنی لگنی پنج نخل گئی اور اس کے ہاتھ لگنے پر سے بہت سکنے ..... ساختہ ہی اسے اپنا دم گھٹانا محسوس ہوا ..... اب جو سی مون پڑا تو اس میں حرکت کرنے کی بھی ممکن باتی نہیں تھی ...

”بیکا جواب ہے ..... تمہارے دار کا“ سی مون نے کہا۔

”بہت خوب ..... مان گئے مشرسی مون ..... تم واقعی اس قابل ہو کہ بڑی بڑی حکومتیں اپنے منصوبوں پر عمل

او کے سر، تینوں ایک ساتھ بولے اور پھر لٹھتے  
ظر آئے۔

دو منٹ بعد ہی دروازہ کھلا اور وہ تینوں اندر  
 داخل ہوتے۔

ان سب کے دامغ کی پلیٹیں صاف کرنا ہیں... صرف  
یاست کے معاملات کی حد تک،

او کے سر، یہ کوئی مشکل کام نہیں؛ ان میں سے  
ایک نے کہا۔

تو پھر انپا کام شروع کریں... آپ لوگ کتنی دیر

میں فارغ ہو جائیں گے؛ چھے گھنٹے لگ جائیں گے... ان سب کے اپریشن  
کرنا ہوں گے؛

ٹھیک ہے... میں چھے گھنٹے کے بعد اگر انھوں  
چک کروں گا... اس دوران میں آرام کروں گا... اگر کوئی  
مشکل پیش آجائے تو آپ مجھے بلا سکتے ہیں،

بہت بہتر سر، اس نے کہا۔

اور سی موں کرے سے نکل گیا... اب ڈاکٹر ان  
کی طرف متوجہ ہوتے... سرچری کے آلات انھوں نے  
میز پر رکھ دیے۔

تم سے کہاں... لیکن میری بھی ایک بات سن لیں؛ فرزانہ  
بولی۔

اور وہ کیا؟

یہ کہ... تم لوگ بھی ہار مانندے والے نہیں؛  
لیکن... تم میں سے تو اب کسی میں بلنے بخلنے کی بھی  
نہت نہیں... شکست تو تمہارے سروں پر لکھنی مسکراتی  
ہے...

اس کے باوجود ہم اسے دور سے سلام کرتے ہیں  
اپنے ب نے کہا۔

کس کو... سی موں بے دصیانی کے عالم میں بولا  
شکست کو؟

تمہارے دور سے سلام کرنے سے کیا ہوتا ہے،  
وہ تو تمہارے سروں پر سے لگزد چکی ہے... اور آپ میں  
وقت فرانچ کیے بغیر اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنادیں گا، یہ  
کہ کہ وہ میز کی طرف ہی گی... ایک بیٹن ریا ہی ہنا کہ ایک  
سکرین روشن ہو گئی... اور اس میں تین ڈاکٹر ایک میز کے  
کو دیکھنے نظر آئے۔

ڈاکٹر... آپ کی یہاں ضرورت ہے... اس کام کے  
لیے... ضروری آلات میں کہ آ جائیں؟

ایک وقت میں تین آدمیوں کا اپریشن کریں گے... سب  
سے پہلے تو ان سب کو جلد ہوش کر دیں... تاکہ جیس کوئی  
وقت نہ ہو؛ یہ کہ ایک ڈاکٹر اپنا بیگ کھولنے لگا۔  
لبے میں شوکی کی سرد آواز امیری:  
خبردار ڈاکٹر... آپ کی مکر میں نشر جھونک دوں گا...  
بیگ نہ کھوئیں؟

ڈاکٹر چونک اٹھے... ابھوں نے حیرت اور خوف کے  
عام میں ادھر اُدھر دیکھا۔ شوکی ایک ڈاکٹر کی عین مکر پر  
ساختہ لگا کھڑا تھا... اور اس کے ہاتھ میں اپریشن کرنے والا  
نشر تھا.

”یہ... یہ کیا... مدرسی مون کے ہاتھوں شکست کھانے  
والے تو دو گھنٹے تک ہل جمل بھی نہیں سکتے...“ ڈاکٹر نے  
کانپ کر کہا.

”ہم نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا... ان کے حقے<sup>کی</sup>  
کی لڑائی ہم آپ سے بڑیں گے؛“ شوکی نے مسکرا کر  
کہا.

”اوہ... یہ ان سے کیا غلطی ہوئی... ان کے بھی ایک  
اپ ہاتھ تو رسید کرنا ہی چاہیے تھا...“  
”ہم نے خود کو اس قدر ڈرپوک اور بندول ظاہر کیا

کہ ابھوں نے ایک ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی ضرورت  
نہیں نہیں کی۔“

”ہم! یہ بہت بڑا ہوا۔“

اس وقت تک محسن، اشفاعی اور اخلاق بھی ایک  
ل نشر اٹھا چکے تھے... اب تینوں ڈاکٹر کے ہاتھ  
پر اٹھنے ہوئے تھے... شوکی نے گھبرا کر ان لوگوں کی  
رف دیکھا اور بولا:

”اب ہم ان کا کیا کریں؟“

”خاتمہ“، انپکٹر جمشید بولتے۔

”جی... کیا کہا... خاتمہ؟“

”ہاں! تاکہ ہم اپنے ذہنوں کے بدے جانے کے خطرے  
سے آزاد ہو جائیں... یہ نشر ان کے جسموں میں داخل کر  
دو خوکی... شتاباش“، انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”الل... لیکن... جانب... ہم نے ایسا کام کبھی نہیں

کیا۔“ تو کیا ہوا... آج کہ د... ملک اور قوم کے لیے کرو...“

اپنے دینِ اسلام کے لیے کرے... یہ کوئی گناہ کا کام نہیں  
ہے... ثواب کا کام ہے؛ انپکٹر جمشید نے پہ نور بھی  
میں کہا۔

کیا کہ انگل... کاٹا... اور ایک بارہ دشمن کھشیدہ ہوئے۔  
”وہ صرف ہمارا ناتی دشمن نہیں ہے... اگر... جب کہ  
کا حکم ماننے سے انکار کر دیں گے:  
”من... نہیں... نہیں... ساپ کو زندہ چھوڑنا عقل مندی نہیں...”  
”ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں... اب مردانی فرمائے آپ  
جلدی جلدی ٹھیک ہو جائیں... ایسا نہ ہو کہ مدرسی  
ان وقت سے پہلے آ جائیں: ”شوکی نے گھبرائی ہدیٰ آوان  
کہا۔  
”ست... تو کیا ہوا... آ جائیں گے تو ان کی کمریں بھی  
تر گھوپ دینا؟”  
”اے باپ رے... مدرسی مون کے؟ مکھن کا پ  
یا۔  
”ہاں اکیوں... کیا ہوا۔”

”ان کے مقابلے میں تو آپ لوگ نہیں غیر سکے...  
جنہوں نے بڑے بڑوں کے چکٹے چھڑا دیے۔“  
”یہ کوئی بات نہیں... بعض اوقات اپنی چیونٹی کے  
باختہوں مارا جاتا ہے: آفات بولا۔  
”وو... دیکھیے... ہمیں چیونٹی کہ رہے ہیں؟ شوکی  
نے شکایت کی：“

”من... نہیں... نہیں... ایسا نہ کرنا... ہم... ہم آپ لوگوں  
کے آپ لشکر نہیں کریں گے:“  
”یکے نہیں کریں گے... کیا آپ لوگ مدرسی مون  
کا حکم ماننے سے انکار کر دیں گے:  
”من... نہیں... نہیں... ان کے منہ سے نکلا۔  
مشکل، مکھن اور اشفاق نے انہیں بند کرتے ہوئے  
نشتر ان کے جھموں میں دھکیل دیے... ان کے منہ سے  
چینیں نکلیں اور پھر وہ گوارہ رڑپنے لگے...  
”شاہاش... شوکی... یہ کام کیا ہے تم نے؟“  
”مل... لیکن... اب ہم کیا کریں...“  
”پچھے بھی نہیں... ہم لوگ دو گھنٹے تک درست حالت  
میں آ جائیں گے... اور سی مون چھے گھنٹے کے بعد آئے گا۔  
ہم ایک بار اس سے پھر ٹکرے سکیں گے: انپکڑ جمیٹ  
بولے۔

”لیکن انگل... ہم اس سے دوبارہ ٹکرائیں کی ضرورت  
ہی کیا ہے... کیوں نہ ہم نکل چلیں؟“  
”نہیں بھئی... سی مون کے بغیر جانے میں مزا نہیں  
آئے گا... اس لئے کہ جائیں گے... یا پھر اس کا کام  
نکال کر جائیں گے؟“

من ...

کے آپ لیں نہ نہیں... تھیں غلط فہمی ہوئی ہے... ہم نے اب کے میں کی۔

کام "میں بتا ہوں ترکیب... شوکی؟" ایسے میں انپکٹر جمیل بولے۔

"آپ ترکیب بتائیں... یہ فرحت اور فرزانہ کس دن کام آئیں گی؟"

"کوئی بات نہیں... یہ بھی بتائی ہی رہتی ہیں... اس وقت تو تم مجھ سے ہی سن دو،" انپکٹر جمیل سکرائے۔

بھی فرمائیے۔" افتاب نے کہا۔

ڈاکٹر کے بیگ میں سے بے ہوشی کی دوانکال لو اور ان کے دامنیں اور بائیں کھڑے رہو... اگر دو گھنٹے سے پہلے مسٹر سی مون انہر داخل ہوئے تو بیشی ان کی ناک پر اٹ دینا... اور اگر دو گھنٹے خیریت سے گزر گئے تو اس وقت ہم اسے دیکھ دیں گے۔"

شکریہ محل... بہت اچھی ترکیب ہے،" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

انھوں نے ایسا ہی کیا... لیکن دو گھنٹے گزرنے کے بعد بھی سی مون نہ لوٹا... اور پھر وہ اٹھنے لگے... انپکٹر جمیل بھی اٹھنے کے قابل ہو گئے۔

"محود... اپنا چاقو مجھے دے دو،" انپکٹر جمیل بولے۔

آپ چاقو سے اس پر دار کریں گے... جب کہ وہ خالی ہاتھ ہوں گے؛ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں... میں چاقو سے دار نہیں کروں گا؛"

"تو پھر؟"

"میں ان پیلوں سے آزاد ہونا چاہتا ہوں؛

"لیکن اس طرح تو خون رہے لگے گا۔"

"نہیں... اب بہت دیر ہو چکی ہے... خون نہیں پسے گا؛"

لیکن جمیل... آخر پیلوں اٹارنے کی ضرورت کیا ہے؟

میرے زخموں میں آگ سی لگی ہوئی ہے... شاید ڈاکٹروں نے شرارت کی ہے... یا پھر سی مون نے ہی انھیں ایسا کرنے کا اشارہ کیا ہو گا... تاکہ میں جلد نہ سکوں۔" انھوں نے بتایا۔

چند منٹ بعد انھوں نے پیلوں کاٹ کر چینکنگ دیں... اب انھیں سی مون کے انتظار کے سوا کوئی کام نہیں تھا، ہاں باتیں کر سکتے تھے... لیکن اس شکست کے بعد ان کے دل کچھ بچھے گئے تھے... باتیں کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اور پھر چھے گھنٹے پرے ہو گئے... انھوں

نے قدموں کی آواز سنی... آخر دروازہ کھلا اور سی موں اندر داخل ہوا... اندر کا منظر دیکھ کر وہ ذرا بھی دچو نکا... لیں ایک مسکلہ بیٹ ضرور اس کے چہرے پر پھیل گئی:

”حیرت ہے... مسٹر سی موں... آپ اندر کا منظر دیکھ کر جیران نہیں ہوتے...“ خان رحمن بولے.

”حیرت مجھے اس صورت میں ہوتی... اگر ڈاکٹر قم لوگوں کے اپریشن کر پچھے ہوتے؟“  
”تو آپ کو پڑھے ہی امید تھی کہ ایسا ہو گا؛ کرنل فارن بولے.

”نہیں... امید تو خیر نہیں تھی：“

”لیکن پھر آپ بلا کھنکھنکے اندر نکلوں داخل ہوئے...“  
هم دروازے کے دائیں اور بائیں طرف بھی تو کھڑے ہو سکتے تھے... اس طرح ہم آپ پر اچانک حلہ کر دیتے:  
”میں انپکٹر جمیش اور ان کے ساتھیوں سے لیسی امید نہیں کر سکتا تھا؛“ اس نے کہا.

”ہاں اٹھیک ہے...“ ہم ایسے بہادر دشمن پر چھپ کر محل نہیں کر سکتے تھے... ورنہ اس وقت تمہاری لاش پڑی تڑپ رہی ہوئی۔“

بہادر دشمن کی بھی تو خوبی ہوئی ہے؛“ اس نے خوش

ہو کر کہا.

”ہم ایک بار پھر مقابلے کے لیے تیار ہیں،“ انپکٹر جمیش بولے.

”ضرور کیوں نہیں... میں خود بھی ذہنی طور پر تیار ہوں،“  
کیوں کہ پہلے مقابلے میں مجھے مزا نہیں آیا تھا؟“

”اس بار آپ کو مزا ضرور آئے گا... فکر نہ کریں؛ انپکٹر کامران مرزہ بولے.

”تو کیا... آپ سب مجھ پر حلہ ایک ساتھ کرنے کا  
پروگرام بناتے بیٹھے ہیں؟“

”نہیں... میرا خیال ہے پہنچ مرف میں آپ سے مقابلہ کروں گا،“ انپکٹر جمیش نے کہا.

”ہاں! یہی ٹھیک رہے گا،“

”لیکن بڑائی سے پہلے ہم ایک معاہدہ کریں گے، اور تھیں اس معاہدے کی پابندی کرنا ہو گی؛“ انپکٹر جمیش نے کچھ سوچ کر کہا.

”معاہدہ... پابندی... میں سمجھا نہیں؛“ اس نے الجن کے عالم میں کہا.

”میں عرض کرتا ہوں... شکست کی صورت میں... اس فوجی اڈے کی تمام تر تفصیلات آپ ہیں بتا دیں گے؛“

چلو منظور ہے... اور اگر آپ ہار گئے تو پھر میں دی کروں گا... لیکن اس مرتبہ آپشیش اپنی نجات میں کراوں گا۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”اور ڈاکٹر ز؟“ آفتاب بولا۔

”ڈاکٹر میرے پاس اور ہیں... فکر تر کرو۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“ آصفت بولا۔

”ٹھیک ہے تو اس طرح کہ رہے ہو کہ آپشیش کرانے کے لیے بہت بے صین ہو۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”لے چین ہو گے تم خود؟“ وہ بھنا انتہا۔

”لبیں بھی... والپسی پر؟“ انپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

”والپسی پر تو الگ الگ واپسیاں شروع ہو جاتی ہیں۔“

”نہیں... اس بار تم لوگوں کو کھلی چھٹی دی جائے گی۔“ فان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

”پہلے مجھ سے تو کھلی چھٹی لے لو۔“ سی موں ہنسنا۔

”اوہ ہاں اس سے ضروری کام تو یہ ہے۔“ پروفیسر داؤڈ چونکے۔

”مقابلہ بہت محنت سا ہو گا۔“ سی موں نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونک اٹھئے۔

”ہر جیت میں زیارت وقت نہیں لگے گا۔“

”چلیں خیر... دیکھا جائے گا۔“

اور انپکٹر جشتید اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے... ایسے میں فرزانہ کو نہ جانے کیا سوچی... وہ بول

اٹھی:

”ایک منٹ آبا جان۔“

”کیا بات ہے فرزانہ۔“

”میں آپ سے لگھے ملنا چاہتی ہوں۔“

”یہ مطلب؟“ انپکٹر جشتید چونکے... پھر مسکرا کر بولے۔

”اوہ سمجھا... تمہارا مطلب ہے... کیا خبر میں اس مقابلے

میں زندہ بچوں یا نہیں... آخری بار گئے تو مل بیا جائے۔“

”نج... جی ہاں۔“

”فرزانہ... تمہاری سوچ پر افسوس ہے۔“ فاروق نے اسے گھوڑا۔

”ہوتا رہے... یہ میرے جذبات ہیں۔“

”فرزانہ... مجھے تم پر غصہ آ رہا ہے... ایسے وقت میں

تمھیں ایسی بات ہرگز نہیں کریں جائیے تھی۔“ محمود نے کہا۔

”صرف تمھیں نہیں... ہم سب کو غصہ آ رہا ہے... فرزانہ

ہے ایسی بات کی امید نہیں تھی۔“ آصفت نے کہا۔

”بھئی ایسی کیا بات کر دی اس نے... مجھے تو بالکل بُرا نہیں لگا... آد فرزانہ“ اخنوں نے ہاتھ پھیلا دیے... ساکھہ، ہی سی مون سے بولے،  
”اجازت ہے میر سی مون؟“  
”جی ہاں... کیوں نہیں؟“  
فرزانہ آگے بڑھ کر ان کے گھے سے لگ گئی۔

”تم وگ نہیں جانتے... فرزانہ کو مجھ سے کس قدر محبت ہے؟“ ایسے میں انپکٹر جمیش نے کہا۔  
اور پھر فرزانہ چند سینڈ تک ان کے گھے سے چھٹی رہی،  
آخر ہٹ گئی اور اپنی جگہ جا کھڑا ہوئی۔  
”بس... یا کسی اور کو بھی ملنا ہے؟“  
”جی نہیں... ہم بعد میں ملیں گے“ فاروق نے کہا۔

”انپکٹر جمیش... میری طرف سے تمھیں اجازت ہے،  
پسند کرو تو پہلے تم حلہ کر سکتے ہو۔“  
”جی نہیں... پہل آپ کریں گے“ اخنوں نے کہا۔  
”تو پھر... میں آ رہا ہوں۔“  
ان الفاظ کے ساکھہ ہی سی مون نے ان پر اپنے خاص

انداز میں چھلانگ لگائی... انھیں یون محسوس ہوا جیسے وہ انپکٹر جمیش کو چھاپ بیٹھا ہو... لیکن دوسرا لمبے حیران کن تھا... سی مون انپکٹر جمیش کے اوپر سے گزر گیا تھا... وہ گورا زمین سے چپک گئے تھے... سی مون اپنے زور میں کمرے کی دیوار تک چلا گیا... اس نے دوفوں ہاتھ آگے کر کے خود کو دیوار سے مکرانے سے بچایا... وہ بلا کی رفتار سے پڑا۔  
انپکٹر جمیش پھر اس کے سامنے کھڑے تھے... اور

ان کے چہرے پر ایک پُر سکون مسکراہٹ ہتھی:  
”اب آپ کی باری ہے“ سی مون نے بھی مسکرا کر کہا... تاہم اس کی مسکراہٹ قدر رے بھی بھی ہتھی۔  
”نہیں... میں اپنی باری بھی آپ کو دیتا ہوں... آپ مجھ پر حلہ کریں؟“

”یہ نہیں ہو گا... اب آپ کو حلہ کرنا ہو گا...“  
”اچھی بات ہے“ انپکٹر جمیش نے کہا اور چھلانگ لگانے کے بعد جکے... انھوں نے چھلانگ ضرور لگائی... لیکن اس انداز سے لگائی کہ سی مون سے ایک دو سنٹی میٹر ادھر، ہی زمین پر آئے... جب کہ سی مون یہ خیال کیے بیٹھا تھا کہ وہ ان تک پہنچ جائیں گے... نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے خود کو بچانے کے لیے رخ بدلا... لیکن انپکٹر جمیش تو اس سے ایک دو سنٹی

میرٹ کے فاصلہ پر آکر گرے تھے... رخ پر لئے سے کیا ہوتا، دوسرے ہی لمبے ان کی ایک بھرپور لات سی مون کی پسلیوں میں لمحی... وہ پورے زور سے دیوار سے ملکرا یا... ایک تو پسلیوں پر ضرب لمحی... دوسرے جسم دیوار سے ملکرا یا... پل بھر کے پے وہ ساکت ہو گیا... لیکن صپر فراہ ہی اس کے جسم میں حرکت ہوئی... اور وہ اٹھ کر ھڑا ہوا... چہرے پر اوس مسلسلہ تھا نظر آئی۔

بہت خوب انپکٹر جمیشید... زندگی میں یہ پلا موقع ہے کہ میرا اہلزادہ کسی نے غلط کر دیا... خیر... ابھی میں ہارا نہیں... ہاں پہلے راؤنڈ میں ہار ہی سمجھی جانی چاہیے... کیوں کہ میں آپ کو کوئی نقصانی نہیں پہنچا سکا تھا،

”میں اس وقت یادوں کے موڑ میں نہیں ہوں؟“ انپکٹر جمیشید بولے۔

”ہوں! ٹھیک ہے... بڑائی کا دوسرا راؤنڈ شروع ہوتا ہے... یہی میں حلہ کر رہا ہوں؟“

اس نے کہا اور اس بار چھلانگ لگانے کی بجائے ان کی طرف بے تھاشا دوڑ لگا دی... شاید وہ انھیں اپنی پیٹ میں لے کر رکیدتے ہوئے دیوار تک رے جانا چاہتا تھا، اور پھر اپنے اور دیوار کے درمیان انھیں رکھ کر رکھتے

ڈالنے کے موڑ میں تھا... لیکن ایسا ہونے سکا... کیوں کہ انپکٹر جمیشید نے اس کی پیٹ سے پہنچ کی کوشش نہیں کی تھی، لیکن خود بھی اس کی طرف بلا کی رفتار سے دوڑے... نتیجہ یہ کہ دونوں پوری قوت سے ملکرا یا... سب کو یوں محسوس ہوا جیسے دو چانیں ملکرا گئی ہوں... دونوں اٹھ کر ادھر اور ادھر گرے... چند لمبے تک وہ بے حس و حرکت یا لٹے رہے تماشا یوں کا بڑا حال تھا... ان کے دل دھک دھک کہ تماشا یوں کا بڑا حال تھا... اس کے تھا کہ دیکھیں... رہے تھے... اور ہر ایک اس انتظار میں تھا کہ دیکھیں... پہنچ کون اٹھتا ہے... جو پہنچے اٹھ جاتا... اس کی نفع کا امکان زیادہ تھا... اور پھر انھوں نے سی مون کو اٹھتے دیکھا... سیدھا ھڑا ہونے کے بعد فاتحانہ انداز سے ان سب پر ایک نظر ڈالی اور آہستہ آہستہ انپکٹر جمیشید کی طرف پڑھنے لگا... ان کے دل اور بھی زور سے دھڑکنے لگے، ایسے میں فاروق کا جی چاہا چلا اٹھے اور اپنے والد کو آواز دے... لیکن محمود نے اس کا ارادہ بھاپ کر اس کا ہاتھ دبا دیا... پھر جوں ہی سی مون ان کے نزدیک پہنچ کر چکا... انپکٹر جمیشید کی دونوں ہانگیں اس کے سینے پر نکلیں، وہ اس حصے کے یہے تیار نہیں تھا... دوسرے یہ کہ اس سے یہ غلطی ہو چکی تھی کہ ان کے پیروں کی طرف سے اگے

اکا... الگ سر کی طرف سے آتا تو اسپکٹر جمیڈ یہ وارند کر سکتے... وہ بڑی طرح اچھلا اور کئی میٹر اونچا پہنچ کر نیچے گرا... اس وقت تک اسپکٹر جمیڈ اٹھ چکے ہتے... انھوں نے اس کے گرتے ہی اس پر چھلانگ لگائی... اور یہی ان سے فلٹی ہوئی... سی موں گرنے کے باوجود پوری طرح ہوشیار تھا... پہنسنی کھا گیا... اسپکٹر جمیڈ کے پیر زمین سے نکلنے کو انھیں زیادہ پوچھ تو نہیں آئی... لیکن وار تو خالی چلا گیا، ادھر سی موں نے پہنسنی کھانے کے فرآ بعد ایک چکرہ کھایا، اور اپنی لات گھمائی... یہ لات اسپکٹر جمیڈ کی ران پر لگی... وہ لڑاکھڑا شے، لیکن گرتے گرتے رک گئے... انھوں نے ران میں شدید درد محسوس کیا... تاہم وہ درد کو پی گئے اور حملہ کرنے کی پوزیشن میں آگئے... سی موں ابھی تک اسی طرح ڈالا ہوا تھا اور اس میں ذرا بھی گمزوری کے آثار پیدا نہیں ہوئے ہتے...

دیکھنے والوں کا حال بہت بڑا تھا... مارے بے قراری کے ان کے چہرے سرخ ہو چکے ہتے... وہ پلکیں جھپکنا مجبول گئے ہتے... شاید انھوں نے اس قدر جیرت انگریز روانی پہنچے کبھی نہیں دکھی تھی...  
”لوائی طول پکڑا گئی ہے... جب کہ مجھے ذرا امید

پیکٹر جمیڈ اتنی دیر تک میرے مقابٹے پر نہیں... سی موں نے پریشان کے عالم میں کہا  
”اکا... اسی موں نے پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟“  
”اکا... پندرہ منٹ بعد مجھے ایک ضروری گفتگو کرنا ہے،“  
منصور یے خاتم کا پیغام آئے گا：“  
”اوہ... تو آپ کا رابطہ ان سے بھی ہے؟“  
”ان سے تو رابطہ بہت ہی ضروری ہے... سی موں نے کہا۔  
”خیز کوئی بات نہیں، اگر روانی بکے دران پیغام آگیا، تو ہم پیغام سننے کی بہت آپ کو دے دیں گے؛“  
”جس نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔“  
”شکریہ... بات یہ نہیں ہے... میں پاہتا ہوں... اس وقت بک روانی سے فارغ ہو جاؤ؟“  
”یکروں... ایسا بھی کیا؟“  
”پیغام زبانی نہیں... منصورے کا خالق خود ہے کہ آئے گا؟“  
”اوہ!... ان کے منڈ سے ایک ساتھ بکلا... چہ اسپکٹر جمیڈ نے کہا،  
”سب پھر... جناب... آپ ذرا جلدی جلدی ہاتھ ماریں

ا... اپنی ہمارت کو آواز دیں۔ ”حمدود نے کہا۔ وار مذ  
میرے مقابلے پر انپکٹر جمیل ہیں... کوئی بھائی کہ ایسا  
نہیں ہے:

اتا کہتے ہی اس نے اچانک ان پر چلا گا، انہی سے  
اور انپکٹر جمیل سے زبردست غلطی ہوئی... کہ باور ہوش لگ  
کر ذرا سے بے دھیان ہو گئے... وہ پورے زور سے ان  
سے ٹکرایا... دوسرے ہی لمحے وہ چاروں شانے چلتے تھے،  
ان میں حرکت کے اشارہ نہ پا کر وہ بولا:  
”انپکٹر کامران مرزا... سیکا خیال ہے... آتے ہیں میرے  
مقابلے پر۔“

## بس ایک فاروق

انپکٹر کامران مرزا نے اس کی طرف پڑ سکون  
ہزار میں دیکھا اور پھر سکتا کہ بولے:  
”آرزو ہی یہی ہے۔“

”تو پھر آئیے... آپ کی بھی آرزو پوری ہو جانی  
چاہیے... لیکن ایک بات سن لینا... آپ کے گرنے کے  
بعد میں کسی کو باری باری بلانے کی زحمت نہیں کروں  
گا... باقی سب پر بیک وقت ٹوٹ پڑوں گا اور آن  
کی آن میں ان سب کو زین دکھا دوں گا۔“  
”یہیں کوئی اعتراض نہیں مشرسی موں؟“ خان رحمن  
بولے.

سب لوگ اب خود کو کسی جدید تارکہ چکے تھے،  
اچانک انپکٹر کامران مرزا سی موں کی طرف جھپٹے۔ یہی موں  
نے ملنے جلنے کی کوشش نہیں کی... انھیں اپنے قریب آنے  
دیا... اور پھر جوں ہی وہ نزدیک پہنچے... وہ اپنی جگہ سے

اچھلا... اور دونوں انھوں کی نہیاں ان کی ہنسی کی دونوں ہڈیوں پر دے ماریں... لیکن انپکٹر کامران مرزا نے بھی حیرت انگیز پھرتی دکھائی... فراز نیچے پیٹھے گئے... سی موں کے ہاتھ میں سمجھوں کر رہ گئے... ادھر انپکٹر کامران مرزا نے اس کی دونوں ہانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں... سی موں دھرام سے گرا۔

اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح گرا... انپکٹر کامران مرزا ایک لمبی بیانی کیے بغیر اس پر جا پڑے... لیکن دوسرا لمبی سنتی خیز بتا... وہ بری طرف اپھلے... اور دور جا کر گرے... اس وقت انھیں سی موں کی حیرت انگیز علاقت کا اہمذہ ہوا... اس نے انھیں کسی بلکی چکلی چیز کی طرف اچھال پھینکا تھا... یعنی نہیں... وہ تیزی سے اٹھا بھی تھا اور پھر اس نے انپکٹر کامران مرزا پر چکانگ دکا دی، وہ ابھی سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ اپنے اوپر ایک ٹیکان گرتے محسوس کی... اور سی موں کے دونوں ہاتھ ان کے لگے پر جم گئے:

«آپ تو گئے مشر انپکٹر کامران مرزا» سی موں نے طرزیہ لبے ہیں کہا۔ ان کے تمام ساتھی ساکت رہ گئے اور پھٹی پھٹی انکو

سے اس منظر کو دیکھنے لگے... انھوں نے دیکھا... پہلے انپکٹر کامران مرزا کے چہرے کا رنگ سرخ ہوا، پھر انھیں باہر کو آنے لگیں... سی موں اپنی ساری طاقت شاید اس وقت مانھوں میں لے آیا تھا... اس حالت میں اچانک انپکٹر کامران مرزا کی دونوں ہانگیں یک لخت پیچے کی طرف آئیں... اور دونوں پیروں سی موں کے ہاتھ پر گرے... میں پھر کیا تھا... اس کے ہاتھ ہی گھٹے پرد سے نہیں بیٹھے... وہ خود بھی دوسری طرف اٹ گیا... انپکٹر کامران مرزا بلا کی تیزی سے اٹھے لیکن انھوں نے دیکھا... ان کے ساتھ بھی سی موں بھی اٹھ چکا تھا... اور اب پھر ان کے سامنے کھڑا مسکنا رہا تھا۔

“تک گئے کیا مشر انپکٹر کامران مرزا؟”

“نہیں... ابھی نہیں تھا کا... آیئے...” وہ بھی مسکنا کر جوئے۔

“میرا تو خیال تھا کہ آپ میں اب لٹانے کی ہمت تک نہیں رہی ہو گی۔”

“نہیں... ایسی کوئی بات نہیں... میں بالکل ٹھیک ہوں۔” انھوں نے کہا اور اس مرتبہ ایک ایک قدم

الٹھاتے اس کی طرف بڑھے... اس نے پیچے ہٹنے کی کوشش نہیں کی... وہ بھی ایک ایک قدم آگے بڑھا... اس

دونوں نے ہاتھ آگے بڑھائے اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں چھنس گئیں... اب وہ ایک دوسرے کے ہاتھوں پر طاقت آندا رہے تھے... انپکٹر کامران مرزا کو اس وقت افسوس ہوا... اخنوں نے محسوس کیا... کہ ان کے دونوں ہاتھ کسی فولادی شکنخے میں آگئے ہیں... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا... اب تو وہ ہاتھ شکنخے میں دے چکے تھے سی محک ان کے دونوں ہاتھوں کو بھینپتا اور مردڑتا چلا گیا... یہاں تک کہ ان کے ہاتھ بالکل مز لگئے اور وہ بے بس ہو گئے۔

”اب اگر میں چاہوں تو ایک جھٹکا دے کر دونوں بازوں کو توڑ سکتا ہوں؟“  
”مفرود توڑ دو... یہ ہیں بھی اسی قابل... میں تم سے دھم کی بھیک نہیں ہانگوں لگاگا“، اخنوں نے کہا.  
”یہی تو مشکل ہے... میں ایسے نہیں کر سکتا“، سی موں نے الجن کے عالم میں کہا.  
”کیا؟“ وہ بولے.

”یہ کہ میں آپ لوگوں کو بے کار کر دوں؟“  
”کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے... آخر ہم تمہارے دشمن ہیں۔“

”لیکن تمہارے ہاتھ میں اتنے بہادر دشمن مجھے پھر کہاں ملیں گے؟“

”گویا دشمنی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا... تم پھر بھی ہٹکے ہاتھ میں آتے جاتے رہو گے؟“

”ہاں! آپ کے ہاتھ پر کتنی بڑی طاقتیوں کی نظری جمی ہیں... ایک ہاتھ کا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے تو دوسرا ہاتھ کوئی منصوبہ بنایا کہ مجھ بیسے کسی آدمی کے سپرد کر دیتا ہے، ایسی کوئی سی بات ہے؟“

”اوہ... آخر ہمارے ہاتھ میں اپنیں ایسا کیا نظر آتا ہے؟“

”سب سے پہلی چیز دینِ اسلام... دوسری چیز... اس ہاتھ کی سونا الگتی زمینیں... تیسرا چیز... اس ہاتھ کی پوزیشن ایسی ہے کہ اس پر قبضہ کر کے دوسری بڑی طاقتیوں سے ملکر یہاں آسان ہو جاتا ہے؟“

”گویا ہمارے ہاتھ کو سازشوں کا مرکز بنانا چاہتے ہیں؟“  
محمد نے طرزیہ بھیجے میں کہا۔

”اب جو بھی آپ سمجھے میں... ہم باقتوں میں لگ گئے، حالاں کہ مقابلہ کر رہے تھے؟“

”یہ کہ کہ سی موں نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیے...“

لیکن چہوڑے اس طرح کر وہ دور بجک لاحکتے چلے گئے... ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ ان کی مکر پرسی مون کی دنوں لاٹیں زور سے لگیں... وہ سیدھے دیوار کی طرف گئے... ان کا منہ زور سے لکڑایا اور وہ اسٹ کر گئے اور پھر ان میں اخفیت کے آثار نہ پا کر سی مون نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

”تم سب لوگ ایک ساتھ مجھ پر حملہ کرو...“ اس نہیں کہا گئے تو پھر ہی خود تم سب پر ایک ہی وقت میں حملہ کروں گا：“

”بھی ہاں ایسے ٹھیک ہے... لیکن میں کم از کم شہیدوں میں نام تو ضرور کراویں گا：“

”شہیدوں میں نام... کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے... اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک ہاتھ رسید کر دوں... جواب میں آپ بھی ایک ہاتھ مجھے رسید کر دیں... اس طرح میں ان کے قریب گروپوں گا اور یہ مجھے طعنے نہیں دے سکیں گے کہ میں بستر پر بیمار بناؤ رہا... اور یہ لوگ بلے بلگری سے مقابلہ کرتے ہوئے فرش پر گئے... میں یہ طعنہ برداشت نہیں کر سکتا مسٹر سی مون：“

”تو پھر آ جاؤ... مجھے کوئی اعتراض نہیں... میں

فاروق نہ کھراستے قدموں سے آگے بڑھا... ایک بار تو وہ بڑی طرح نہ کھراایا اور گرتے گرتے بڑی مشکل سے بچا... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پریمیر بالکل قابو میں نہ ہوں.

”رہنے دو فاروق... کیوں خود کو مصیبت میں ڈالتے ہو؟“  
خان رحمان کی سُست آواز سنائی دی.

”کیا کروں انکل... ضمیر کی آواز کو کس طرح دباؤں؟“  
”اچھا بھائی... جیسے تمہاری مرٹی؟ پروفیسر داؤڈ بولے.  
اور فاروق پھر بڑھنے لگا... انھیں یوں لگ رہا تھا کہ  
وہ اب گہرا کہ اپ گرا:

”میں مان گیا.“ سی موں مسکرایا.

”جی... کیا مان گئے؟“ فاروق گھبرا گیا.

”تمہارے جذبے کو... اس حالت میں بھی تم چاہستہ ہو کر  
اپنے ساتھیوں کی طرح تم بھی مجھ سے ایک ہاتھ کھا کر  
ان کے ساتھ یہٹ جاؤ.“ سی موں نے کہا.

”ہاں انکل سی موں... اور میں ان کے سامنے شرمذہ  
تو نہیں ہوں گا نا.“

”لیکن میری اس کر قم گھبرا کیوں گئے تھے؟“ سی  
موں نے قدرے تیران ہو کر کہا.

تمہیں ایک ہاتھ رسید کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔“ سی موں نے خوش  
دلی کا مظاہرہ کیا.

”لیکن اس سے پہلے میں آپ سے گھٹے ملنا پہنچ کروں گا؟“  
فاروق بولا.

”گھٹے ملنا... کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اب بچھڑنے کا وقت قریب ہے... بچھڑنے  
جانے کب آپ سے ملاقات ہوتی ہے... ہوتی بھی ہے یا  
نہیں... اس لیے کیوں نہ آخری بار آپ سے گھٹے بھی مل  
لیا جائے.“

”میں تمہاری یہ خواہش بھی پوری کروں گا.“ سی موں ہنسنے  
دشمن... شکریہ... مشریقی موں؟“ فاروق بولا.  
اور تم نے شکریے کو دو حصوں میں کیوں تقسیم کیا?  
”تکہ ڈبل شکریہ محسوس ہو.“

”تم اس حالت میں بھی مذاق کی باتیں کر رہے ہو...  
مجھے حیرت ہے.“

”میں موت کے وقت بھی ان شاہ اللہ اسی طرح  
پُر سکون نظر آؤں گا.“ فاروق نے کہا.

”اچھا آؤ... تم مجھ سے گھٹے مل لو... مجھے نئے ڈالکڑوں  
کو بھی بلانا ہے... اور پچھے لگھنے ابھی اور بھی لگیں گے؟“

کون سی بات ..

جب میں نے یہ کہا ... مجھی مان گئے ... تو تم کیک دم  
مجھرا گئے ..

"لیں ... کیا بتاؤں .." اس نے شرما کر کہا.

"نہیں ... نہیں ... بتاؤ .." سی موں بولا.

"میں سمجھا .. آپ .. نہیں جانتے دیجیے .. کیا فائدہ .."

اس نے کہا.

"نہیں ... نہیں ... بتاؤ .."

"لیں ... آپ کیا بتاؤں جناب ... انخل .. یوں سمجھ لیں کہ مجھنا

میری فاقعی عادت ہے ..

"بکھر بات ہے بات مجھرا نا .." آہٹ نے لفڑہ دیا.  
اں ای یہ بھی ٹوپک ہے .. فاروق نے بڑا مانے بغیر کہا.  
اب وہ سی موں کے بالحل قریب پہنچ چکا تھا .. اس  
نے گھے ملنے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا دیے ..

"ایسے انخل .. سی موں .."

"اب تم نے مجھے انخل کہا ہے تو مجھے بھی گھے مٹاہی  
پڑے گا .. اب تم نکر رہے ہو .." انپکٹر کامران مرزا  
ہاتھ رسید کر دیں گا ..

"لیکن انخل .. میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ایک بھروسہ ہاتھ

ماریں .."

"ہنسنے دو بھئی ... پہلے ہی بھلی کا جھٹکا لگ چکا ہے ..

"خیر .. پہلے گھے تو مل لیں .."

سی موں نے بھی جیسپے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ  
چھیڑا دیے ... دونوں ایک دوسرے کے گھے لگ گئے ... اچاکہ  
سی موں زور سے ہنسا ... اور پھر اس کی ہنسی لمبی ہوتی ملی  
گئی ... ایک بار اس نے مجھرا ہوئے مجھے میں کہا:  
"یہ ... یہ کیا کر رہے ہو بھتیجے ... نہ کہو .."

اور پھر ایک نرکے والی ہنسی نے سی موں کو  
اپنی لپٹ میں لے لیا.



سب نے سی موں کو انکھیں بچاڑھا کر دیکھا،  
اوھ فاروق بدستور اس کے گھے سے پٹا ہوا تھا.  
"بیں ... لیں ... کرو ... لیں .." سی موں نے بٹکل کہا.  
"فاروق ... تم کیا کر رہے ہو .." انپکٹر کامران مرزا  
کے مجھے میں حرمت تھی.  
"مم ... میں ... لگک ... کچھ بھی نہیں انخل .. لیں ذرا سچے .."

ٹلا ہوا ہوئی... دیکھ دیں... اور تو میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔" اس نے جلدی میں کہا۔

تب ہر... مدرسی موں کیوں کہ رہے ہیں کہ بس  
کروں... پتا نہیں۔"

"کس بات کا پتا نہیں؟" انپکٹر جمیڈ نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ مدرسی موں یہ بات کیوں کہ رہے ہیں؟"  
"میں... یہ... یہ... سی موں سے کچھ بھی نہ کہا جاسکا،  
وہ ہنسنے ہنتے ہے... دم ہوا جا رہا تھا... اس کی آنکھوں سے  
بے تماشا آنسو ہے رہے تھے... ایسے میں وہ انپکٹر جمیڈ  
کی طرف کھلتی قدم بڑھ گئے... اور ایسا فاروق کی کوشش سے  
ہوا تھا... پھر اچانک فاروق نے اسے ان کی طرف دھکا  
دے دیا۔

سی موں بڑا کھڑا ہوا انپکٹر جمیڈ پر گرنے لگا... وہ  
جلدی سے ایک مرت ہٹ گئے اور وہ فرش پر آمد، انپکٹر  
جمیڈ نے اکٹا دیکھا نہ تاوق... فراؤ اس پر چڑھ بیٹھے اور دوسرے  
ہی لمبے اس کا گلہ دبوچ دیا... وہ پہنے ہی ہنس ہنس کر  
بے دم ہوا جا رہا تھا... کہ اچانک یہ دوسری مصیبت اس

بہ نازل ہوئی... بے دم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ہاتھوں سے  
کام لے کر اپنا گلہ نہ چھڑا سکا... انپکٹر جمیڈ دباو ڈالتے چلے  
گئے... ایک لخت اس کے ہاتھ پر ڈھیلے پڑ گئے... انپکٹر  
جمیڈ کو حیرت سی ہوئی کہ وہ اس قدر جلد ختم ہو گیا... تاہم  
اٹھوں نے اس کی گردن سے ہاتھ نہ ہٹائے... یہاں تک کہ  
ایک منٹ اور گزر گیا... اس کے جسم میں کسی قسم کی حرکت کے  
اثار نظر نہ آئے... آخر وہ اسے چھوڑ کر امگ ہٹ گئے... اور  
یہی وہ لمبے تھا... جب سی موں کے دونوں پیروں کی بکر پر  
پورے زور سے لگے... وہ اوندو ہے منہ گرے... سی موں نے  
اشتعلے ہی ان پر چھلانگ لگائی... لیکن وہ پلٹٹنی کھا گئے... اور  
سی موں انپکٹر کامران مرزا پر گرا... وہ پہنے ہی ہوشیار تھے  
اٹھوں نے دونوں پیروں کر آگے کر دیے... سی موں ان کے پیروں  
کے ٹکرایا اور دوسری طرف الٹ گیا... اور انپکٹر جمیڈ تیار  
تھے... اٹھوں نے اس کی کلائی پر ہاتھ جاتے اور آگے  
کی طرف جھکا دے دیا... وہ تیر کی طرح دیوار کی طرف گیا،  
دوسرے ہی لمبے زور دار آواز پیدا ہوئی۔

سی موں کا جسم پورے زور سے دیوار سے ٹکرایا  
تھا... وہ الٹ کر گرا... اسی وقت اٹھوں نے دیکھا... اس  
کے سر سے خون بہ رہا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی انھوں سے اسے دیکھنے لگے... ایسے  
میں انپکٹر جمشید پر اس کی طرف بڑھے... لیکن اس نے  
دونوں ہاتھ اٹھا دیے:

”نیں انپکٹر جمشید... مقابلہ ختم۔“

”کیا مطلب... مقابلہ ختم... انھوں نے حیران ہو کر کہا۔“

”ہاں... میری ہنسی مجھے کہ میں بیٹھ گئی... اور اب تو سر  
و پھٹ گیا ہے：“

”تو پھر ہم تمہیں گرفتار کر لیتے ہیں، انپکٹر جمشید  
بُوئے۔“

”ہاں ضرور... کیوں، نیں... یہ تمہارا حق ہے۔“

اکام اور شاہدِ جلدی سے آگے بڑھے اور اسے رسیوں  
سے باندھنے لگے... ایسے میں انپکٹر جمشید کی آواز گوئی،

”فرزاد... مجھے افسوس ہے：“

”جی... کیا مطلب... آپ کو کس بات پر افسوس ہے؟“  
”مجھوں  
نے حیران ہو کر کہا۔“

”اس بات پر کہ میں نے اس کی بات پر کان نیں  
دھرا رکھتا۔“

”اور اس نے آپ سے کیا بات کی تھی،“ آسف بول  
”تمہیں یاد ہو گا... اس نے بڑائی شروع ہونے سے“

پلے میرے کان میں کچھ کہا تھا۔“

”ہاں ای تو نیر ٹھیک ہے：“

”اس وقت اس نے میرے کان میں ایک بہت ہی اہم  
بات کی تھی... لیکن میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی  
تھی... اب اس بات کی اہمیت ثابت ہو گئی ہے：“

”کیا مطلب؟“ فرحت چنگی... اور فاروق مکرانے لگا۔

”اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر سی موں کی کمر پر رسیوں  
کے پاس گدگدی کی جائے تو... وہ بے دم سا ہو جاتا ہے۔“

”اوہ!“ ان سب کے منہ سے نکلا اور پھر ان کی  
انھیں فاروق پر جم گئیں۔

”مم... مجھے کیوں گھور رہے ہیں... فرزان سے پوچھوئے،  
اس نے گھبرا کر کہا۔“

انھوں نے جلدی سے فرزان کی طرف دیکھا۔

”میں نے بڑائی کے دوران مistrسی موں پر مجھے سے  
چھلانگ لگائی اور ان کی گردن پکڑ کر سلی تو یہ گھبرا گئے  
اور یہ پلا موقع تھا کہ میں نے انھیں گھبراتے دیکھا... ورنہ یہ تو  
کسی کے مقابلے پر اور کسی بھی جملے کے دوران نہیں گھبرائے  
تھے... میں سمجھ مل گئی... یہ گدگدی کے مرتضی ہیں... میں نے یہ  
بات ابا جان کو بتائی... لیکن انھوں نے اہمیت نہیں دی۔“

لیکن... خاروق کو یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی ہے۔ اقبال  
نے بھٹا کر کہا۔

”حد ہو گئی... سامنے کی بات بھی نہیں سمجھتے：“  
سامنے کی بات... کیا مطلب؟“

”طلباً یہ کہ میں نے بھی فرزانہ کی باری میں اسے بے  
دم ہوتے محسوس کر لیا تھا... پھر فرزانہ کو سرگوشی کرتے دیکھا  
تو میں نے یہی خیال کیا کہ وہ مدرسی مون کی اسی کمزوری  
کی طرف اشناہ کر رہی ہے... لیکن اب اجان نے اس  
طرف توجہ نہیں دی... یا انھیں موقع نہیں ملا... چنانچہ  
میں نے یہ تجربہ کرنے کا فیصلہ کر لیا...“

”اور تجربہ سونی صد کامیاب رہا۔“

”ہاں! اللہ کا شکر ہے... اگر یہ تجربہ کامیاب نہ  
رہتا تو پھر ہم کماں ہوتے اور ہم پر کیا گزرتی... اُن اللہ۔“  
پروفیسر راؤڈ بولے۔

”اور اب مدرسی مون... پلا سوال... مدرسہ عالم  
کماں ہیں۔“

” محل کے تھے خانے میں قید ہے: اسے نہیں کہا  
”اوہ، مدرسہ شاہ اعظم... کیا محل کے ینچے کوئی قید  
خانہ بھی ہے۔“

”ہاں! اندر دوں کے لیے بنایا گیا ہے... لیکن انہوں... اس  
میں میرے بھائی کو رکھا گیا ہے، حالاں کہ اس کی کوئی ضرورت  
نہیں تھی۔“

”واقعی... ضرورت نہیں تھی... لیکن تحریری منصوبے پر  
عمل کرنے کا میں پابند تھا: اسی مون نے کہا۔

”نیز... ہم ابھی جا کر انھیں نکال میں گے... اور کوئی  
بات“ شاہ اعظم نے کہا۔

”مدرسی مون... اس وسیع عمارت میں جتنے ماہرین  
کام کر رہے ہیں... ان سب کو باہر نکل آنے کا حکم دی،  
تاکہ انھیں گرفتار کیا جائے۔“

”اچھی بات ہے... میز کے دائیں طرف بچے تمیں بیٹھ  
وبا دیں؛“

انپکٹر جمشید نے ایسا ہی کیا... فوراً ہی اواز  
اہمی،

”لیں سر۔“

”تمام لوگ اپنا کام چھوڑ کر باہر جمع ہو جائیں... فوراً...“  
اس نے کہا۔

”اوے سر۔“

پندرہ منٹ بعد سب کو بندھا جا چکا تھا...“

پروفیسر صاحب... آپ اپنا کام شروع کر دیں... ہم ان  
دو گوں کو لے کر دور چلتے ہیں؟  
مل... میکن... جمشید... میں کس طرح وہاں پہنچوں گا:  
فکر نہ کریں... میں آپ کے ساتھ رہوں گا:  
ٹھیک ہے:

انپکٹر کارمان میرزا... ان سب کو عمارت سے دور ہے  
چلیں:

ست... تو کیا... ساری عمارت اڑائی جانے والی ہے?  
ہاں! ہم اس اڈے کا نام و نشان تک مٹا دینا پسند  
کریں گے و انپکٹر جمشید بولے.

اوہ... جیسے آپ کی مرضی؟ سی موں نے کندھے اچھا  
اور پھر وہ لوگ عمارت سے دور ہٹنے لگے... صرف  
پروفیسر داؤد اور انپکٹر جمشید اندر رہ گئے... پروفیسر داؤد  
اندر کنشتوں روم میں مختلف تار ہجڑنے میں مصروف تھے...

پھر وہ تیزی سے نکلتے نظر آئے... اور گھبرا کر بدے،  
جمشید... جلدی کرو... صرف ایک ست بعد پوری عمارت  
اڑا جائے گی... اور اس کے مکڑے بہت دور تک جائیں  
گے:

اوہ! اخنوں نے کہا... پھر پروفیسر داؤد کا ہاتھ پکڑا

کر دوڑنے لگے... میکن جب یہ محسوس کیا کہ وہ زیادہ تیز نہیں  
دوڑ سکتے تو پھر انھیں کندھے پر اٹھا کر دوڑنے لگے... وہ  
مسلسل دوڑتے رہے... یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے  
جا لے...

”میکن نہیں... دوڑتے رہیں ہے پروفیسر داؤد بولے.

اخنوں نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا اور آخر کان  
چھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا... وہ اوندھے منہ گرے...  
اور زمین سے چپک کر رہ گئے.

پوری زمین ہیل کر رہ گئی تھی... انھیں یوں محسوس ہوا،  
جیسے بہت زور کا زلزلہ آیا ہو... اور پھر چند لمحوں کے بعد  
انھوں نے پٹ کر دیکھا... جس جگہ تھوڑی دیر پہلے ایک  
غلظیم اشان اور طویل ترین عمارت موجود تھی... وہاں سے  
گرد، گرد اور دھویں کا طوفان اٹھ رہا تھا... اس گرد کا رخانیات  
کی طرف تھا... وہ پھر بھاگنے لگے... میکن گرد نے انھیں آ  
یا... اور ان سے بھی آگے بڑھ گئی... وہ گرد میں چسب  
گئے... اب بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا... اس پیسے رک گئے  
اور پھر سب گرد چھٹنے کا انتظار کرنے لگے... آخر ایک  
گھنٹے کے بعد گرد چھٹی... تو انھوں نے ایک دوسرے کو  
دیکھا اور پھر سب کے سب ہنسنے لگے:

”بھوت... بھوت.“ آفتاب لپکا راٹھا.  
”بلکہ بھوت رے بھوت... تیری کون سی کھل سیدھی  
فاروق مسکرا یا۔

”وو... بھوت نہ ہوا اونٹ ہو گیا۔ شوکی بولا۔  
”مگر... کیا ہم اسی حالت میں آبادی میں جائیں گے؟  
فرحت نے گھبرا کر کہا۔

”ہاں... گھبرا نے کی ضرورت نہیں... اس وقت آبادی کا  
ہر آدمی بھوت بنا ہوا ہو گا۔“ خان رحمن بولے۔

”اور ہر بھوت اپنی اپنی جگہ سوچ رہا ہو گا کہ آخر  
ہم بھوت کیوں بن گئے... اور کیا ہماری جگہ بھوت  
انسان مکن پکے ہیں؟ فرزانہ کی شوخ آواز ان کے کانوں  
سے ملکرا۔

”خیر کوئی بات نہیں... یہ وائے بھوت... آبادی دلے  
بھوتوں کو بتا دیں گے۔“

”ویسے اس بھوت بننے کا بھی ایک زبردست فائدہ ہوا  
ہے؟“ اپکشہ جمشید بولے۔

”جی زبردست فائدہ... ہمیں تو ارد گرد کوئی زبردست  
فائڈہ نظر نہیں آ رہا... ہاں آگ اور دھوئیں کے یادل  
ضرور اب تک نظر آ رہے ہیں۔“ فاروق نے حیران ہو

کہ کہا۔

”زبردست فائدہ نظر نہیں آ سکتا... سوچا اور سمجھا جا سکتا  
ہے۔“ اپکشہ جمشید نے اسے گھورا۔

”چلیے... آپ تو سوچ بھی پکے ہیں... بتا دیں؟“ فاروق  
نے سماں صورت بتا کر کہا۔

”بھی شاہ اعظم بھی ہمارے ساتھ بھوت بننے ہوئے  
ہیں... چپ کر کے اپنے محل میں چلے جائیں گے... اور  
کسی کو کسی قسم کی تبدیلی کا پتا بھی نہیں چلے گا۔“  
”اوہ؟ ان کے منہ سے ایک ساختہ نکلا۔

”ایک بات رو گئی۔“ خان رحمن بول اٹھے۔  
”اور وہ کیا؟“

”اس کیس کا سہرا...“ خان رحمن نے جملہ ادھورا  
چھپوڑھ دیا۔

”اوہ ہاں... واقعی... اس کیس کا سہرا... کس کے  
سر رہا...“ آصف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔  
انھوں نے جلدی جلدی ایک دوسرے کی طرف دیکھا  
ھپر سب کی نظری فاروق پر جنم گئیں...“

”یہ... یہ... آپ سب... ہم... مجھے کیوں گھور رہے  
ہیں؟“ اس نے ڈر سے ڈر سے انداز میں کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے... کیس کا سہرا فاروق کے سر ہے：“  
انپکٹر کامران مرزا سکرانے۔  
”اڑے باپ رے... بھوت کے سر سہرا“، فرزانہ چکی۔  
”تو تم کیا چاہتی تھیں... مجتنی کے سر سہرا“، فاروق  
نے منہ بنایا۔

”ویسے ادھے سہرے کی حن وار فرزانہ بھی ہے۔“  
انپکٹر جمیش بولے۔

”خیر کوئی بات نہیں اب آجائی... میں نصف سہرا اس  
کے باندھ دوں گا۔“

”ابھی ایک بات اور رہی جاتی ہے：“  
”مذہ جانے ان باتوں کو کیا ہو گیا ہے... لب رہی جاتی  
ہیں۔“ مکھن نے جو اس سامنہ بنایا۔

”اور وہ بات ہے... اس بار ہمیں کھلی چھٹی دی جائے  
گی... جس کا وعدہ کیا جا چکا ہے：“

”اوہ... اڑے باپ رے...“ انپکٹر جمیش گھبرا گئے۔  
اس میں گھبرانے کی کیا بات انکھیں فرحت نے حیران ہو کر کہا۔  
”یہ کہ الٰہ ہم نے تم لوگوں کو کھلی چھٹی دی تو خود ہم  
لوگوں کو کمرہ بند ہو کر بیٹھنا پڑے گا۔“  
”یہ آپ لوگوں کا اپنا منسلک ہے：“

”ایک اور بات... ہم عجول گئے“، انپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
”چلیے... آپ بھی بتا دیں؟“  
”مدرسی مون... جو کہ شاہ نظم کے میک آپ میں ہائے  
قیدی ہیں... ان کا میک آپ آبادی میں داخل ہونے سے پہلے  
پہلے اتار دینا چاہیے... ورنہ آبادی کے لوگ سیا خیال کریں گے：“  
”اوہ ہاں... واقعی؟“  
اور بھرا ہنوں نے سی مون کو گھیر دیا۔ انپکٹر جمیش نے  
اس کے چہرے کا جائزہ لیا... لیکن یہ میک آپ کوئی کچا میک آپ  
نہیں تھا... آخر انھیں اپنے بیگ میں سے ایک خوش سی بوئی نکان  
پڑی... اس بوئی کے محلول سے جب سی مون کا چہرہ دھوایا گیا،  
تو نیچے سے اس کا اپنا چہرہ نکل آیا...  
”مدرسی مون... آپ کو اپنا اصلی چہرہ مبارک ہو“، فاروق  
نے کہا۔

”اوہ تمھیں آدھا سہرا... سی مون نے ہس کر کہا۔  
اور وہ سب مکرا دیے... بخوبی دیر بعد بھوت  
آبادی میں داخل ہو رہے تھے۔

